علمی فقہی تاریخی تبلیغی اور اصلاحی مضامین پر مشتمل نادر مجموعہ

مقالات و مضامین

حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب سکھروی رحمہ اللہ

پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہ

مرتبہ

حافظ سید محمد اکبر شاہ بخاری

ادارۃ المعارف کراچی

علمی، فقہی، تاریخی، تبلیغی اور اصلاحی مضامین پر مشتمل نادر مجموعہ

مقالات و مضامین

حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب سکھروی رحمہ اللہ

پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہ

مُرتّبہ

حافظ سید محمد اکبر شاہ بخاری

ادارۃ المعارف کراچی ۱۴

فہرستِ مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

پیش لفظ

بقلم حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم العالی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ. اَمَّا بَعْدُ!

احقر کے والد ماجد سیّدی حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتیٔ اعظم پاکستان سیّدی وسندی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء میں سے تھے، اور سکھر کے مشہور ترین بزرگوں میں سے ایک تھے۔ سکھر میں تین بزرگ مشہور تھے سکھر والوں کو اور سکھر شہر سے باہر والوں کو ان سے بہت زیادہ دینی اور اصلاحی فائدہ ہوا:-

❊:- ایک حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔
❊:- دُوسرے حضرت سیّد حکیم محمد ابراہیم رزمیؒ۔
❊:- تیسرے حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحبؒ۔

ان تینوں میں سے سب سے زیادہ جن کا فیض پھیلا اور ہزاروں آدمی ان سے مستفید ہوئے وہ حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحبؒ تھے، انہوں نے اپنی زندگی

دِین کی خدمت کرنے اور لوگوں تک دِین پہنچانے کے لئے وقف کر رکھی تھی۔

فجر کے بعد محلّہ باغِ حیات کی معروف نورانی مسجد میں درسِ قرآنِ کریم یا درسِ حدیث دیا کرتے تھے، اور اِشراق و چاشت سے فارغ ہوکر گھر تشریف لاتے اور ناشتہ کرتے، اور اس دوران ہم بہن بھائیوں کو عربی کی کوئی نہ کوئی کتاب پڑھاتے۔ اس کے بعد جامعہ اشرفیہ کوئنس روڈ تشریف لے جاتے اور شام تک وہاں اسباق پڑھاتے، وہاں سے فارغ ہوکر نورانی مسجد میں تشریف لاتے اور مغرب تک وہاں تشریف رکھتے اور شہر والوں کو دِینی مسائل بتلاتے، کبھی وعظ فرماتے، کبھی بزرگوں کے واقعات سناتے اور کبھی کسی غم زدہ کا دُکھڑا سن کر تسلی دیتے۔ بعد مغرب اَوّابین وغیرہ سے فارغ ہوکر گھر تشریف لاتے اور کھانے سے فارغ ہوکر نمازِ عشاء کے لئے تشریف لے جاتے، عشاء کے بعد بعض خاص خاص اَحباب کو خواہ برادری سے تعلق رکھتے ہوں یا دُوسرے خاندانوں سے، تعلیمِ بالغاں کا اہتمام فرماتے، جس میں ان کو بقدرِ ضرورت عربی زبان سکھاتے اور ترجمہ قرآنِ کریم، نور الایضاح، قدوری وغیرہ کا سبق پڑھاتے، اس کے بعد گھر تشریف لاتے اور گھر والوں سے کچھ دیر باتیں کرتے، بزرگوں کی حکایات سناتے اور آرام فرماتے، اَخیر شب میں اُٹھتے اور دوازدہ تسبیح ہلکی آواز اور نہایت شیریں انداز سے پڑھتے، آج تک اس کی چاشنی کانوں کو محسوس ہوتی ہے۔

پڑوسیوں کا، ملنے جلنے والوں کا، دوست احباب کا بے حد خیال رکھتے، کوئی بیمار ہوجاتا اس کی عیادت کرتے، انتقال ہوجاتا اس کو نہلاتے اور نماز پڑھ کر دفنانے میں شریک ہوتے، امیر وغریب ہر شخص کی دعوت قبول کرتے، جہاں دِین کی بات کہنے کا، بتانے کا کوئی موقع آتا انتہائی نرمی اور سہل انداز میں دِین کی بات بتاتے کہ سننے والا سمجھتا کہ دِین پر چلنا کوئی مشکل کام نہیں، بخوشی وہ اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوجاتا، یہ وصف یعنی دِین کو آسان انداز میں پیش کرنا، آپ میں بہت ہی نمایاں تھا۔

علم کا پہاڑ تھے، تقوے کے اِمام تھے، حلم و بردباری کا عملی نمونہ تھے، اپنی ذات کے لئے کبھی کسی پر غصہ نہ کرتے، ہاں اللہ کے واسطے غصہ آتا تھا، ورنہ ایسا لگتا تھا کہ غصہ ان کے پاس سے بھی نہیں گزرا، جس کی وجہ سے ان کے مریدین ومعتقدین بھی ان کے ساتھ دوستوں کی طرح بے تکلف رہتے، یہ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ یہ پیر اور وہ اُن کے مرید ہیں، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر شخص بلاجھجک ان کی خدمت میں حاضر ہوتا، اپنے مسائل کا حل پوچھتا اور ان سے فیض یاب ہوتا، جس کی وجہ سے ہزاروں بدعتی، بدعات سے تائب ہوگئے، کتنے ہی بدمعاش اور آوارہ، اللہ کے ولی بن گئے، لوگوں میں حلال وحرام کی تمیز پیدا ہوئی، اِتباعِ سنت کا جذبہ پیدا ہوا، اور لوگ سنت کی راہ پر گامزن ہوگئے۔

حضرت والد صاحبؒ نے زبانی وعظ ونصیحت کے علاوہ، دِین کے مختلف موضوعات پر بیسیوں بڑی نافع، آسان اور عام فہم کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں، اور ماہنامہ ''البلاغ'' میں مختلف مقالات اور مضامین بھی لکھے ہیں، جو تقریباً ۲۶ ہیں، یہ مضامین بڑے نافع اور مفید ہیں، جس طرح یہ اشاعت کے شروع میں مسلمانوں کے لئے بہت مفید اور کارآمد تھے، آج بھی اسی طرح نافع اور مفید ہیں۔

مدّتِ دراز سے میرے دِل میں یہ خواہش تھی کہ حضرت والد صاحبؒ کے ان تمام مضامین کو یکجا کرکے شائع کیا جائے، چنانچہ احقر نے ماہنامہ ''البلاغ'' کی فائل سے ان سب مضامین کی فوٹو کاپی بھی جمع کرلی تھی، لیکن یہ خدمت اخی فی اللہ مکرّمی جناب حافظ سیّد اکبر شاہ بخاری صاحب کی قسمت میں لکھی تھی، وہ بازی لے گئے، اور موصوف نے حضرت والد صاحبؒ کے یہ تمام مضامین جمع کئے اور جناب محترم محمد مشتاق ستّی صاحب کی خدمت میں اشاعت کے لئے بھیج دیئے، ماشاء اللہ انہوں نے بڑے سلیقے سے اس کو شائع کیا جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے، دیکھ کر دِل باغ باغ ہوگیا اور میری دیرینہ آرزو پوری ہوگئی، فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ دَائِمًا اَبَدًا۔

اللہ پاک حضرت والد صاحبؒ کی بال بال مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کی تمام خدمات کو شرفِ قبول عطا فرمائے، اور ہم سب کو ان کے علوم و فیوض سے مالامال فرمائے، مرتب اور ناشر صاحبان اور جن جن حضرات نے ان مضامین کے قابلِ اشاعت بنانے میں خدمت کی ہے اللہ تعالیٰ ان کو بے حد جزائے خیر عطا فرمائے اور ہم سب کو اپنے دِین کی خدمت کے لئے موفّق اور قبول فرمائے، آمین۔

وَصَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

عبدالرؤف سکھروی

خادم طلبہ جامعہ دار العلوم کراچی

۹ / جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ھ

۶ / جولائی ۲۰۰۶ء

حمدِ باری تعالیٰ

اے خدائے پاک رحمٰن و رحیم
قاضیٔ حاجات و وہاب و کریم

اے الٰہ العالمین اے بے نیاز
دِین و دُنیا میں ہمارے کارساز

تو ہی معبود اور تو ہی مقصود ہے
تیرے ہاتھوں میں خیر و جود ہے

ہم تیرے بندے ہیں اور تو ہے خدا
تو کریمِ مطلق اور ہم ہیں گدا

ہم گنہ گار اور تو غفار ہے
ہم بھرے عیبوں سے اور تو ستار ہے

ہم ہیں بے کس اور تو بے کس نواز
ہم ہیں ناچار اور تو ہے چارہ ساز

تو وہ قادر ہے کہ جو چاہے کرے
جس کو چاہے دے جسے چاہے نہ دے

تو وہ داتا ہے کہ دینے کے لئے
دَر تیری رحمت کے ہر دم ہیں کھلے

تیرے در پہ ہاتھ پھیلاتا ہے جو
پا ہی لیتا ہے وہ گوہرِ مقصود کو

مانگنا ہم پر کیا ہے تو نے فرض
اور سکھا ہم کو دیئے ہیں آدابِ عرض

صدقہ اپنے عزّت و اِجلال کا
صدقہ پیغمبر کا اور ان کی آل کا

اپنی رحمت ہم پہ رَبّ مبذول کر
یہ مناجات اور مری دُعا قبول کر

❁

نعت نبی کریم ﷺ

ہو نعتِ بشر کیا کوئی شانِ محمد ﷺ   ہے جبکہ خدا خود ہی ثنا خوانِ محمد ﷺ

میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمد ﷺ

اللہ رے جولان گہِ عرفانِ محمد ﷺ   ہے ہر دو جہاں گوشۂ دامانِ محمد ﷺ

میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمد ﷺ

ہے آیتِ حق نامِ خدا شانِ محمد ﷺ   تفسیر اسی کی ہے یہ قرآنِ محمد ﷺ

میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمد ﷺ

درکار و سزاوار و مریضانِ محمد ﷺ   درمانِ مسیحا نہیں درمانِ محمد ﷺ

میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمد ﷺ

تھمتے نہیں اشکِ غم ہجرانِ محمد ﷺ   رہتے ہیں سدا طالب دامانِ محمد ﷺ

میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمد ﷺ

خودنوشت حالات

میرا نام عبدالحکیم ہے اور میرے والد صاحب کا نام مولوی عبدالعزیز علیہ الرحمۃ ہے، میں ریواڑی ضلع گوڑگانوہ مشرقی پنجاب کا رہنے والا ہوں، بٹوارہ ہونے کے بعد سے سکھر (سندھ) میں مقیم ہوں، مجھے اور میرے گھر والوں کو سن اور تاریخ لکھنے یا اس طرف خیال کرنے کی توجہ ہی نہ تھی، نہ اس کی کوئی وقعت تھی، اس لئے سن وغیرہ کوئی یاد میں نہیں، اِلاَّ ماشاء اللہ کہیں کہیں اندازاً پتہ لگتا ہے، وہ لکھ دُوں گا۔

اُستاذیم حضرت مولانا محمد ابراہیم مدظلہ العالی نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ: جب تو پیدا ہوا تو ہم لوگ کہا کرتے تھے نصف ایک دو تین یعنی ۱۵ر محرّم ۱۳۳۲ھ، اس لئے سنِ ولادت یہی سمجھ لیتا ہوں۔

میرے والد ماجد عالم تھے، میرے نانا مرحوم بھی بڑے جید عالم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے رکن تھے، ہائی اسکول میں ٹیچر تھے، ددھیال اور ننھیال دونوں علمی وعملی گھرانے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعا اور برکت سے شروع ہی سے صحیح العقیدہ دِین کی طرف راغب رکھا۔ انگریزی مڈل تک پڑھی لیکن رغبت دِینی تعلیم کی طرف زیادہ تھی، اور یہ دونوں تعلیمیں ساتھ ساتھ چلتی رہیں اور نانا مرحوم ومغفور کی تربیت رہی، اور اکثر ان کے گھر ہی نانی مرحومہ کے یہاں رہنا سہنا، کھانا، پینا، سونا بچپن سے وہیں تھا، اورشرح جامی تک ریواڑی ہی میں نانا مرحوم کے ہی شاگردوں سے پڑھتا رہا، ان کے انتقال کے بعد چند رفقائے تعلیم کے ہمراہ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل

ہوگیا، وہاں شرح جامی، نورالانوار کے درجے والی کتابیں ملیں، ایک سال گزرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوا، اور اس سے اُوپر کی کتابیں وہیں پڑھیں۔ دورۂ حدیث شیخ الحدیث حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھا، وہیں رہتے ہوئے مرشدی حضرت مفتیٔ اعظم مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آنا جانا ہوا، وہاں سے فارغ ہوکر وطن میں آیا، مختلف کاروبار کئے مگر تعلیمی سلسلہ برابر جاری رکھا، تعلیم بالغاں بھی مغرب وعشاء کے بعد کافی حد تک ہوتا رہا، پھر مدرّسی اختیار کرلی اور مدرسہ ریاض العلوم ریواڑی میں قاعدہ بغدادی سے لے کر مشکوٰۃ و جلالین تک جو جس وقت آتا برابر پڑھاتا رہا، شاگردوں کو دارالعلوم میں ہی داخل کرایا، ہمارے ہاں حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی عقیدت بہت زیادہ تھی، حضرت مولانا عبدالمجید صاحب بچھرایونی بھی وہیں مقیم ہوگئے تھے، مگر ان سے فقہی سائل میں مناسبت نہ ہوتی تھی، اس لئے جی چاہتا تھا کہ کسی مفتی سے بیعت ہوجاؤں تاکہ مسائلِ فقہیہ میں تردّد ہی نہ رہے، سو اوّل اوّل حضرت الحاج مولوی عیسیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اصلاح کے لئے عریضہ لکھا، انہوں نے منظور فرمالیا اور دوازدہ تسبیح تلقین فرمائی، دُوسرا عریضہ لکھا تھا، اس کے جواب میں ان کے وصال ہوجانے کی خبر آئی، ان کے بعد حضرت مفتیٔ اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا اور اصلاحی خطوط کی اجازت مرحمت فرمادی، برابر خطوط کا سلسلہ جاری رہا، حتیٰ کہ پاکستان بن گیا، ہم اور ہمارے مرشد علیہ الرحمۃ پاکستان آگئے، یہاں بھی سلسلۂ مکاتبت برابر جاری رہا۔ یہاں میں نے حلوائی کی دُکان میں شراکت کرلی تھی، اس کے ساتھ ساتھ درسِ قرآن اور تعلیم و تبلیغ حتی الوسع جاری رہیں۔ اسی اثناء میں حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت و تلقین کی اجازت دے دی۔ تیرہ چودہ سال کے بعد حلوائی کی شراکت ختم ہوئی اور کراچی حاضری کا موقع ملا، رمضان المبارک میں حاضری ہوتی رہی، چند سال گزر

جانے کے بعد عرض کیا کہ بیعتِ عثمانی تو ہوچکی ہے، اگر دستی بیعت بھی فرمالیں تو عنایت ہوگی، ایک روز یہ بھی نصیب ہوگئی۔ اور حلوائی کی دُکان سے فراغت کے بعد مدرسہ اشرفیہ سکھر میں مدرّسی اختیار کرلی، تمام درسی کتابیں پڑھانے کا موقع ملا، حتیٰ کہ اب دورۂ حدیث کی کتب بھی دے دی گئیں، یہ سب اللہ کا فضل اور ان کی مدد ہوئی، ورنہ یہ اور ناکارہ! حضرت مرشدی علیہ الرحمۃ نے طرفین پڑھوا کر حدیث کی سند اور اجازت عطا فرمادی اور چونکہ میں کوئی مفتی نہیں تھا فتاویٰ کا کام بھی کرنا پڑا، اور حضرت مرشدی علیہ الرحمۃ نے یہی فتاویٰ دیکھے کراچی حاضری کے وقت لکھوا کر اصلاح فرمائی، اس طرح فتوے کی اجازت بھی مل گئی، یہ ایک بارِگراں ہے جسے اللہ ہی کی توفیق سے جس طرح بھی بن پڑتا ہے نباہ رہا ہوں، سلسلۂ تلقین بھی ہمت سے زیادہ ہوگیا ہے، اللہ ہی پورا کرنے والے ہیں۔

تحدیث بالنّعمۃ کے طور سے ایک واقعہ عرض کئے دیتا ہوں۔

یہاں ایک بزرگ تھے حاجی سچل صاحب مرحوم، انہوں نے ایک بار کوئی مسئلہ معلوم کیا، شاید کہ یہ ہو کہ اذان کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمِ گرامی سنتے وقت انگوٹھے چومنا چاہئے یا نہیں؟ میں نے نفی میں جواب دیا، ان کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، لہٰذا انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا، ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: عبدالحکیم صحیح کہتا ہے۔ پھر ان کو کسی مسئلہ کے معلوم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور ان کو پھر زیارت ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مولوی عبدالحکیم سے پوچھ لیا کرو۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ، انہوں نے مجھ سے ذکر کیا، مجھے یقین نہ آیا کہ میرے متعلق ایسا ارشاد ہوسکتا ہے۔

جب حاجی سچل صاب نے تردّد محسوس کیا تو انہوں نے فرمایا: دیکھو یہ

حدیث ہے: "مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ" اس کے ہوتے ہوئے میں غلط بات منسوب کرسکتا ہوں۔ تب مجھے یقین کرنا پڑا اور مسرّت ہوئی، اس وقت ہدیہ دینے کو میرے پاس کچھ نہ تھا، ورنہ جو کچھ ہوتا ان کی نذر کرتا۔ اَب ان بزرگ کا بھی انتقال ہوگیا، میں اَب تک مدرسہ اشرفیہ میں مدرّس ہوں۔

فقط والسلام

بندہ عبدالحکیم غفرلہٗ

مدرسہ اشرفیہ سکھر

۲۲/۱/۷۷

(بحوالہ علماء کی کہانی ان کی اپنی زبانی)

تحریر: مولانا صابر دانش صاحبؒ

مختصر حالات وخدمات
حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب سکھروی علیہ الرحمۃ

حضرت موصوف علیہ الرحمۃ شہر ریواڑی ضلع گوڑگانوہ (ہریانہ، انڈیا) میں ۱۵رمحرّم الحرام ۱۳۳۲ھ میں پیدا ہوئے، قرآنِ کریم ناظرہ گھر ہی میں پڑھا، آپؒ کی والدہ محترمہ اور خالہ محترمہ گھر پر بچوں اور بچیوں کو قرآن پڑھاتی تھیں، آپؒ کے والد محترم حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمۃ شہر ریواڑی کے مشہور صاحبِ تقویٰ اور عالمِ دِین بزرگ تھے، اور جدِّ مادری حضرت ابوالفیض مولانا عبدالرحیم علیہ الرحمۃ بھی اپنے علاقے کے معروف، جید عالم، درسِ نظامی کے ماہر اور کثیر التلامذہ اُستاذ تھے، جو مدرسہ سفیر الاسلام نارنول (ریاست پٹیالہ) کے صدر مدرّس بھی رہے، اور ریواڑی میں بسراوقات کے لئے گورنمنٹ ہائی اسکول میں عربی مدرّس بھی رہے، اس ملازمت کے ساتھ اپنے نجی دارالکتب میں رضا کارانہ حیثیت سے درسِ نظامی کی تدریس کا سلسلہ بھی تادَمِ آخر جاری رکھا۔

حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب علیہ الرحمۃ بچپن سے اپنے والد موصوفؒ اور نانا محترمؒ کے زیرِ تعلیم وتربیت رہے، سات سال کی عمر میں اسکول میں داخلہ لیا، اور ساتھ ہی جدِّ مادری موصوفؒ کے شاگردوں سے مختلف مساجد میں اُردو، دِینیات اور ابتدائی فارسی، عربی پڑھی، دونوں تعلیم ایک ساتھ مڈل تک جاری رہیں، پھر مدرسہ مفتاح العلوم ریواڑی میں شرح جامی وشرح وقایہ تک درسِ نظامی پڑھ کر مظاہرالعلوم

سہارنپور میں داخل ہوئے اور ایک سال بعد دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، اور جملہ علوم وفنون اور دورۂ حدیث کی یہاں تکمیل کی۔

علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے، فراغتِ علمی کے بعد اپنے آبائی وطن ریواڑی ہی میں آزاد ذریعہ معاش کے ساتھ رضا کارانہ اور کبھی ملازمانہ سلسلۂ تدریس شروع کیا، ابتدائی اُردو، فارسی، عربی کے علاوہ مشکوٰۃ شریف وجلالین تک درسِ نظامی وہیں پڑھاتے رہے، جس کے بعد طالبِ علم کو دارالعلوم دیوبند یا مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل کرادیا کرتے تھے، شہر کی مختلف مساجد میں وعظ فرماتے تھے، جو ایک تبلیغی سلسلہ تھا، ملتِ اسلامیہ کے ساتھ اپنی راجپوت برادری کو بھی کبھی فراموش نہ کیا اور دِل و جان سے ان کی اصلاح وتعلیم پر کمربستہ رہے۔

قیامِ پاکستان کے فوراً بعد ہی ۱۹۴۷ء کے اَواخر میں شہر سکھر (سندھ) میں وارِد ہوئے، اور باوجودیکہ بسر اوقات کے لئے دوستوں کے ساتھ حلوائی کا کام شروع کیا، مگر تعلیم و اصلاح کا کام بدستور جاری رکھا، اور الحمدللہ شہر میں دِین داری کو آپ کی مساعیٔ جمیلہ سے بہت فروغ حاصل ہوا۔

مدرسہ اشرفیہ سکھر کے قیام کے بعد حضرت مولانا محمد احمد صاحب تھانویؒ بانی ومہتمم مدرسہ اشرفیہ کی دعوت پر مستقل طور سے تدریس پر مأمور ہوئے اور مذکورہ دُکان داری کو خیرباد کہا، مدرسہ ہٰذا میں دورۂ حدیث تک جملہ علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں، آخر میں صرف دورۂ حدیث کی کتب پڑھاتے تھے۔ حضرتِ موصوفؒ یہاں صدر مدرّس کے منصب پر فائز تھے، اور تدریس کے ساتھ منصبِ افتاء بھی آپؒ ہی کے سپرد تھا، آپؒ کے قلم سے ہزاروں فتاویٰ جاری ہوئے اور صدہا طلبہ نے علمی فیض حاصل کیا۔

اور تاآنکہ آپؒ زندگی کے آخری ایام میں بالکل نحیف اور آنکھوں سے معذور نہ ہوگئے، برابر مدرسہ اشرفیہ کے صدر مدرّس اور صدر مفتی رہے، علاوہ ازیں آپؒ ایک شیخِ کامل بھی تھے اور آپؒ کا رُوحانی فیض خواص وعوام میں خوب جاری ہوا،

فجزاهم الله تعالیٰ احسن الجزاء۔

بندہ برادر زادہ ہونے کے ناتے، اپنے زمانۂ طالب علمی سے ہی حضرتِ موصوف علیہ الرحمۃ سے کبھی زبانی اور کبھی تحریری سوالات بے تکلفی سے کرتا اور موصوفؒ بڑی شفقت اور نہایت صفائی و بے تکلفی سے جواب مرحمت فرماتے، پھر ایک وقت وہ بھی نصیب ہوا کہ راقم کو دارالعلوم کراچی سے تخصص فی الافتاء کے مقالہ کے سلسلے میں ایک نہایت اہم موضوع ''علمائے دیوبند کی فقہی خدمات'' عطا ہوا، جس کے سلسلے میں ہند و پاک کے دیوبندی مکتبِ فکر کے مفتیانِ کرام سے رُجوع ہوا، اور اس سلسلے میں ایک مفصل سوال نامہ مرتب و ترسیل کیا، جس کے جوابات باصرہ نواز ہوئے، جو مقالہ ہذا میں شامل ہیں۔

اسی سلسلے میں حضرتِ موصوفؒ کی خدمت میں بھی یہ سوال نامہ پیش کیا اور جواب سے سرفراز ہوا، اگر حسنِ اتفاق سے یہ ضرورت درپیش نہ ہوتی تو موصوفؒ کی معروف کسرِ نفسی کے باعث بہت سی معلومات صیغۂ راز ہی میں رہ جاتیں۔

درجِ ذیل سطور میں اپنے عنوانات کے ساتھ حضرتِ موصوفؒ کے قلم ہی سے تحریر شدہ مختصر حالاتِ زندگی مرتب کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، ملاحظہ ہو۔

خاندان

حضرتِ موصوفؒ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

''کاغذات سے جہاں تک معلوم ہوسکا میرا نسب نامہ یہ ہے: عبدالحکیم ابن عبدالعزیز ابن عبدالغنی ابن مُلّا رمضانی ابن پیرو ابن خواجو، آگے معلوم نہیں، سنا یہ ہے کہ ہمارے خاندان میں اُوپر سے اہلِ علم ہوتے آئے ہیں، مُلّا رمضانی مرحوم کی تو مہر بھی کتابوں پر لگی ہوئی پائی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ وہ فتویٰ دیا کرتے تھے، اور نحو و صَرف کی تعلیم بھی دیا کرتے تھے، اور ابتدائی کتابیں صَرف و نحو کی قلمی و غیر قلمی موجود

تھیں، اور دِینی ذخیرہ مخطوطات کی شکل میں کافی تھا، کنز الدقائق قلمی ان کی موجود تھی، اور اَشعار میں جو پُرانی زبان میں تھے مسائل وغیر مسائل کے کافی رسالے موجود تھے، ایک مصرعہ کسی رسالہ (کے اختتام) کا اب تک یاد ہے ۔

شاہ عالم ثانی کے دور میں نسخہ ہوا تمام

میوات کے علاقے میں مُلاَّ رمضانی مرحوم تبلیغ کے لئے جایا کرتے تھے، دادی جب روٹی پکاتی تو ایک مٹھی آٹا ہنڈیا میں مرحوم کے لئے ڈال دیتی، جب جمع ہوجاتا تو اسے باندھ کر آپ میوات تشریف لے جاتے، اپنا کھانا اپنے ہاتھ سے پکاتے، اور للہ خدمت کرتے، اسی راہ میں ان کا داروہیڑے(۱) میں وصال ہوا، انگریزوں کا زمانہ شروع تھا، ہسپتال میں چیر پھاڑ اور تحقیقات کی سختی تھی، اس لئے بڑی احتیاط سے ان کو گھر لایا گیا اور گھر پر ہی غسل وکفن دے کر سپردِ خاک کیا گیا۔

مُلاَّ عبدالغنی مرحوم بھی ذی علم تھے، مسجد میں للہ اِمامت فرماتے تھے، جمعہ کا خطبہ ایسا پڑھتے تھے کہ لوگ رویا کرتے تھے، اور محلے میں آکر بیٹھتے تو فارسی اَشعار سے لوگوں کو نصیحت فرمایا کرتے تھے، آپ کو ''مُلاَّ تولی'' کے نام سے لوگ یاد کرتے تھے، اُس زمانے میں ''مُلاَّ'' بڑے ذی علم حضرات پر بولا جاتا تھا، انگریز نے اس لفظ کو بدنام کیا ہے، ان حضراتِ اکابرینؒ کی وجہ سے ہماری ساری قوم ہی ''مُلاَّ'' کہلاتی تھی۔

میرے نانا مرحوم حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے مشہور عالم تھے، ندوۃ العلماء لکھنؤ کے رکن تھے اور ہائی اسکول میں عربی کے ٹیچر تھے، مولوی عالم بھی تھے، حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے بخاری شریف پڑھی تھی، اطراف میں نہایت جانفشانی سے تبلیغ فرماتے، برادری اور شہر میں بدعت و رُسوم کا قلع قمع ہوگیا تھا، غلط واعظ شہر میں ٹھہرتا ہی نہ تھا، عام لوگ آپؒ کی عزت کرتے تھے، آپ صاحبِ فتویٰ تھے، بڑے بڑے علمائے عصر سے تعلقات تھے، اپنے شہر میں درس و

(۱) ریواڑی شہر کے قریب میوات کی راہ میں ایک گاؤں کا نام۔

تدریس کا سلسلہ شروع فرمایا، شہر کے ذہین بچوں کو تلاش و انتخاب کے بعد عالم بناتے۔

گھروں میں لڑکیوں کے لئے مکتب جاری کئے، میری والدہ ماجدہ اور خالہ مرحومہ گھر میں قرآن مجید پڑھایا کرتی تھیں، ان کی وجہ سے اب پاکستان میں بھی ہمارے یہاں جگہ جگہ لڑکیوں کو گھروں پر قرآنِ کریم پڑھایا جاتا ہے، آپؒ نے دِین کے لئے بہت جدوجہد فرمائی اور رات دن اسی دُھن میں رہتے تھے، مسلمانوں کو دِینی تعلیم کے ساتھ ساتھ تجارت کی طرف بھی توجہ دِلائی، دُکانیں کھلوائیں، ورنہ شہر میں سب بنیوں کی دُکانیں تھیں، شادی و غمی کی تمام رُسومات ختم ہوگئیں، اللہ تعالیٰ موصوفؒ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

آپؒ کا کافی بڑا کتب خانہ تھا، ہر علم و فن کی کتابیں اکٹھی کی تھیں، حتیٰ کہ اہلِ اسلام کے دیگر فرقوں کی کتابیں بھی جمع کی ہوئی تھیں اور ہر صاحبِ علم کو استفادہ کی اجازت تھی، مسائل میں بڑی دسترس حاصل تھی، تمام لوگوں کو آپ کی بات پر اعتماد تھا، آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ: عالمگیری و شامی پر دِلجمعی نہیں ہوتی، بلکہ آپ البحر الرائق اور بدائع کو ان کے مقابلے میں ترجیح دیتے تھے۔

میزان الصرف کا اُردو ترجمہ فرمایا اور اس میں تمرینات کا اضافہ فرما کر اس کو طبع کرایا اور بھی چھوٹے چھوٹے رسائل تصنیف فرمائے، ضروری مواعظ اور اپنے فتاویٰ ایک رجسٹر میں تحریر کئے ہوئے تھے، جو میرے بہت کام آئے، مگر یہ ذخیرہ سب کا سب وہیں ہندوستان ہی میں رہ گیا۔ ان میں نایاب قلمی کتابیں اور خاندانی کتابیں بھی تھیں، سوائے ایک آبائی مخطوطہ قرآن مجید یا البحر الرائق کی تین جلدوں کے اور کچھ نہ آسکا، کَانَ مَا کَانَ (ہوا جو ہوا)۔

احقر کے والد ماجد حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمۃ نانا مرحوم ہی کے شاگرد تھے، ان ہی سے صحاح تک پوری کتابیں پڑھیں، اور ابتدائی کتابیں وقتاً فوقتاً پڑھائیں، پیچ پگڑیوں کی دُکان تھی، بہت صاحبِ قناعت، متوکل، رسم و رواج

اور بدعت کی اصلاح کے لئے سر بکف تھے، نیز غیر شرعی قومی نظام کی اصلاح میں ہمہ تن آخر عمر تک لگے رہے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت کچھ کامیاب فرمایا، غرضیکہ رات دن اسی دِین وآخرت کی فکر لگی رہتی، آخری وقت میں بھی حقوق العباد کی فکر لاحق رہی، جن جن کے ساتھ ذرا سا بھی وہم ہوتا، بتادیتے کہ ان کے کچھ دام دینے تھے، بڑی کوشش اور فکر کے ساتھ اس کو یا اس کے ورثاء کو معلوم کر کے پہنچاتے، ورنہ خیرات کردیتے۔

اپنے والد صاحبؒ کا ورثہ تقسیم کیا، ورنہ عورتوں کو ورثہ دینے کا دستور ہی نہ تھا، حساب کر کے سب بھائی بہنوں میں ورثہ تقسیم کیا، حقوق العباد کا تو بہت ہی ڈر رہتا تھا۔

ریواڑی میں اللہ واسطے حمرہ والی مسجد میں اِمامت فرماتے رہے، پھر وہاں کی اِمامت احقر کے سپرد ہوگئی، نانی مرحومہ، دادا مرحوم سب کے سب اللہ تعالیٰ نے نیک سیرت، دِین کے پابند، عابد و زاہد عنایت فرمائے، دِین کا گہوارہ تھا، جس کے اندر میری پروَرِش ہوئی، اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔''

حصولِ علم واساتذہ

موصوفؒ اپنے ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں کہ:-

''ابتدائی قاعدہ بغدادی اپنی خالہ زبیدہ مرحومہ کے پاس شروع کیا، اور تقریباً سات سال کی عمر میں اسکول میں داخلہ لیا، دونوں تعلیمیں (مڈل تک) ساتھ ساتھ چلتی رہیں، قرآن مجید کبھی خالہ کے یہاں، کبھی والد صاحبؒ سے اور کبھی نانا مرحوم سے پڑھا اور تین سال میں تقریباً وہ ختم کیا اور دہرالیا، اس کے بعد حضرت مولانا شمشاد علی صاحب مرحوم نے جونئی بستی کی مسجد میں اور سبزی فروشاں کی مسجد میں پڑھاتے تھے، بہشتی زیور پڑھا، بہت شفقت سے پڑھاتے تھے اور شوق دِلاتے تھے، اسکول میں مڈل تک پڑھا پھر چھوڑ دیا۔

ابتدائی فارسی تعلیم نئی بستی کی مسجد کے مدرسہ میں اور نانا مرحوم کے شاگردوں

سے پڑھی، پھر ابتدائی عربی تعلیم بھی مولوی عبدالسلام صاحب، مولوی جمیل احمد صاحب، مولوی عبدالوہاب صاحب اور باہر سے شہر ریواڑی میں جو علماء وقتی طور پر تشریف لاتے، ان سے حاصل کی۔

پھر مدرسہ مفتاح العلوم قائم ہوا، اس میں حافظ ولی محمد صاحب فاضل دارالعلوم دیوبند سے شرح جامی، قطبی، میر قطبی اور شرح وقایہ تک پڑھا، پھر چند ساتھیوں کے ساتھ مظاہر العلوم سہارنپور چلے گئے، وہاں شرح مُلّاَ جامی مولانا محمد صدیق صاحب کشمیریؒ سے، نور الانوار، قطبی، میر قطبی مولانا زکریا قدوسیؒ سے، نفحۃ الیمن مولانا اکبرعلی صاحبؒ سے، قراءت میں دو رسالے مفتی سعید احمد صاحبؒ سے پڑھے، اور قاری عبدالعزیز صاحب سے مشق کی، حافظ عبداللطیف صاحب مرحوم مہتمم مدرسہ مظاہر العلوم سے کافیہ اور سلم العلوم پڑھیں، آپ ہی سے عربی بنانا سیکھی اور مفتی جمیل احمد صاحب مدظلہٗ سے وعظ کہنے کی مشق کی۔

ایک سال کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے لیا، سلم کی جگہ مُلّاَ حسن اور تلخیص کی جگہ مختصر المعانی کا امتحان دے دیا، اور ہدایہ اوّلین، رسالہ میر زاہد، میبذی، مقاماتِ حریری وغیرہ کتابیں ملیں، پھر تین سال یہیں پورے ہوئے، ہدایہ آخرین اور متنبّی حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ سے، مشکوٰۃ شریف اور نخبۃ الفکر حضرت مولانا عبدالسمیع صاحبؒ سے، اور اخلاق جلالی حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ سے، اور جلالین شریف حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سے، سراجی مفتی ریاض احمد صاحب سے، ترجمہ قرآن حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ اور مولانا افغانیؒ سے پڑھیں۔

ترمذی شریف و بخاری شریف حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ سے، مسلم شریف حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ سے، طحاوی شریف حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ سے اور ابوداؤد حضرت مولانا اصغر حسین صاحبؒ سے اور قبلہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے پڑھیں۔''

تدریس

حضرتِ والاؒ اپنے ۲۶/۴/۱۳۹۷ھ کو ارسال کردہ مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

''فراغت کے بعد سے ہی تدریس کے کام میں لگا ہوا ہوں، ریواڑی میں اوّل اوّل کاروباری مشغولی کے ساتھ ساتھ، پھر مستقل آٹھ دس سال وہاں مدرّس رہا، پھر یہاں (پاکستان) آکر درس و تدریس کا مشغلہ برابر رہا، حلوائی کی دُکان بھی رہی، تیرہ چودہ سال کے بعد اب اتنے ہی دن سے برابر مدرسہ اشرفیہ میں مدرّس ہوں اور ابتدائی فارسی و اُردو کتابوں سے لے کر دورۂ حدیث تک ہر فن کی کتابیں پڑھا چکا ہوں، جو مدارسِ عربیہ کے نصاب میں داخل ہیں، اب بخاری شریف زیرِ تدریس ہے۔

شروع ہی سے دِینی کتب کے مطالعے کا ذوق رہا ہے، اور یہی مذاق بنا ہوا ہے، اسی اُلٹ پلٹ میں دورِ آخر عمر کا گزر رہا ہے، پھر بھی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہ کیا۔ ریواڑی میں لوگ مسائل پوچھتے رہتے تھے، اور فقہی کتب اور اُردو کے فتاویٰ برابر دیکھتا رہتا تھا، ان اُردو کے فتاویٰ سے بہت سوجھ بوجھ ہوئی اور کام کی لیاقت پیدا ہوئی، پھر سکھر آ گیا تو یہاں بھی اہلِ شہر کا الحمدللہ رُجوع ہوا، یہ اللہ کا احسان ہے کہ لوگوں کو اطمینان ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ کبر و رِیا سے بچائے، سب اللہ کا اِنعام ہے، بندہ اس لائق کہاں۔''

دوبارہ سوال کے جواب میں حسبِ ذیل ارشاد ہوا:-

''فراغت کے بعد حضرت والد صاحب مرحوم غلام المرسلین نائب مفتی، مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے پاس لے گئے، وہ ملے نہیں، پھر حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی خدمت میں نظام الدین لے گئے، مگر جب گھر آیا تو کام دھندے میں لگ گیا،

کام کوئی سیکھا نہ تھا، دو سال رامپور[1] کے اسکول میں بڑھئی کا کام سیکھا، آٹے دال کی دُکان کی، کپڑے کی پھیری لگائی، مگر تعلیم کا کام برابر جاری رکھا، جس وقت بھی کوئی کہتا اسی وقت تعلیم شروع کر دیتا، لکھنا پڑھنا اور رسائل، فارسی کی ابتدائی کتابیں برابر پڑھاتا رہا۔

آخر ''پلّے داروں'' کی مسجد میں آٹھ روپے ماہوار پر ملازمت ملی، پھر مدرسہ ریاض العلوم (ریواڑی) میں پندرہ روپے ہوئے، اس طرح کرتے کرتے چالیس روپے ماہوار تک پہنچے، قرآن مجید اور مشکوٰۃ و جلالین تک تعلیم کا کام جاری رکھا، دو چار طالبِ علم تیار کر کے دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم میں داخل کرائے، جمعہ کو وعظ کا سلسلہ تھا، شہر کی تقریباً ہر مسجد میں جانا ہوا، کوئی مسجد ایسی نہ تھی جس میں برائے تبلیغ نہ گیا ہوں، قوم کی پنچایت ختم ہوچکی تھی، تو نئے نظام کے تحت نوجوانوں کا صدر منتخب ہوا، اولاد میں سے چار لڑکے عبدالحلیم، عبدالرؤف، نسیم احمد، عبدالمجیب ہیں، ایک لڑکی صالحہ ہے، (جس کا وصال ہو چکا ہے)، (ان میں سے) تین بچے فارغ التحصیل ہیں اور عبدالمجیب حافظ بھی ہے۔''

افتاء

حضرت جواباً تحریر فرماتے ہیں کہ:-

''سوال نامہ موصول ہوا، اور اس انہماکِ تعلیمی و مشاغلِ تصنیفی سے بڑی مسرّت ہوئی، اسعد کم اللہ فی الدارین۔

جب میں مدرسہ اشرفیہ میں مدرّس ہوا تو اس کے ساتھ یہ افتاء کا کام بھی خودبخود لازم ہوگیا۔ کوئی اور مدرسہ میں اس کام کو کرنے والا نہیں تھا، اسباق کی زیادتی اور اوقات، تعلیمی اُمور سے بھرپور ہونے کے باوجود یہ کام بھی کرتا رہا، مگر وقت خالی نہ

---

(۱) شہر ریواڑی کے ایک محلّہ کا نام۔

ہونے کی وجہ سے اور ہجومِ اسباق کی وجہ سے فتاویٰ کے جوابات رجسٹر میں تحریر نہ کرسکا، اور مدرسہ والوں نے التفات نہ کیا، نہ انہوں نے ضرورت محسوس کی، میں نے بھی کسرِ نفسی کی وجہ سے کبھی عرض نہیں کیا، اگر قابلِ اعتماد سمجھیں گے تو انتظام کرلیں گے۔

جب مدرسہ کی شوریٰ میں دِینی رسالہ جاری کرنے کا خیال پیش ہوا، تو اس میں مدرسہ کے فتاویٰ کا بھی خیال ہوا، اس وقت کچھ عرصہ حضرت مہتمم صاحبؒ نے خود ہی کچھ فتاویٰ تحریر کئے تھے، افتاء کا کوئی خاص انتظام نہیں ہے، نہ کوئی نائب مفتی ہے، نہ رجسٹر برائے نقلِ فتاویٰ ہیں۔

عام طور سے ایک ہفتہ کے اندر اندر جواب دے دیتا ہوں، کوئی تمرین الافتاء، یا مشاورتی مجلس اس بارے میں قائم نہیں ہے، میں مدرسہ اشرفیہ میں شوال المکرّم ۱۳۷۹ھ میں مقرّر ہوا ہوں، اس وقت سے اب تک جتنے فتاویٰ داخلی اور بیرونی آتے ہیں، میں ہی جواب دیتا ہوں، پہلے ہجومِ اسباق اور اب ضعف کی وجہ سے نقل کے کام سے معذور ہوں، الا ان یوفقنی اللہ تعالیٰ وسبحانہ ، اللہ تعالیٰ آپ کا شرحِ صدر فرمائے اور آسانی فرمائے، والسلام۔''

بیعت و اِرشاد

آپؒ کا رُوحانی سلسلہ حضرت حکیم الاُمت تھانویؒ سے منسلک ہے، آپ ۱۳۴۷ھ میں پہلے حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب علیہ الرحمۃ خلیفہ اعظم حضرت حکیم الاُمت تھانویؒ سے بیعت ہوئے، موصوفؒ کے انتقال کے بعد مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے اصلاحی تعلق قائم کیا اور بذریعہ خط ہی بیعت ہوئے، اور ۱۹۵۷ء میں اجازت و خلافت سے نوازے گئے، خلافت کے بعد حضرت الشیخؒ نے سلوک طے کرانے کے لئے فرمایا کہ کراچی میرے پاس آکر کچھ وقت لگاؤ، چنانچہ آپؒ نے یہ وقت لگایا، نیز آپؒ کا معمول تھا کہ ہر سال مدرسہ کی تعطیلات کے

دوران حضرت الشیخؒ کی خدمتِ اقدس میں حاضری دیا کرتے تھے۔

آپؒ کے مریدین کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے، روک ٹوک اور اصلاح کے سلسلے میں آپؒ کا انداز اِلہامی تھا، کہ اللہ تعالیٰ آپ کی زبان مبارک سے ایسی باتیں صادر کرادیتا جو مخاطب کے حال کے عین مطابق ہوتی تھیں، اور مخاطب کو بآسانی اپنے مرض کا علاج بغیر سوال کئے معلوم ہوجاتا تھا۔

اور بیعت کے سلسلے میں آپؒ نہایت استغنا سے کام لیتے، عام طور پر بہت عرصہ خط و کتابت کے بعد بیعت فرماتے، اور مناسبت نہ ہونے پر طالب کو بیعت سے صاف انکار فرمادیتے تھے، لیکن آخر میں جب شفقت و رحمت کا غلبہ زیادہ ہوا تو معمولی طلب والے کو بھی بیعت فرمالیا کرتے تھے۔

آپؒ، فاسق و فاجر اور گناہ میں مبتلا شخص سے بڑی شفقت و توجہ سے پیش آتے، ان کا بہت خیال فرماتے، ایک مرتبہ آپؒ کے بچپن کے ایک بے تکلف ساتھی نے آپؒ سے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ: یہ آپ سے زیادہ توجہ و شفقت کے محتاج ہیں۔

آپؒ کے ایک دُوسرے دوست فرماتے ہیں کہ: ''ہم نے بہت ولی دیکھے، لیکن عبدالحکیم جیسا ولی نہیں دیکھا، آپ مادرزاد ولی تھے۔''

ایک مرتبہ آپؒ کے شیخ و مرشد حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے فرمایا کہ: ہزاروں مریدین میں کوئی ایک ایسا بھی مرید ہوتا ہے جو اپنے شیخ سے بڑھ جاتا ہے، لیکن یہ بہت قلیل ہوتا ہے۔ اور مفتی عبدالحکیم صاحب کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ: یہ مولوی عبدالحکیم مجھ سے بھی بڑھے ہوئے ہیں، جب یہ موجود ہوا کریں تو مجھ سے دُعا کرانے کے بجائے ان سے دُعا کرایا کرو۔ آپؒ نے کئی حضرات کو اجازت و خلافت سے نوازا جن کی فہرست آخر میں آرہی ہے۔

رحلت

حضرتِ والاؒ نے بروز ہفتہ ۱۳؍شوال ۱۴۰۶ھ مطابق ۲۱؍جون ۱۹۸۶ء کو بوقتِ ظہر طویل علالت کے بعد دارالعلوم کراچی نمبر۱۴ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا، اور دارالعلوم ہی میں اپنے شیخ و مربی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے قریب آرام فرما ہیں، طابت ثراہ ونوّر اللہ مرقدہٗ وجعل الجنة الفردوس مثواہٗ۔ آمین

دِین کی غربت اور فتنوں کی کثرت کے اس زمانے میں اللہ کے کسی صالح اور مصلح بندے اور دِین کے کسی ممتاز خادم کا اُٹھ جانا یقیناً غیر معمولی بات ہے، کیونکہ عام حالت یہی ہے کہ اب جو جاتا ہے پھر اس کی جگہ پُر ہوتی نہیں دیکھی، اور معلوم ہوتا ہے کہ حدیث بخاری میں وارِد پیشین گوئی، جو حسبِ ذیل ہے:-

یذهب الصالحون الأوّل فالأوّل وتبقى حفالة كحفالة الشعير والتمر، لا يبالهم الله.

ترجمہ:- صالحین یکے بعد دیگرے اُٹھتے چلے جائیں گے اور باقی رہ جائے گا بھوسہ، جیسے جو اور کھجوروں کا بھوسہ (یعنی نکمّے اور ردّی لوگ) اللہ تعالیٰ کو ان کی پروا نہ ہوگی (کہ وہ کہاں اور کس حالت میں ہلاک ہوتے ہیں)۔

اسی طرح تدریجاً عمل میں آرہی ہے، اللہ رَبّ العزّت سب اہلِ ایمان اور جملہ متعلقین کو آپؒ کی تعلیمات و ہدایات پر پوری طرح کاربند رہنے کی توفیق ارزانی فرمائے، اور اس مشن کو جسے انہوں نے اپنا خون پسینہ ایک کرکے پھیلایا اور ہم تک پہنچایا، اسے باقی رکھنے اور آنے والی نسلوں تک پہنچانے کی ہمت وتوفیق عطا فرمائے، آمین۔

تصانیف

ایک سوال کے جواب میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصانیف کے بارے

میں تفصیلاً تحریر فرماتے ہیں کہ میری تصانیف حسبِ ذیل ہیں:-

۱- کیا خدا ہے: مکالمہ کی صورت میں خدا کے وجود پر اوّل **عقلی دلائل** آسان اُردو میں جمع کئے ہیں، آخر میں منطقی اور نقلی دلائل بھی لکھے ہیں، اس بارے میں ایک مفید کتاب ہوگئی ہے۔

۲- علیکم بسنتی: جس میں صبح سے شام تک دِینی و دُنیوی مشاغل میں جو جو سنتیں پیش آتی ہیں وہ سب جمع کردی ہیں اور مختصر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک اور شمائل ذکر کئے ہیں، اب اس کا ترجمہ سندھی زبان میں بھی ہوگیا ہے اور سندھی میں بھی طبع ہوچکی ہے۔

ریواڑی میں یہ خیال آیا تھا کہ تمام سنتیں مختصر طریقے سے یکجا جمع کردوں، اس لئے وہیں یہ کام کرلیا تھا، اور وہیں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا، کچھ کام رہ گیا تھا، اب اللہ نے توفیق دی، سکھر میں اُسے تحریر کیا، اور چھپ جانے پر حضراتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے پسند فرمایا، اور اس کتاب کا نام خواب میں یہ بتایا: "**العطر المیمون فی الطریق المسنون**" چنانچہ ایک مرتبہ اس نام سے شائع ہوکر ختم ہوچکی ہے۔

۳- فضائل و مسائلِ اِعتکاف: یہ اِعتکاف سے متعلق ہے، اس کا نام حضرت قبلہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے رکھا تھا اور خود اس کی اصلاح بھی کردی تھی، اور بہت اچھی تقریظ تحریر فرمادی تھی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ: اس بارے میں ایسی جامع کتاب میری نظر سے نہیں گزری، لیکن یہ اب تک طبع نہیں ہوسکی، حق تعالیٰ اپنے کسی بندے کو اس کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

۴- دِین کی باتیں (اوّل و دوم): اس میں شب و روز کی پیش آمدہ عبادات وسنن کو احادیث سے مع حوالہ لکھا ہے۔

۵- جنت کے پھول، دوزخ کے کانٹے: الترغیب والترہیب کی پانچوں جلدوں میں جس جس عمل کرنے پر جنت کا یا اس کے باغ و بہار کا وعدہ آیا ہے، وہ سب اس میں یکجا کردیا ہے، شروع میں چند آیتوں کا ترجمہ ہے جس میں جنت کا ذکر ہے۔

اسی طرح جن جن معاصی پر دوزخ کی وعید آئی ہے وہ جمع کردی ہیں، شروع میں چند آیاتِ دوزخ وعذاب کا ترجمہ لکھ دیا ہے، دو دفعہ طبع ہوکر ختم ہوگئی ہے۔

۶- شانِ رسالتؐ اور ہماری حالت: اس میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک ایک، دو دو معجزے لکھ کر پھر کسی نافرمانی کی طرف توجہ دِلائی ہے کہ ایسے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں ہمارا یہ کیرکٹر مناسب نہیں، اور سب احادیث لکھ کر مع حوالہ تحریر کیا ہے، طبع ہوچکی ہے۔

۷- مکہ مدینہ: سوال و جواب میں آسان عبارت میں حج کے اَحکام کو اور زیارتِ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ بیان کیا ہے، کہ ہر عام آدمی سمجھ لے، اور کتابوں میں چونکہ حج کا طریقہ اور مسائل الگ الگ ہوتے ہیں جو ہر عام آدمی جلدی سے نہیں سمجھ پاتا، اس لئے اس میں مسائل وطریقہ کو سوال و جواب کے انداز میں بیان کیا گیا ہے، جیبی سائز ہے، ابتداءً اس میں دُعائیں بھی شامل کی تھیں، لیکن طوالت کے باعث دُوسری اشاعت میں ان کو حذف کردیا گیا۔

۸- حرمین کی مختصر تاریخ: حرمین سے لکھ کر لایا ہوں، مکہ مدینہ کا جزو بن کر شائع ہوگئی ہے۔

۹- قصیدۂ بردہ کی اُردو شرح: ۱۳۹۴ھ میں ارادہ ہوا کہ حرمِ نبویؐ میں بیٹھ کر کچھ لکھوں، اس کے لئے قصیدۂ بردہ پسند آیا اور اس کی مختصر شرح، اَشعار کی ادبی مختصر تحقیق وترجمہ مکمل کر کے لایا ہوں، مگر ابھی تک وہ طبع نہیں ہوسکی ہے۔

۱۰- آدابِ دُعا: اس میں دُعا کے مختصر آداب اور چند دُعائیں ذکر کی گئی ہیں، اور اسمائے حسنیٰ اَشعار کی شکل میں شامل کئے گئے ہیں۔

۱۱- مسائلِ جمعہ: یہ رسالہ جمعہ کے بارے میں لکھ کر ملتان والوں کو دیا تھا، مگر ابھی تک طبع نہیں ہوا۔

۱۲- مسائلِ نماز: ایک رسالہ نماز کے مسائل میں لکھ کر ایک شخص کو طبع کرانے کو دیا تھا، مگر وہ نہ کرا سکے۔

۱۳- آخری منزل: اس میں مرض سے لے کر دفن تک کے اَحکام اور طریقے تحریر کئے ہیں، طبع ہو کر ختم ہو گیا۔

۱۴- اِعتکاف: مختصر اِعتکاف کے مسائل لکھ کر شائع کیا تھا جو تقسیم کر دیا گیا، یہ فضائل و مسائل کے علاوہ دُوسرا رسالہ ہے۔

۱۵- محاذات کا مسئلہ: حرم شریف میں محاذات کا مسئلہ عندالاحناف بہت دُشوار نظر آیا تو کتبِ فقہ سے حوالہ جات کے ساتھ اس کی تحقیق لکھی اور حضرت قبلہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اس کی تصدیق بھی فرمائی تھی۔

اس کے علاوہ مختلف پمفلٹ تحریر کئے اور شائع ہوئے۔

وصایا

نحمده ونصلي على رسوله الكريم

بسم الله الرحمٰن الرحيم

عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما حق امرء مسلم له شيء يوصي فيه ان يبيت ليلتين، وفي رواية ثلاث ليال، الا وصيته مكتوبة عنده، قال نافع: سمعت ابن عمر يقول: ما مرت علي ليلة منذ سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم الا وعندي وصيتي مكتوبة. (للستة)

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ان الرجل لیعمل والمرأة بطاعة الله ستین سنة ثم یحضرهما الموت فیضاران فی الوصیة فتجب لهما النار، ثم قرء ابوهریرة رضی الله عنه: من بعد وصیة یوصٰی بها او دَینٍ غیر مضار ... الٰی ... ذٰلک الفوز العظیم. (ابوداؤد و نسائی)

(ابو امامة رضی الله عنه) رفعه: ان الله قد اعطی کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث. (لابی داؤد)

(انس رضی الله عنه) قیل للنبی صلی الله علیه وسلم: مات فلان، قال: الیس کان معنا آنفًا؟ قالوا: بلٰی، قال: سبحان الله کانما اخذه غضب المحروم من حرم وصیة. (للموصلی، واسناده حسن کذا فی مجمع الزوائد، جمع الفوائد ص:۲۰۳)

صلبی اور رُوحانی اولاد کے لئے وصایا

۱- ظاہر و باطن ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اپنے ظاہر و باطن کو شریعتِ مطہرہ کے مطابق کرو، اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھل جاؤ۔

تم کو ہمیشہ شرعی علم کے حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اور جو کچھ شریعت کا علم تم کو معلوم ہوجائے اسے دُوسروں تک حکمت کے ساتھ پہنچاؤ، اور ہر بات میں محض رضائے الٰہی کے طالب رہو اور علم کو عمل میں لانے کی کوشش کرو، ورنہ بے جان جسم کے مانند رہوگے، زنہار اپنے علم سے دُنیا کے طالب نہ ہونا، جو شخص عملِ آخرت سے دُنیا کا طالب ہوتا ہے اس کی آبرو جاتی رہے گی، اور جو شخص کارِ دُنیا سے بھی آخرت کا طلب گار رہتا ہے اس کا دُنیوی حصہ کم نہ ہوگا، دُنیا ایک دریا ہے آخرت اس کا کنارہ ہے، تقویٰ اس کی کشتی ہے۔

۲- جس نعمت کا شکر ادا کروگے اس کو زوال نہ ہوگا، اور جس نعمت کی ناشکری

کرو گے اسے پائیداری نہ ہوگی، جو چیز بندے کو آخرت سے روکنے والی ہے، یہی دُنیا ہے، جس توبہ کے بعد وہ گناہ چھوٹ گیا، یہی قبولیتِ توبہ کی علامت ہے۔

۳- قرآن مجید کی تلاوت روزانہ قدرے مقرّر کرو، تہجد کی نماز کی عادت ڈالو، اہلِ صلاح کی صحبت اختیار کرو، پنج وقتہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کرو، ایک دروازے کو پکڑلو، تاکہ تم پر تمام دروازے کھل جائیں، دُنیا سے دِل نہ لگائیں، آخرت کی فکر رکھیں، خدائے تعالیٰ سے عافیت مانگا کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عظمت دِل میں رکھ کر ان کی سنتوں کو ہمیشہ عمل میں لاؤ، تین وقت نفس کی حفاظت کرو کہ یہ بے راہ نہ کردے، کام کرتے وقت دھیان رکھو کہ خدا تم کو دیکھتا ہے، بات کرو تو سمجھو کہ خدا تمہاری بات سنتا ہے، خاموش رہو تو جانو کہ خدا جانتا ہے، کبھی کسی مؤمن کو اپنے سے حقیر نہ سمجھنا، خواہ کتنے ہی کمتر درجے کا کیوں نہ ہو، کیا معلوم اس کی عاقبت کیسی ہے۔

مخلوق کے بُرا کہنے سے دِل بُرا نہ کرو کہ یہ ان کا خیال ہے، اور مخلوق کی تعریف سے ہرگز مت پھولو کہ اصل حال اللہ ہی جانتا ہے، دُنیا کی فکر سے زیادہ آخرت کی فکر کرو، اس فکرِ آخرت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہارے کام آسان کردے گا، ورنہ دُنیا کے فکر تباہ کرڈالیں گے، جاہلوں سے بچو، بُرے لوگوں سے دُور رہو، حقوق العباد اپنے ذمہ نہ رکھو، نیک کاموں میں جلدی کرو، اور گناہ ہوجائے تو توبہ کرنے میں دیر نہ کرو۔

''انما الاعمال بالنیات'' تمام تصوّف کی جڑ ہے، ''اعبد اللہ کأنک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک'' مکمل احسان ہے، اور یہی مراقبۂ احسان ہے، طریقت و شریعت دو متناقض چیزیں نہیں ہیں، بلکہ رُوح و جسد، پوست و مغز کی طرح ایک چیز ہیں۔

خوفِ خدا پیدا کرنے کا طریقہ ان باتوں کو سوچتے رہنا ہے کہ موت آکر رہے گی، قیامت یقیناً واقع ہونے والی ہے اور ضرور ایک دن خدا کے حضور پیش ہونا

ہے، خدا اور رسولؐ کی اطاعت کرو، بدعات سے، رُسومات سے بچو، فرماں بردار بن جاؤ، صبر و شکر کو شیوہ بناؤ، سختی کے بعد راحت آیا کرتی ہے، اس لئے تکلیف میں نا اُمید نہ ہو جاؤ، خدا کا ذکر کرو، پراگندہ طبیعت نہ بناؤ، گناہوں کو توبہ کے پانی سے دھو ڈالو، زیادہ خواہشات نہ بڑھاؤ، محبت یا عداوت میں جلدی نہ کرو، اپنے نفس سے بدگمان نہ ہو، دُوسروں پر بدگمانی نہ کرو، الغرض ظاہراً و باطناً شریعت کے حکموں پر چلو، اور جو کچھ بآسانی ہو سکے میرے لئے ایصالِ ثواب کر دیا کرنا۔

وصایا نمبر۲

میں اپنی اولاد، اہل و عیال و اصحاب اور اہلِ سلسلہ و تمام اہلِ اسلام کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ زندگی کا ایک ایک سانس بڑا قیمتی ہے، ان سانسوں کو گناہوں اور غفلت میں گزارنے سے بچنے کی حتی الوسع کوشش کریں، جہاں تک ہو سکے رضائے حق میں یہ سانس نکلیں، گزشتہ گناہوں کا توبہ و اِستغفار سے، اور آئندہ کے اعمال کی اصلاح کا عزمِ مصمم کرتے رہیں، بُری صحبت سے بچیں، من نکردم شما حذر بکنید۔

اپنی اولاد کو بھی دِین پر چلائیں، ان کو دِینی تعلیم دِلائیں اور خود بھی علمی مشغلہ رکھیں، حضرت مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ و دیگر اکابر علماء کی تصانیف مطالعہ میں رکھیں، گھر کا ماحول دِینی رکھیں، خلافِ دِین کوئی بات نہ آنے دیں، اپنا علم دُوسروں تک پہنچاؤ، اور کسی موحد متبعِ شریعت شیخ سے بیعت کریں، ورنہ ان سے خط و کتابت اور مجلس میں آنا جانا رکھیں، بچوں کو قرآن ناظرہ اور ضروری علمِ دِین جب تک نہ پڑھالیں کسی کام میں نہ لگاؤ، اور ان بچوں کے اعمال و اخلاق سب شریعت کے مطابق ہونے چاہئیں۔

جو لوگ دہریہ اعتقاد کے ہوں، بدعتی ہوں، روز مرّہ کی زندگی میں حلال و حرام سے غافل ہوں، ان سے احتراز رکھیں، اپنی عورتوں اور بچیوں کو بے پردگی، عریانی اور

فیشن سے بچائیں، ایسی فیشن ایبل عورتوں کے میل جول سے بھی بچا کر رکھیں۔

گھر میں ایسی کتابیں جو ناول اور عریانی لئے فوٹو ہوں، ہرگز نہ آنے دیں، بلکہ دِینی کتابیں پڑھیں، اور جب خیال آجائے، میرے لئے دُعائے مغفرت کردیا کریں، اللہ پاک عبدالحکیم کو بخش دے، اور اس کی مغفرت کردے، اگر ہوسکے ایک بار سورۂ یٰسین یا تین بار قل ھو اللہ پڑھ کر اِیصالِ ثواب کردیں، اس کے بعد اگر کبھی اللہ توفیق دے تو مال صدقہ کرکے جس میں اخفاء ہو ایصالِ ثواب کردیں، اس میں کسی رسم کی پابندی نہ کریں۔

اتباعِ سنت ضروری ہے، بدعات و رُسومات سے الگ تھلگ رہیں، آخرت کی فکر دُنیا پر غالب رہے، امر بالمعروف، نہی عن المنکر بقدرِ ہمت کرتے رہنا چاہئے، اپنے گھر کا ماحول دِینی بنانے کی اَنتھک کوشش کریں، جس کے لئے یہ اُمور ضروری ہیں:-

۱- خود اور اولاد کو نمازِ باجماعت کا پابند بنائیں، عورتوں کو گھر پر بروقت نماز کا پابند کریں۔

۲- فجر کے بعد سب افراد کچھ تلاوتِ قرآن کرلیا کریں۔

۳- عریانی اور فیشن سے بہت پرہیز کریں۔

۴- گانے بجانے اور کھلی ہوئی حرام باتوں سے الگ رہیں، جو اس کے خلاف کرے، اسے نرمی اور حکمت سے سمجھا کر عامل بنانے کی سعی کریں۔

۵- صحبت اہل اللہ کا اہتمام اور دِینی کتابوں کا مطالعہ بلاناغہ کریں۔

فہرستِ مجازین

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل حضرات کو باقاعدہ بیعت و تلقین کی اجازت مرحمت فرمائی:-

۱- حافظ بشیر احمد صاحب رشید آباد کالونی، ملتان شہر

۲- ڈاکٹر حفیظ الحق صاحب مصطفیٰ آباد نزد ایک مینارہ والی مسجد، دھرم پورہ لاہور

۳- حاجی بشیر احمد صاحب ٹوپی والے تمباکو بازار، سکھر

۴- حاجی منیر احمد صاحب لطیف اسکوائر، نزد مکرانی مسجد، بندر روڈ، سکھر

۵- حاجی محمد نعیم صاحب نعیم جنرل اسٹور، نشتر روڈ، سکھر

۶- مولانا عبدالحلیم صاحب کے ٹو سگریٹ ایجنسی متصل سندھی سرکاری اسکول، ڈھرکی

۷- مولانا عبدالرؤف صاحب نائب مفتی دارالعلوم کراچی ۱۴

۸- مولانا صغیر احمد صاحب سعید آباد، کراچی

درج ذیل حضرات کو مجازِ صحبت بنایا:-

۱- حاجی محمد انور صاحب محلہ باغِ حیات علی شاہ، سکھر سندھ

۲- حاجی محمد رمضان صاحب محلہ باغِ حیات علی شاہ، سکھر سندھ

۳- حاجی محمد اظہار احمد صاحب شاہی بازار، نزد انارکلی، سکھر

درج ذیل حاجی صاحب کو مجازِ تعلیم بنایا:-

۱- حاجی محمد شفیع صاحب رشید آباد کالونی، خانیوال روڈ، ملتان شہر

تاریخِ وفات

۱- پیام آمد = فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد

۹۸ = ۱۹۵ ۱۹ ۳۰۵ ۱۱۰ ۴۰۱ ۹۰ ۱۱۱ ۷۷

۱۴۰۶

۲- زاہد پاک مولینا عبدالحکیم صاحب انتقال فرما گئے

۴۰ ۱۳۷ ۱۸۵ ۱۰۱ ۹۴۳

۱۴۰۶

۳- قطب جہاں عبدالحکیم صاحب مفتی جامعہ اشرفیہ سکھر

۱۷۰ ۳۸۶ ۵۳۰ ۷۱۵ ۲۸۵

۱۹۸۶

۴- ھادی انجمن حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب

۱۶۴ ۱۴۰۸ ۱۲۸ ۱۸۵ ۱۰۱

۱۹۸۶

۵- مولینا حاجی عبدالحکیم صاحب رخصت ہوگئے

۱۳۷ ۲۲ ۱۸۵ ۱۰۱ ۱۴۹۰ ۵۱

۱۹۸۶

۶- عبدالحکیم خلیفہ مفتی شفیع صاحب

۱۸۵ ۷۲۰ ۵۳۰ ۴۵۰ ۱۰۱

۱۹۸۶

(ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی ذوالحجہ ۱۴۰۶ھ - اگست ۱۹۸۶ء)

اسلامی تاریخ کی ابتداء

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ. ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ. الآیۃ. (الصف:۸،۹)

یہ سورۂ صف کی آیت ہے، ترجمہ یہ ہے:-

وہ ارادہ کرتے ہیں کہ بجھادیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے نور کو اپنے منہ کے ساتھ اور اللہ پورا کرنے والا ہے اپنے نور کو اگرچہ کفار مکروہ سمجھتے ہیں۔ اللہ وہ ذات ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور دِینِ حق کے ساتھ تاکہ بتدریج غلبہ دے دیں تمام اَدیان پر۔

محرّم الحرام اسلامی مہینوں کا سب سے پہلا مہینہ ہے، اسلام چونکہ فطری مذہب ہے، اس لئے تاریخ کے معاملے میں بھی فطرت کا لحاظ رکھا تاکہ کسی جاہل آدمی کو بھی اس کے سمجھنے میں کوئی دِقت نہ ہو۔

تاریخِ اسلامی کا تعین کرنے کے لئے صحابہ کرامؓ کی مجلسِ شوریٰ

امیرالمؤمنین خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ عراق وکوفہ کے گورنر تھے، ایک دفعہ انہوں نے آپ کو لکھا کہ آپ کی طرف سے ہمیں جو اَحکامات اور ہدایتیں ملتی ہیں ان میں کوئی تاریخ نہیں لکھی ہوتی، معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کس تاریخ کا حکم نامہ ہے، جس کی بناء پر

بعض دفعہ اس پر عمل کرنے میں بڑی دُشواری پیش آتی ہے۔ اس پر غور کرنے کے لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اکابر صحابہ کی مجلسِ شوریٰ منعقد کی، جس میں حضرت علی کرّم اللہ وجہہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے، فرمایا کہ: اسلامی تاریخ ہماری بھی ہونی چاہئے، کیونکہ یہودیوں اور نصاریٰ کی بھی تاریخ ہے، اور مجوسیوں کی بھی تاریخ ہے، لہٰذا ہماری بھی تاریخ ضرور ہونی چاہئے۔

تاریخِ اسلامی کے آغاز میں صحابہؓ کی مختلف رائیں

لیکن اس میں اختلاف تھا کہ کس مہینے سے تاریخ کا آغاز کیا جائے؟ بعض صحابہ کرامؓ کی رائے یہ تھی کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے مہینے سے، بعض نے کہا وفات کے مہینے سے، بعض نے کہا جب آپ کو نبوّت ملی تھی اس مہینے سے، جب مختلف رائیں اور مشورے سامنے آئے۔

حضرت عمرؓ کا ہجرت کے واقعہ سے اسلامی تاریخ کا تعین

تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے مہینے سے تو تاریخ اس لئے نہیں رکھیں گے کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے مہینے سے اپنی عیسوی تاریخ کو شروع کیا ہے اور اس میں ان کی مشابہت پسند نہیں، اور اگر وفات کے مہینے سے شروع کریں تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا رنج تازہ ہوگا اور رسمِ جاہلیت کا احیاء ہوگا، اور جس مہینے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوّت عطا کی گئی تھی اس مہینے سے اگر اسلامی تاریخ کا آغاز کیا جائے تو اس میں قبح یہ ہے کہ حیات کی دو قسمیں ہیں، ایک حیاتِ جسمانی اور ایک حیاتِ رُوحانی، لیکن چونکہ نصاریٰ کا شعار یہ بھی ہے کہ انہوں نے حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام سے تاریخ شروع کی ہے تو اس سے بھی تاریخ کا آغاز مناسب نہیں، گو نصاریٰ حیاتِ جسمانی سے آغاز کرتے ہیں مگر حیاتِ رُوحانی حیاتِ جسمانی کے ساتھ حیات

ہونے میں شریک ہے، یا نفسِ حیات میں شریک ہے، اس لئے نبوّت ملنے کے مہینے سے بھی تاریخ کی ابتداء نہیں کر سکتے تاکہ من وجہِ تشبہ نہ آجائے، لہٰذا ہجرت کے مہینے سے اسلامی تاریخ ہونی چاہئے۔ پھر امیرالمؤمنین خلیفۃ المسلمین کی اس رائے کی حضرت علی و حضرت عثمان اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے متفقہ طور پر تائید کی کہ ہماری اسلامی تاریخ مستقل ہونی بہت ضروری ہے جس کی ابتداء اسلام کے عظیم الشان اور اہم واقعہ ہجرت سے ہونی چاہئے۔

سنہ ہجری کی ابتداء محرّم الحرام سے کیسے ہوئی؟

لیکن محرّم الحرام کا مہینہ کیسے آیا؟ سنئے!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تبلیغِ دین اور اظہارِ حق و صداقت کے لئے جس حریتِ صادقہ، ہمت و استقلال، صبر وسکون، ایثار و توکل، جرأت و جاں نثاری کا نمونہ دُنیا کو دِکھلایا اس کی مثال کسی پیروؤں کے حالات میں اب تک نہیں ملتی، مشرکینِ مکہ نے سخت سے سخت تکلیفیں دیں، بازاروں اور کوچوں میں ہنسی اُڑاتے، مٹی اور پتھر ان پر برساتے، کیچڑ ان پر پھینکا جاتا اور ان کے رہ گزر میں کانٹے بچھائے جاتے، صرف اس بات میں کہ نعرۂ حق کیوں بلند کیا جاتا ہے، لیکن کوئی جسمانی مصیبت اور دُنیاوی تکالیف ان کو ان کے فرض سے نہ روک سکی، آخرکار مشرکینِ مکہ زیادہ وحشیانہ حرکات پر اُتر آئے، مسلمانوں کو زد و کوب کیا، بعض کو جلتی ہوئی ریت پر دبایا، بعض کو پاؤں اور بالوں سے پکڑ کر سنگلاخ زمین پر گھسیٹا، لیکن خدا کا پیارا پیغمبر اور اس کے برگزیدہ صحابہ کرامؓ یہ تمام تکلیفیں صبر و رضا سے سہتے رہے، قریش کے ظلم و تعدی جب کسی طرح بھی کم ہونے میں نہ آئے اور مکہ مکرّمہ میں رہ کر فرائضِ اسلام کو آزادی سے بجالانا ناممکن معلوم ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاں نثاروں کو ہدایت کی کہ ملکِ حبشہ کو ہجرت کر جائیں، سنہ ۵ نبوی میں آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کے ایماء سے اوّل اوّل گیارہ مرد اور چار عورتیں جن میں حضرت عثمان غنی کی زوجہ بنتِ رسول رُقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق سے فرمایا کہ: عثمانؓ پہلے شخص ہیں جنھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کے بعد مع اہل وعیال کے ہجرت کی۔ اور ان میں زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم بھی تھے، حبشہ کو ہجرت کرگئے، لیکن کفار کا غیظ وغضب روز بڑھتا رہا، خصوصاً اس لئے کہ جو حضرات ہجرت کرگئے ان کی ایذاء رسانی کے لئے نجاشی کے پاس ایک سفارت بھیجی، عبداللہ بن ربیع اور عمرو بن العاص، جو بعد میں فاتحِ مصر ہوئے ہیں، ان کے لیڈر تھے، ناکام لوٹے، ادھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے استقلال میں کچھ فرق نہ آیا تو اور زیادہ دُشمن بن گئے، آخرکار آپؐ نے ان کی اذیتوں سے تنگ آکر چھٹے سالِ نبوّت میں مہاجرین کی دُوسری جماعتیں جس میں بچوں سمیت ایک سو ایک مہاجر تھے، ملکِ حبشہ بھیجیں، اللہ کے نبی سے خدا نے وعدہ فرمایا کہ ہم آپ کے دِین کو تمام اَدیان پر بتدریج غلبہ دیں گے، "لِيُظْهِرَهُ" یہ مضارع کا صیغہ ہے، بمعنی بتدریج عطا کریں گے، تو آپؐ کی زندگی میں اسلام کو عزّت وعروج حاصل ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سب سے بڑی حکومت وسلطنت دو تھیں، ملکِ شام میں ہرقل فرماں روا تھا اور یہ لوگ نصرانی تھے اور اس کے ماتحت عیسائیت چل رہی تھی اور دُوسرا ملک ایران تھا، یعنی کسریٰ، یہ لوگ مجوسی تھے، بس یہ دو فرقے اس وقت برسرِ اقتدار تھے، ہندوستان میں اس وقت بھی بت پرستی تھی اور یہ کسریٰ کی حکومت میں داخل تھا۔

اور مدینہ طیبہ میں اوس وخزرج یہ دو قبیلے کفار کے آباد تھے اور کچھ یہودی بھی تھے لیکن وہ کم تھے، وہاں پر نصاریٰ اور ان کے علماء کا ایک گروہ رہا کرتا تھا اور وہ لوگ مغلوب تھے اور کہا کرتے تھے کہ ایک آخر الزماں رسول پیدا ہونے والا ہے، ہم ان کے ساتھ مل کر تم سے لڑیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں مقیم تھے، مدینہ سے

لوگ آیا کرتے تھے اور آپؐ ان کو اسلام کی تبلیغ کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ انصار کے کچھ لوگ مدینہ منورہ سے آئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے وادی منیٰ میں رات کو چھپ کر ملاقات کی اور اسلام کی دعوت دی، تو وہ یہ دیکھ کر سمجھ گئے کہ یہ تو وہی آخرالزماں پیغمبر معلوم ہوتے ہیں جس کی نصاریٰ خبر دیتے تھے، ہم ان سے پہلے کیوں نہ اس دِینِ حق کو قبول کریں اور ان سے سبقت کر جائیں، تو وہ چند انصار کے آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے اور وہ ذوالحجہ کی پندرہ تاریخ کے بعد ہوئے، آپؐ حج سے فارغ ہو چکے تھے تو انہوں نے کہا کہ آپ وہاں تشریف لائیں۔ جب قریشِ مکہ نے اپنے تشدّد کو بہت زیادہ کر دیا تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو مدینہ طیبہ جانے کا ارشاد فرمایا، تو آپؐ نے جو صحابہ کو ہجرت کا حکم دیا تھا وہ محرّم الحرام ہی کا مہینہ تھا، ان کے لئے عقبہ بیعت ثانیہ کے بعد بہت سی سہولتیں تھیں کیونکہ وہاں کافی لوگ مسلمان ہو چکے تھے، چنانچہ ڈیڑھ سو کے قریب مسلمان وقتاً فوقتاً قافلوں کی صورت میں مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ چلے گئے، اسی طرح مکہ صحابہ کرامؓ سے خالی ہو گیا تھا۔ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما رہ گئے تھے، قریش نے یہ سوچ کر کہ اب یہ لوگ بھی جلد مکہ سے چلے جائیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا پختہ ارادہ کیا، چنانچہ جری قاتلوں نے تلواروں سے مسلح ہو کر شام کے اندھیرے میں خانۂ نبی کو گھیر لیا، یہاں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لے کر ارشادِ خداوندی کے مطابق غارِ ثور میں چلے گئے، جو مکہ سے چار پانچ میل کے فاصلے پر واقع ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک پر حضرت علی کرّم اللہ وجہہ آپؐ کی چادر اوڑھ کر سو گئے تھے، قاتلین نے جب اپنے سروں پر مٹی دیکھی اور مکان میں داخل ہوئے تو یہ دیکھ کر سخت حیران ہوئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر آپؐ کے بجائے حضرت علی رضی اللہ عنہ لیٹے ہوئے ہیں، اس ناکامی سے اور بھی غضبناک

ہوئے اور فوراً سو اُونٹوں کا انعام اس شخص کے لئے مقرّر کیا جو آپ کو زندہ پکڑ لائے یا نعوذ باللہ ان کا سر کاٹ لائے، تین دن کے بعد غارِ ثور سے نکل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کو ماہِ ربیع الاوّل میں روانہ ہوجاتے ہیں، یہیں سے سنِ ہجری شروع ہوجاتا ہے، عیسائیوں میں عیسوی سال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے کئی سو سال بعد رائج ہوا، اور اسلامی سال اس محرّم سے شروع ہوا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو ہجرت کرنے کا حکم کیا، جس کے دو ڈھائی ماہ بعد آپؐ نے ہجرت فرمائی، سنہ ہجری کا غیر سرکاری آغاز ہجرت کے ساتھ، اور سرکاری آپؐ کی وفات کے بعد شروع ہوا۔

ہجرت اسلام کے عروج کی ابتداء ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت بھی وہ پہلی منزل ہے کہ اسلام عزّت و عروج کی منزل پر جارہا تھا، اس کے بعد آپؐ کی وفات ہوگئی اور پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا اور مرتدّین کا زور ہوا، آپؓ نے مرتدین کے زور کو ختم کرنے کے لئے بیک وقت کسریٰ اور قیصر شام کی سلطنت جو اس وقت عروج پر تھیں دونوں حکومتیں رُوئے زمین پر فرماں روا تھیں ان کے پاس لشکر بھیجا اور پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے، انہوں نے لشکر کو اسی جگہ جہاں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے روانہ کئے تھے، بھیجے اور فتح یابی ہوئی اور اسلام کی حدود بہت بڑھ گئیں، قیصر و کسریٰ جیسی عظیم سلطنتیں زیرِ نگوں آئیں، یورپ میں اُندلس تک افریقہ اور ایشیا میں ایشیائی ترکستان اور سندھ تک اسلام پھیل گیا، ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل پر اسلامی پرچم لہرانے لگا، غرضیکہ خلیفۂ اوّل و دوم کے عہد میں جو دو بڑی سلطنتیں تھیں جو اپنے دِین و دُنیا کے اعتبار سے عروج پر تھیں، وہاں اسلامی قانون جاری وساری ہونے لگا تو یہ آیت "لِیُظْهِرَهُ عَلَى

الـدِّیـْنِ کُلِّہٖ" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دِین کو خداوند قدوس نے بتدریج غلبہ عطا کیا، عہدِ عثمانی میں بھی بہت فتوحات ہوئیں اور عہدِ صحابہ میں اسلام نے عروج حاصل کیا جس کے واقعات بالتفصیل کتب میں موجود ہیں۔

صحابہ کرامؓ کا افریقہ کے جنگل میں چھاؤنی بنانا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے افریقہ کے ایک خوفناک جنگل میں چھاؤنی بنانے کا ارادہ کیا، وہاں کے لوگوں نے بہت کچھ کہا کہ اس جنگل میں بڑے بڑے خونخوار درندے رہتے ہیں، یہ حشرات کا مرکز ہے، لیکن ایمان و یقین میں کامل ایک صحابی نے ایک ٹیلے پر کھڑے ہوکر کہا کہ: اے درندو! ہم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں، یہاں سے چلے جاؤ۔ تو دیکھتے ہی دیکھتے تمام درندے اور سانپ بچھو اپنے بچوں سمیت جنگل سے نکل کھڑے ہوئے، یہ دیکھ کر کروڑوں کی تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے۔ اور یہ جو کہتے ہیں کہ اسلام میں قانون نہیں، تو یہ کل دُنیا پر جو حکومت ہو رہی تھی بغیر قانون کے تھی؟ صدیوں پُرانی سلطنتوں کے اپنے قانون یکسر ختم ہوگئے، خلاصہ یہ کہ حضرت امیرالمؤمنین خلیفۃ المسلمین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں واقعہ ہجرت کے چھ سال بعد باقاعدہ طور پر سنِ ہجری جاری فرمایا، اس کی ابتداء محرّم سے ہوئی ہے۔

اسلامی مہینوں کی تعداد

سال کے اسلامی مہینے بارہ ہیں: محرّم، صفر، ربیع الاوّل، ربیع الآخر، جمادی الاولیٰ، جمادی الثانیہ، رجب، شعبان، رمضان، شوال، ذوالقعدہ، ذوالحجہ۔

اسلامی تاریخ کا شرعی حکم

اسلامی تاریخ کا یاد رکھنا فرضِ کفایہ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسلمان اس کو چھوڑ دیں تو سب مسلمان گنہگار ہوں گے، اور اگر اکثر اس کو یاد رکھیں گے تو پھر

سب مسلمان عذاب سے بچ جائیں گے۔

مسلمانوں کرو رائج جہاں میں سال ہجری کا
مسلّم ہر طرف ہوجائے قیل و قال ہجری کا
رسولِ پاک کے اَمرِ ہجرت سے اس کی ابتداء ہے جب
تو پھر کیونکر نہ ہو محبوب ہم کو سال ہجری کا
کرو رائج جہاں میں دوستو اب تم سنِ ہجری
نہ لکھنا بھول کر بھی اب کہیں تاریخِ انگریزی

فضائلِ عاشورہ

اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ محرّم کے دن کی فضیلت اس وجہ سے ہے کہ اس دن سیّدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کربلا کے میدان میں شہید ہوئے، حالانکہ یہ بات نہیں ہے بلکہ عاشورہ کا دن اسلام ہی نہیں، اُمم سابقہ میں بھی یہ دن اب تک باعثِ عزّت و احترام ہے، یہود و نصاریٰ بھی اس کی بہت تعظیم کرتے تھے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عاشورہ کے دن کی یہود بہت عظمت کرتے تھے اور اس دن عید مناتے تھے، دُوسری جگہ تفصیل ہے کہ خیبر کے یہود روزہ رکھا کرتے تھے اور عید مناتے تھے اور اپنی عورتوں کو زیورات اور اچھے لباس پہناتے تھے، (ان باتوں کو دیکھ کر) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم بھی روزہ رکھا کرو۔ (بخاری و مسلم) یہود و نصاریٰ اس لئے اس دن کی تعظیم کرتے تھے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو فرعونیوں کے پنجۂ ظلم سے نجات دی تھی اور اس دن فرعون مع اپنے لشکر کے دریا میں غرق کیا گیا تھا۔ (بخاری و مسلم)

قریش بھی اس دن کو بہت متبرک خیال کرتے تھے کیونکہ اسی روز کعبۃ اللہ

پر غلاف چڑھایا گیا۔ (مسلم)

اور روایتوں میں وارِد ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس روز حضرت آدم علیہ السلام کی دُعا قبول فرمائی، حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام اسی روز پیدا ہوئے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے اور آپ نے یہود کو عاشورہ کے دن کا روزہ رکھتے دیکھا تو آپ نے پوچھا یہ روزہ کیوں رکھتے ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا: اس دن حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل نے فرعون کے ظلم سے نجات پائی اور وہ مع اپنے لشکر کے غرق ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے اس دن شکرانہ میں روزہ رکھا تھا، تو فرمایا: میں تمہاری بنسبت موسیٰ کے اِتباع کا زیادہ حق دار ہوں۔ (بخاری و مسلم)

ابوداوٗد میں یہ بھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس دن شکرانہ میں روزہ رکھا اور ہم اس دن تعظیماً روزہ رکھیں گے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ: اس دن کا روزہ اگرچہ فرض نہیں تاہم میں روزہ سے ہوں، جس کا دِل چاہے رکھے، جس کا دِل چاہے نہ رکھے۔

عاشورہ کے دن کو افضل الایام بعد الرمضان کا طرۂ امتیاز عطا کیا گیا ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں قریش عاشورہ کا روزہ رکھا کرتے تھے، یہاں تک کہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دسویں محرّم کا روزہ رکھا اور دُوسروں کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا، اور یہ وہ دن تھا جس میں خانۂ کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا، لیکن جب رمضان المبارک کے روزے فرض کئے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کا روزہ ترک کردیا، یعنی دسویں محرّم کا روزہ اختیاری ہے، جس کا جی چاہے رکھے، جس کا جی نہ چاہے نہ رکھے۔
(مسلم و بخاری)

حضرت ربیع بنت معوذ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان

دیہاتی انصاریوں کے پاس جو مدینہ کے اطراف میں رہا کرتے تھے عاشورہ محرّم کی صبح کو کہلا بھیجا: آج جس نے روزہ رکھا ہو تو وہ پورا کرے اور جس نے روزہ نہ رکھا ہو وہ روزہ داروں کی طرح پورا دن گزارے، اس حکم کے بعد ہم سب خود روزہ رکھتیں اور اپنے چھوٹے بچوں کو بھی روزہ رکھواتی تھیں، اور اگر کوئی بچہ کھانے کے لئے روتا تو اس کو بہلانے اور کھیلنے کے لئے جو اُونی گڑیا ہم خود بناتے تھے اس بچے کو دیتی تھیں، یہاں تک کہ اِفطار کا وقت آجاتا تھا۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کے روزہ کے متعلق فرمایا کہ: مجھے خدا کی ذات سے اُمید ہے کہ یہ گزشتہ سال کے گناہوں کا کفارہ بن جائے۔ (ترمذی)

ف:- اس حدیث سے چھوٹے گناہوں کی معافی مراد ہے، حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کا روزہ رکھ کر مسلمانوں کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ وہ دن ہے جس کی یہود و نصاریٰ بڑی عزّت کرتے ہیں اور اس کو بہت بڑا دن مانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو نویں تاریخ کا بھی روزہ رکھوں گا، مگر آپؐ آئندہ سال کے محرّم آنے سے پہلے ہی رحلت فرما گئے۔

(ابوداؤد)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صومِ عاشورہ کے متعلق حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ: گزشتہ سال کے گناہوں کا کفارہ ہوجاتا ہے، اور ایک سال بعد کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ماہِ رمضان کے روزوں کے بعد اگر تم روزے رکھنا چاہتے ہو تو محرّم کا روزہ رکھو، یہ محرّم اللہ کا وہ مہینہ ہے جس کے ایک دن اللہ نے ایک قوم کی توبہ قبول کی

اور اسی دن اللہ تعالیٰ دُوسری قوموں کی توبہ قبول فرمائے گا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کے دن گناہوں سے رُکے رہنے کے عہد کے تجدید کے لئے ترغیب دی اور توبہ قبول ہونے کی اُمید دِلائی کہ عاشورہ کے دن جو کوئی اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت کا طلب گار ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا، کیونکہ اس دن پہلے زمانے میں اللہ نے کچھ لوگوں کی توبہ قبول کی اور یہی وہ دن ہے جس میں آئندہ لوگوں کی توبہ کو درجہ قبولیت دے گا۔ (ترمذی)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تم عاشورہ کے دن یہودیوں کے خلاف نویں، دسویں یا گیارہویں کا روزہ رکھو۔

دُوسری روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو نویں دسویں کے روزہ کا حکم دُوں گا۔ (بیہقی) معلوم ہوا دُوسرا روزہ نویں تاریخ کا افضل ہے، ورنہ دُوسرا روزہ گیارہویں تاریخ کا رکھ لے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تم عاشورہ کا روزہ رکھو اس لئے کہ گزشتہ انبیائے کرام بھی اس دن کا روزہ رکھا کرتے تھے، لہٰذا تم بھی رکھو۔ (دیلمی)

ف:- ان احادیث سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ محرّم کی دسویں تاریخ کا روزہ رکھنا چاہئے اور رمضان کے روزوں کے بعد افضل ترین یہی روزہ ہے، اور چونکہ یہود و نصاریٰ کے یہاں بھی یہ عظمت و عبادت کا دن ہے اس لئے ان کی مشابہت سے بچنے کے لئے دو روزے رکھے، نویں اور دسویں، یا دسویں گیارہویں کا۔

دُوسری بات یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گناہگاروں کی توبہ قبول فرماتا ہے، اس روز خصوصی طور پر گزشتہ گناہوں سے توبہ اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد و پیمان کرنا چاہئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا کہ: رمضان کے روزوں کے بعد افضل روزہ محرّم کا روزہ ہے۔ (ابنِ ماجہ)

غرضیکہ عاشورہ کا دن عبادت و ریاضت اور گناہوں سے توبہ کا دن ہے، اور اس روز اللہ تبارک و تعالیٰ دُعاؤں کو قبولیت سے نوازتے ہیں، مصیبت زدہ کو راحت دیتے ہیں، اور مشکلات کو آسان اور حاجتوں کو پورا کرتے ہیں۔ طبرانی کی روایت میں ہے کہ ہر دن کے روزے تیس دن کے روزوں کے ثواب کے برابر ہے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص محرّم میں جمعرات، جمعہ، ہفتہ کو روزہ رکھے اس کے لئے دو سال کی عبادت لکھی جائے گی۔

عاشورہ کے دن اہل وعیال پر کھانے پینے میں فراخی کرنا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اپنے اہل وعیال پر عاشورہ کے دن خرچ میں فراخی کی تو تمام سال اس کے یہاں برکت رہے گی۔ (رزین) ایک روایت میں ہے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص عاشورہ کے دن اپنے اہل وعیال کے کھانے پینے میں وسعت دے تو اللہ تعالیٰ اس پر تمام سال وسعت دیتا رہے گا۔

توسیع کی فضیلت میں جو اَحادیث وارِد ہیں ان کی بابت محدثین کا اختلاف ہے، ابنِ حبان وغیرہ حسن فرماتے ہیں، اور ابنِ جوزی، ابنِ تیمیہ، ابنِ قیم، شاہ ولی اللہؒ موضوعہ کہنے والوں میں ہیں، مگر تحقیق یہ ہے کہ ان روایات کا مرتبہ حسن لغیرہ سے کم نہیں ہے، اور حسن لغیرہ حجت ہے۔

یومِ عاشورہ کے تین کام

خلاصہ یہ کہ یومِ عاشورہ میں کرنے کے کام تین ہیں، گناہوں سے توبہ و اِستغفار کرنا، دو روزے رکھنا، نویں دسویں کا یا دسویں گیارہویں کا، گھر میں حسبِ حیثیت اچھا کھانا پکانا۔ (ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی محرّم ۱۳۹۵ھ - فروری ۱۹۷۵ء)

انصار اللہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَلَمَّا اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَى اللّٰهِ، قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ، اٰمَنَّا بِاللّٰهِ، وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُوْنَ. رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ. وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ، وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ.

ترجمہ:- پھر جب عیسیٰ (علیہ السلام) کو بنی اسرائیل کی جانب سے کفر کا یقین ہوا تو اس نے کہا کہ کون ہے جو اللہ کے کام میں میرا مددگار ہو؟ حواری بولے: اللہ کے مددگار ہم ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے اور اے عیسیٰ! اس تو اس پر گواہ رہ کہ ہم فرماں بردار ہیں، اے ہمارے پروردگار! جو کچھ تو نے نازل کیا ہم اس پر ایمان لائے اور ہم نے رسول کی پیروی اختیار کی، لہٰذا ہم کو بھی ان لوگوں کے ساتھ کردے جو حق کی شہادت دینے والے ہیں، اور یہود ایک چال چلے، اور اللہ تعالیٰ ان کے توڑ کے لئے دوسری چال چلا، اور اللہ تمام چال چلنے والوں میں بہترین چال چلنے والا ہے۔

شانِ نزول

جس وقت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ فرمانے لگے تو یہودِ مدینہ نے مخالفت کی اور ایذاء دینی شروع کردی، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لئے بطورِ تمثیل کے یہ آیت نازل ہوئی۔

یعنی جیسا کہ ان یہودیوں کے باپ دادوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تکالیف پہنچائی تھیں، مگر اللہ جل شانہٗ نے ان کی حفاظت فرمائی اور یہودیوں کو ذلیل و خوار کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی ایسا ہی ہوگا، ''وَکَذٰلِکَ مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ''۔

ا:- اس آیت سے یہ مسئلہ مستنبط ہوا کہ جب دِین کا کام خدائے تعالیٰ کے حکم کے مطابق خلوص کے ساتھ شروع کیا جائے اور لوگ اس کی مخالفت کریں تو نہایت صبر و استقلال سے دِین کا کام کرتا رہے، اللہ تعالیٰ اس کے حامی و مددگار ہوں گے، اسی کا نام ''تدبیر و استقلال'' ہے جو ایک بڑی اصل اُصول ہے۔

۲:- دُوسرے اس آیتِ کریمہ میں ماضی کے ایک اَمرِ غائب کی خبر دی گئی ہے اور آپ کو سوائے حق تعالیٰ کے اور کون خبر دینے والا ہوسکتا ہے، اس سے یہ باتیں ثابت ہوئیں:

۱- خبر دینے یعنی حق تعالیٰ کا وجود برحق ہے۔

۲- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے برحق رسول ہیں۔

۳- یہ کتاب منزل من اللہ ہے۔

لہٰذا ان تینوں باتوں کی تصدیق کرنا، ان کو سچا یقین کرنا ایمان ہے، اور اس منزل من اللہ کتاب پر عمل کرنا اسلام ہے، اور اس ایمان و اسلام کے مجموعہ کا نام ''شریعت'' ہے۔

فَلَمَّا اَحَسَّ عِیۡسٰی مِنۡهُمُ الۡکُفۡرَ قَالَ مَنۡ اَنۡصَارِیۡ اِلَی اللهِ.

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب دُشمن ایذاء رسانی پر آمادہ ہو تو اس کی مدافعت کی تدبیر کرنا چاہئے، دُوسری یہ بات معلوم ہوئی کہ کوئی اَمرِ دِینی یا دُنیوی خود انجام نہ دے سکے تو اس کو پورا کرنے کے لئے دُوسرے آدمیوں سے مدد چاہنا اور دُوسرے کی امداد کرنا جائز ہے، یہ تمدّن اور معاشرت کا ایک اُصول ہے اور اس طرح انتظامِ کار میں سہولت رہتی ہے۔

قولہ تعالیٰ: "اَحَسَّ" یہ "حس" سے مشتق ہے، کسی چیز کو حواسِ ظاہرہ سے معلوم کرنا اور اَمرِ محسوس یقین کے مرتبہ پر ہوتا ہے۔ "مِنۡهُمۡ" اس میں "هُم" کی ضمیر جماعت پر دلالت کر رہی ہے، اور "مِنۡ" تبعیضیہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ان میں سے بعض سے کفر محسوس ہوا اور بعض مؤمن بھی تھے اور "هُم" کی ضمیر کو مبہم کر دیا، اس سے ان کی تحقیر مراد ہے، لأن المضمر موضع المظهر بقید الحقارة تارة۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب تک کوئی کفر کا خود اظہار نہ کرے، اس پر کفر کا اطلاق نہ کیا جائے۔

قَالَ مِنۡ اَنۡصَارِیۡ اِلَی اللهِ.

"مَنۡ" استفہام کے لئے ہے، اور یہ عموم کے لئے آتا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے "مَنۡ" کہہ کر سب ہی کو عموماً اپنی طرف متوجہ کیا، یہ ایک بلیغ آدمی کا کام ہے کہ ایک ہی کلمے سے سب کو اپنی طرف کھینچ لیا۔

تمدّن کا یہ مسئلہ سامنے آیا کہ جب اجتماعی ہمدردی وجود میں آجائے تو انتظام سہل ہو جاتا ہے۔

نیز "مَنۡ" کے عموم سے یہ ثابت ہوا کہ دِین کی اعانت کرنے میں سب شامل ہیں اور جس کا جی چاہے دِین کی مدد کرے، کسی معین فرد پر جبریہ حکم نہ کرنا چاہئے۔

"مَنۡ اَنۡصَارِیۡ" کے الفاظ سے یہ اِشکال ہوتا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

نے اپنی جان کے خوف سے ہراساں ہوکر لوگوں سے التجا کی ہے اور ایسا کرنا ان کے مقامِ صبر و رضا کے خلاف ہے، اسی لئے کسی خاص فرد کی طرف نسبت نہ کی بلکہ عام کلمہ لائے، کیونکہ ذاتی غرض کے وقت خطاب خاص ہوا کرتا ہے، لیکن جب بطور تخییر کے عام خطاب کیا، معلوم ہوا کہ یہ اپنے نفس کے لئے نہیں بلکہ عام دعوت ہے جس کا جی چاہے اور اسی لئے آگے "اِلَی اللّٰہِ" بڑھایا، جس سے اس طرف اشارہ ہوا کہ دِین کی مدد کرنے والا اِخلاص کے ساتھ آئے اور مخلص ہی اس دعوت کو قبول کرے گا، صاحب الغرض نہ آسکے گا۔

رہا لفظ "اَنْصَارِیْ" اس میں یائے متکلم اضافی موجود ہے، غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ اضافت ان کی اپنی ذات کی طرف نہیں ہے کیونکہ وہ "مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ" کہہ رہے ہیں، یعنی اضافت وصفِ رسالت کی طرف ہے، معنی یہ ہوں گے: کون میرے رسول ہونے کی حیثیت سے میرا معین ہوتا ہے، یعنی پہلے وہ رسالت کا اقرار کرے اور ایمان لائے، پھر اِخلاص کے ساتھ مدد کرے، نیز وہ اعانت رسول کے حکم کے تابع ہوکر کرنی ہوگی۔

اعانت کیا ہے اور اعانت یہ ہے کہ معلمِ دِین بنے، تبلیغِ دِین کے وسائل اختیار کرے، ان کو قائم رکھے، اپنی پوری ہمت اس میں صَرف کردے، اس کارِ منصبی کو پوری طرح انجام دے، **هٰكذا فی العبادات البدنية و المالية و القولية و الفعلية وفی سياسة البيوت و المدن و الملک و القتال و التعامل و الاخلاق وغير ذٰلک مثلثُ مثلًا اعانت فی العبادة، اقامت الجمعة و الجماعة، وتنفيذ احكام الفقهية و التبليغ و التعليم و التفهيم۔**

اعانت فی الطريق من الرياضات و المجاهدات للتزكية علی يد الشيخ، اچھا "اِلَی اللّٰہِ" سے پہلے شبہ فعل محذوف ہے اور وہ حال واقع ہوگا، تقدیر یہ نکلے گی: "**من انصاری موصلا الی اللّٰہ**"۔

چونکہ حال اور ذوالحال کا زمانہ ایک ہوتا ہے، رسول کی اعانت اور فرمانبرداری موصل الی اللہ ہاتھوں ہاتھ ہوجاتی ہے۔

پھر "مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ" جملہ اسمیہ لائے جو استمرار اور دوام پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ کے دِین کی، ہمیشہ ہمیشہ تا عمر اعانت کرتے رہنا ہے، یہیں سے معلوم ہوا کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی ذات کی اعانت مقصود ہوتی تو جملہ فعلیہ لاتے کہ فی الحال میری کون مدد کرتا ہے کہ جملہ فعلیہ میں حدوث ہوتا ہے، اب تو یہ مطلب ہوا کہ اب بھی اور میرے چلے جانے کے بعد یہ اعانت مستمر رکھنی ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک دُوسرے سے اعانت کا مطالبہ کرنا دُنیوی و دِینی میں خلافِ شرع نہیں ہے۔

قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ

"حواری" منتخب اللغات میں "سفید پوست" معنی لکھے ہیں، یا وہ تو سفید پوست تھے یا دھوبی تھے یا ازلاً متصف بنور الایمان تھے۔

"نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ" یہ جملہ اسمیہ ہے، مطلب یہ ہوگا کہ ہم استمرار اور ہمیشہ ہی اللہ کے دِین کی مدد کرتے رہیں گے، اور انصار کی نسبت اللہ کی طرف کرنا رضائے الٰہی کی طرف اشارہ ہے، ورنہ "نَحْنُ اَنْصَارُکَ" کہہ سکتے تھے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ دِین کی یا اور کسی کی بھی ہو محض رضائے الٰہی کے لئے مدد کرنا چاہئے۔

اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَاشْھَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ.

اس آیت میں ایمانِ قلبی اور اسلام ظاہری دونوں کا اقرار کیا ہے، معلوم ہوا کہ ظاہراً و باطناً دونوں طرح یقین کرنا چاہئے، یعنی تصدیق قلبی کے ساتھ اقرارِ لسانی بھی ہونا چاہئے، ورنہ جب تک وہ اپنے ایمان کا زبان سے اظہار نہ کرے عندالناس اس پر مؤمن و مسلم کا حکم نہ کیا جائے گا۔

"وَاشْھَدْ" اے نبی! تو گواہ ہوجا کہ ہم مسلمان ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اطاعت و فرماں برداری وہی معتبر ہے جس پر رسول کی گواہی ہو، یعنی وہ رسول کے

لائے ہوئے حکم کے ماتحت ہو، ورنہ غیر معتبر، اسی لئے جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمائے ہوئے اَحکام واحادیث کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں: ''کتاب اللہ کافی ہے'' وہ ہدایت نہیں پاسکتے، اور احادیث کے بغیر کتابُ اللہ کو نہیں سمجھ سکتے ہیں۔

''رَبَّنَا'' اے ہمارے رَبّ، بندہ اس وقت ''رَبّ'' کہہ کر خطاب کرتا ہے کہ جب وہ یقین کرلیتا ہے کہ میرا کوئی پالنے والا ہے اور ہر نعمت و حاجت روائی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتا ہے اور دیکھتا ہے، ان انعامات سے اپنے مالک کو پہچان کر ''رَبَّنَا'' کہتا ہے، یہ استدلال ''من الأثر الی المؤثر'' کہلاتا ہے، نعمتوں کو دیکھ کر منعم کا یقین کرلیتا ہے، اسی لئے توحید کو عقلی کہتے ہیں، بالفرض اگر انبیاء علیہم السلام نہ آتے تو اپنے خالق ومالک کی وحدانیت کا تسلیم کرنا عقلاً واجب تھا۔

''رَبَّنَا'' کو ''اٰمَنَّا'' پر مقدّم کیا، اس سے معلوم ہوا کہ ایمانِ عقلی ایمانِ شرعی پر مقدّم ہے، اور یہ بھی پتہ چلا کہ ایمانِ عقلی کافی نہیں ہے بلکہ ایمانِ شرعی ہونا ضروری ہے، لہٰذا اس سے حکماء کے عقیدے کا بطلان ہے جو عقلاً وحدانیت کو ایمان کہتے ہیں۔

''اٰمَنَّا'' کو ''بِمَآ اَنْزَلْتَ'' کے ساتھ مقید کیا کہ ہم اس پر ایمان لائے جو تو نے نازل کیا۔ معلوم ہوا کہ ایمانِ شرعی وہی معتبر ہے جو ''مَا اَنْزَلْتَ'' کے ساتھ مطابق ہو، اسی طرح تمام ''ما اُنزل الی الرسول'' پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔

پھر ''وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ'' بڑھایا، معلوم ہوا کہ ایمان لانے کے بعد اعمال بھی شرطِ ایمان ہیں، ''فَاکْتُبْنَا مَعَ الشّٰھِدِیْنَ'' پس ہم کو گواہوں میں سے لکھ لیجئے، اس سے معلوم ہوا کہ آدمی اپنے اعمال پر نہ پھولے، نہ فخر کرے کیونکہ دار و مدار عنداللہ مقبول ہونے پر ہے، اس لئے بندے کو عبادت کے بعد بھی خوب الحاح و زاری کرنی چاہئے، نیز شاہدین کی جماعت کی جستجو کرنا اور ان کے ساتھ رہنے کی دُعا کرنا چاہئے جیسے کہ فرمایا گیا ہے: ''وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ'' اور ''تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ'' اور ''اَلْحِقْنَا بِالصّٰلِحِیْنَ''۔

وَمَکَرُوْا وَمَکَرَ اللہُ، وَاللہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ.

''مکر'' کے معنی ہماری زبان میں جو لئے جاتے ہیں اس کے اعتبار سے ذرا شبہ ہوتا ہے کہ اللہ کے مکر کا کیا مطلب ہے، بات دراصل یہ ہے کہ ہر زبان میں بقرینۂ حال یا بقرینۂ مقال محلِ کلام جس معنی کو باعتبارِ حقیقت، مجاز، صریح، کنایہ، استعارہ، تشبیہ بتقدیر مقتضی ہو وہی معنی مراد لئے جاتے ہیں، مثلاً کوئی شخص کہے:

ہم نے تمہارے ساتھ کیا کیا
اور تم نے ہمارے ساتھ کیا کیا

پہلے مصرعہ میں ''کیا کیا'' سے سلوک، اور دُوسرے مصرعہ میں ''کیا کیا'' سے بدسلوکی مراد ہے، اور دلالت یہاں عقلی ہے۔

اسی طرح یہاں اس آیت میں دلالتِ عقلی سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے مکر کیا اور حق تعالیٰ نے ان کو مکر کی سزا دی۔

استدلال میں کبھی تو معلول بول کر علت مراد لیتے ہیں، جیسے کہتے ہیں: ''دن نکل آیا'' مراد آفتاب ہوتا ہے، کیونکہ آفتاب نکل آنا دن ہوجانے کی علت ہے، تو معلول یعنی ''دن'' بولا اور علت یعنی ''آفتاب'' مراد لیا۔

اسی طرح کبھی علت بول کر معلول مراد لیا کرتے ہیں، جیسے ''آفتاب سر پر آگیا'' مراد یہ کہ دوپہر ہوگئی، تو یہاں علت بول کر معلول مراد لیا ہے۔

اسی طرح آیت میں سزا معلول ہے اور جرم کرنا اس کی علت ہے، یعنی ان کا مکر، سو ''مکر اللہ'' میں مکر علت ہے اور مراد اس سے معلول ہے، یعنی مکر کی سزا دی گئی، اور چونکہ اس سزا کا جاری کرنا حاکمِ حقیقی اللہ جل شانہٗ کا کام ہے، یہ ادنیٰ ملابست ہے، سو حق تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت کردی، اس کو ''استعارہ فی الطرفین'' کہتے ہیں، دُوسرے مکر کے معنی خفیہ تدبیر کے بھی آتے ہیں، تو مطلب یہ ہوگا کہ کافروں نے اپنی خفیہ تدبیریں کیں اور اللہ تعالیٰ نے بھی بالحکمۃ تدبیر فرمائی کہ عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ

آسمان پر اُٹھالیا اور ان دُشمنوں کے سردار کو ان ہی سے قتل کرادیا، ''وَاللهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ''

اور اللہ تعالیٰ بہترین تدبیر فرمانے والے ہیں۔

اس آیت میں صفتِ مشاکلت ہے۔

صفتِ مشاکلت کی تعریف:۔ کسی لفظ کو معنی حقیقی میں استعمال کریں پھر اُلٹ کر اسی لفظ کو کسی دُوسرے معنی مجازی میں استعمال کریں، مثلاً اُستاذ بچے کو کھیلتا ہوا دیکھ کر کہے: ''بچہ تم کھیلے جاؤ، ہم بھی تم کو کیسا کھیل کھلاتے ہیں'' تو یہاں پہلے ''کھیل'' سے مراد کھیل کے حقیقی معنی مراد ہیں، دُوسرے ''کھیل'' سے مجازی معنی کھیل کی سزا مراد ہے۔

اسی طرح اس آیت میں ''مَکَرُوْا'' میں دغا وفریب مراد ہے، اور ''مَکَرَ اللہُ'' میں معنی مجازی مراد ہے۔

اس آیت میں صفتِ توریہ بھی ہے۔

صفتِ توریہ کی تعریف:۔ کوئی ایسا لفظ بولیں جس کے دو معنی ہوں، ایک مشہور، دُوسرے غیر مشہور، اور متکلم کی مراد یہ غیر مشہور معنی مقصود ہوں جیسے:

بستے ہیں تیرے سائے میں سب شیخ و برہمن
آباد ہے تجھ سے ہی تو گھر دیر و حرم کا

اب سائے کے حقیقی معنی تو دُھوپ کے مقابلے میں زیرِ مکاں سائے کے ہیں، اور مجازی معنی حمایت میں آنے کے لئے جاتے ہیں، اور یہ غیر مشہور ہیں، اس شعر میں شاعر نے غیر مشہور حمایت کے معنی ہی مراد لئے ہیں، اور چونکہ مشہور معنی کے مناسب کوئی لفظ مذکور نہیں اس لئے ایہامِ مجرد کہیں گے، اگر معنی مشہور کے مناسبات مذکور ہوتے تو ایہامِ ترشیح کہتے، اس کی یہ مثال ہوگی:

دِل جو دیکھا تو صنم خانے سے بدتر نکلا
لوگ کہتے ہیں کہ اس گھر میں خدا رہتا ہے

رہنے کے حقیقی معنی استقرار وسکونت کے مشہور معنی ہیں، اور دُوسرے متصرف

ہونا یہ غیر مشہور اور بعید معنی ہیں، اور یہاں شعر میں دُوسرے ہی معنی مراد ہیں۔

اسی طرح ''مکر اللہ'' میں مکر کے دو معنی ہیں، ایک تو مشہور وقریب حیلہ و فریب، دُوسرے مجازی اور بعید جرم بقرینۂ سزا یا بقرینۂ کفر تو یہ ایہام ترشیحیہ ہے۔

اسی طرح علمِ بدیع میں ایک صفت استخدام بھی ہے، وہ یہ کہ لفظ کے دو معنی ہوں، اس کے ایک معنی تو لفظ سے مراد لئے جاویں، اور جب اس کی طرف ضمیر راجع کریں تو دُوسرے معنی مراد لئے جاویں یا اس لفظ کی طرف دو ضمیریں راجع ہوں تو ایک ضمیر سے ایک معنی مراد لیویں اور دُوسری ضمیر سے دُوسرے معنی مراد لے لیں جیسے:

سایہ فگن ہو میں نے کہا ہم پہ او پَری
بولا کہ اس کے سائے سے پرہیز چاہئے

پَری کے دو معنی لئے جاتے ہیں، معشوق اور معروف مؤنث جن، تو یہاں پَری سے مراد معشوق ہے، اور اس کے سائے سے جنی مراد ہیں، اسی طرح ''مَکَرُوْا'' سے مراد فریب ہے، اور ''مَکَرَ اللہُ'' سے مراد اس کی سزا دینا ہے، ''وَمَکَرُوْا'' میں ضمیر غائب لائے بجائے خطاب ومتکلم کے، اس سے کافروں کی غایت تحقیر مراد ہے، گویا وہ خطاب وتکلم کے قابل ہی نہیں سمجھے گئے۔

اور ''مَکَرَ اللہُ'' میں اسم جلالہٗ لائے اور اسم ظاہر اس کی عظمتِ شان کے اظہار کے لئے لایا جاتا ہے، اس لئے ''مَکَرَ اللہُ'' کہا۔

اور ''مَکَرُوْا'' کی ضمیر لانے سے اشارہ کرنا ہے کہ کافروں کا مکر خفیہ ہی رہا، وہ ظاہر نہیں ہوا، اور اللہ جل شانہٗ کی تدبیر کا ظہور سارے عالم میں ہوگیا، اسی لئے اسم مظہر لائے۔

پھر یہ کلام دیکھو ہر قسم کے تنافر کلمات، تعقیدِ لفظی ومعنوی اور صفتِ تالیف سے خالی ہے، تو کس قدر فصاحت وبلاغت والا کلام ہے۔

(ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ)

اِعتکاف کی حکمتیں اور آداب

حکمت نمبر۱:- آیتِ کریمہ: "وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ" میں "فِي الْمَسَاجِدِ" کی تخصیص سے ایک حکمت کی طرف اشارہ ہے، وہ یہ ہے کہ مساجد کو اِعتکاف کے لئے اس لئے مقرّر کیا کہ من جملہ دیگر فضائل کے جماعت سے نماز پڑھنا بھی ایک فضیلت کی چیز ہے، اس طرح اِعتکاف اور جماعت سے نماز پڑھنا یہ دونوں فضیلتیں حاصل ہوجاتی ہیں، اگر صحراء یا دُکان یا کسی کوٹھری کو اِعتکاف کے لئے مقرّر فرمادیتے تو معتکف جماعت اور مسجد کی فضیلت سے محروم ہوجاتا۔

حکمت نمبر۲:- "فِي الْمَسَاجِدِ" کی تخصیص کرنے میں ایک لطیف اشارہ اس طرح بھی ہے کہ اے معتکفو! تم اس جماعت کی برکت کے محتاج ہو، اگر جماعت سے نماز پڑھنے والے یہ نمازی نہ ہوتے تو تم جماعت کی برکت سے محروم ہوجاتے، تو ساتھ ساتھ عجب کا بھی علاج ہوگیا، سبحان اللہ کیا اعتدال ہے، معتکف جب اپنے آپ کو ان برکات کا محتاج سمجھے گا تو تکبر پیدا نہ ہوگا، کیونکہ اس قسم کی خلوت وعبادت سے دُوسروں کو کم اور حقیر سمجھنے کا مرض پیدا ہوسکتا تھا، اس کا علاج اس طرح ہوگیا کہ جن کو حقیر سمجھتا ان ہی کی بدولت یہ جماعت کی فضیلت اور برکت حاصل ہوئی ہے، اگر جماعت اور مسجد کا انتظام نہ ہوتا تو سرے سے اِعتکاف ہی دُرست نہ ہوتا، لہٰذا یہ سوچ کر نمازیوں کی قدر کرے گا۔

حکمت نمبر۳:- معتکف کو یہ بھی ناز نہ ہوگا کہ میرے اِعتکاف میں بیٹھنے کی وجہ سے دُوسرے لوگ سبکدوش ہوئے، اگر میں اِعتکاف نہ کرتا تو سب گنہگار ہوتے،

بلکہ یوں سوچے گا کہ ان لوگوں کی وجہ سے مجھے جماعت بلکہ اِعتکاف کی فضیلت حاصل ہوئی اور انہی کی وجہ سے مجھے اِعتکاف کی اجازت ہوئی، اگر میرا اِعتکاف کرنا ان کی سبکدوشی کا سبب ہوا لیکن وہ سبکدوشی تو اسی اِعتکاف کا سبب ہے اور ان کی جماعت میرے اِعتکاف کا سبب ہے، اور سبب مؤثر ہوتا ہے تو اگرچہ اثر میں وہ میرے محتاج ہوئے مگر مؤثر میں، میں ان کا محتاج ہوں، اور یہ کبر و ناز کا پورا علاج ہے، سبحان اللہ کیا اچھا علاج ہے کہ پرہیز بھی ہے اور دوا بھی ہے۔

حکمت نمبر۴:- اسی طرح آیت میں لفظ "عَاکِفُوْنَ" بھی ایک حکمت پر دلالت کر رہا ہے، عُکُوف کے معنٰی حبس کے ہیں تو معلوم ہوا کہ اِعتکاف میں حبسِ نفس مقصود ہے، اس کا صلہ کبھی "عن" آتا ہے، کبھی "فی" یا "علیٰ" آتا ہے، اور صلہ کے بدلنے سے عکوف کے معنٰی میں کوئی فرق نہیں ہوتا کیونکہ کسی چیز میں رُکنا یا کسی چیز پر رُکنا، حاصل دونوں کا ایک ہی ہے، اس لحاظ سے "عَاکِفُوْنَ فِی الْمَسَاجِدِ" کے معنٰی یہ ہوئے عاکفون فی بیوت اللہ اور اللہ کے گھروں (مساجد) میں رُکنا کس غرض کے لئے ہے؟ ظاہر ہے اللہ کے لئے ہے، پس حقیقت وہ ہوئی جس کو امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے ؎

خسرو غریب است و گدا افتادہ در کوئے شما
شاید کہ روزے از کرم سوئے غریباں بنگری

جب اِعتکاف کی یہ حقیقت ہے جس کے لوازم میں سے عنایت کرنا ہے تو "عَاکِفُوْنَ" کے لفظ سے یہ بھی بتلا دیا کہ جب تم ہمارے دروازے پر آپڑو گے تو کیا ہم تم کو محروم کر دیں گے، نہیں، سو ایک حکمت یہ بھی ہوئی۔

حکمت نمبر۵:- ایک حکمت اِعتکاف کرنے میں یہ ہے کہ اس میں شبِ قدر کی تلاش ہے، یہ پانچ راتیں ہیں جن میں شبِ قدر ہونے کا احتمال ہے، سبحان اللہ "عَاکِفُوْنَ فِی الْمَسَاجِدِ" کو شبِ قدر کی تلاش کے لئے مسجد میں پہنچا دیا، بھلا گھر

میں اس کی فرصت کہاں؟

حکمت نمبر٦:- معتکف کو مسجد میں اس لئے لایا گیا کہ شبِ قدر کی تلاش سہل ہو، کیونکہ مسجد میں نمازی آجاتے ہیں، وہ بھی جاگتے ہیں تو سب ایک ہی کام میں مشغول ہوں گے تو دِل بھی لگے گا۔

حکمت نمبر٧:- شبِ قدر طاق راتوں میں رکھنے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ایک رات سوجاؤ، ایک رات جاگ کر عبادت کرو، پھر تاریخ معین نہیں کی تاکہ پانچ رات جاگتا رہے، سبحان اللہ، ایک رات سلایا، ایک رات جگایا، پھر جس رات سلایا تو وہ اگلی رات شبِ قدر میں جاگنے کے لئے ہوا تو سونے میں بھی جاگنے کی نیت رہی، سو سونے میں بھی جاگنے کا ثواب دیا، اس طرح دسوں راتوں کا ثواب ہوا، سبحان اللہ۔

حکمت نمبر٨:- قلّتِ اختلاط مع الانام (یعنی لوگوں سے کم ملنا جلنا) ایک مجاہدۂ شرعیہ ہے جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کی ملاقات و تعلقات سے جو گناہ ہوجاتے ہیں معتکف محفوظ رہتا ہے، سو قلّتِ اختلاط مع الانام کی، یہ اِعتکاف ایسی صورت ہے کہ کوئی صاحبِ ریاضت اس کی نظیر نہیں دِکھلاسکتا، اِعتکاف میں نہ وہ غوائل (ہلاکتیں اور خرابیاں) ہیں جو خلوَتِ محضہ میں ہیں، اور نہ وہ غوائل ہیں جو صرف اختلاط میں ہیں، کیونکہ معتکف خلوَت میں بھی ہے، اور جلوَت میں بھی ہے، دونوں کا جامع ہے، اسی کو خلوَت و انجمن کہتے ہیں۔

حکمت نمبر٩:- اہلِ اختلاط (یعنی جو علمائے سلف تنہائی اختیار کرنے پر مخلوقات سے ملنے جلنے کو ترجیح دیتے ہیں) انہوں نے عزلت (یعنی تنہائی میں رہنے میں) ایک یہ خرابی بتلائی ہے کہ اس کی وجہ سے تعلیم و تعلّم کا باب بند ہوجاتا ہے، سو اِعتکاف میں یہ خرابی نہیں کیونکہ معتکف کو تعلیم و تعلّم سے منع نہیں کیا گیا، اور اِعتکاف چونکہ مسجد میں ہوتا ہے یہاں اہلِ علم آتے رہتے ہیں اور دِین کی باتیں ہوتی رہتی ہیں،

اس لئے معتکف کو تعلیم وتعلّم کا موقع بھی حاصل ہے۔

حکمت نمبر۱۰:- عزلت (تنہائی) میں ایک خرابی یہ تھی کہ نمازِ باجماعت کے ثواب سے محروم رہتا ہے، اِعتکاف میں یہ بھی نہیں کیونکہ اِعتکاف کے لئے مسجدِ جماعت شرط ہے، معتکف سے زیادہ نماز باجماعت کا ثواب اور کسی کو مل ہی نہیں سکتا، وہ تو ہر نماز میں تکبیرِ اُولیٰ کو پاتا ہے اور ہر وقت جماعت کے انتظار میں رہتا ہے اور انتظارِ جماعت کا ثواب بھی جماعت کے برابر ہے۔

حکمت نمبر۱۱:- عزلت میں ایک خرابی یہ ہوتی ہے کہ بزرگوں کے فیض سے محروم ہوجاتا ہے، اِعتکاف اس سے بھی منزّہ ہے، کیونکہ معتکف پانچوں وقت نمازیوں سے ملتا ہے جن میں بعض اللہ کے ولی بھی ہوتے ہیں۔

حکمت نمبر۱۲:- عزلت میں ایک خرابی یہ ہوتی ہے کہ اپنے اعمال ہی پیشِ نظر ہوتے ہیں، جس سے کبر وعجب کا اندیشہ ہوتا ہے، اختلاط میں اپنے سے افضل لوگوں کے اعمال بھی پیشِ نظر ہوتے ہیں، تو ان کو دیکھ کر تواضع پیدا ہوتی ہے، اِعتکاف میں یہ غائلہ بھی نہیں، کیونکہ مسجد میں نماز کے لئے بہت لوگ آتے ہیں، جن میں بعض لوگ بہت عبادت کرنے والے ہوتے ہیں، معتکف کی نظر ان پر پڑتی ہے تو کبر وعجب پیدا نہیں ہوتا۔

حکمت نمبر۱۳:- عزلت میں ایک خرابی یہ ہوتی ہے کہ شہرت ہوجاتی ہے، اِعتکاف میں یہ بھی نہیں کیونکہ معتکف کسی پہاڑ کی کھو میں نہیں بیٹھتا جس سے شہرت ہو، بلکہ بستی کی مسجد میں بیٹھتا ہے جہاں سب سے ملاقات ہوتی رہتی ہے، اور اس کو عرفاً گوشہ نشینی اور عزلت گزینی شمار نہیں کیا جاتا، اس لئے معتکف کی شہرت بھی نہیں ہوتی، ہر سال بیسیوں آدمی اِعتکاف کرتے ہیں، کوئی بزرگ شمار نہیں ہوتا۔

حکمت نمبر۱۴:- اب دُوسرا پہلو ملاحظہ فرمائیں، بعض علماء ''اختلاط مع الانام'' یعنی لوگوں سے ملنے جلنے میں دِین کی بہت خرابیاں بتاتے ہیں، اس لئے

عزلت کو ترجیح دیتے ہیں، سو اِعتکاف ان خرابیوں سے بھی خالی ہے، بالکل اعتدال کی راہ ہے۔

اختلاط میں ایک خرابی یہ ہوتی ہے کہ بعض دفعہ شریر لوگوں کی صحبت ہوجاتی ہے اور اَشرار کی صحبت سے دِین کا ضرر ہوتا ہے، معتکف اس سے محفوظ رہتا ہے کیونکہ اَشرار مسجد میں آتے ہی نہیں، نمازی آتے ہیں اور نمازی اکثر نیک ہوتے ہیں اور اگر کوئی ایسا ویسا ہو بھی تو نماز کے وقت وہ بھی نیک ہوجاتے ہیں، اس لئے ان کی صحبت اب بھی مضر نہیں، اور نماز کے بعد ایسے لوگ ٹھہرتے نہیں ہیں تو صرف نماز پڑھنے کے وقت تک صحبت رہتی ہے وہ بھی اَشرار کے شر سے خالی، تو مضر بھی نہیں ہوتی۔

حکمت نمبر ۱۵:- ایک مفسدہ اختلاط میں یہ ہوتا ہے کہ اختلاط میں وقت ضائع ہوجاتا ہے، باتیں کرنے میں لغو بات بھی ہوجاتی ہے، معتکف اس سے بھی محفوظ ہوتا ہے کیونکہ اس کے پاس ایسی باتیں کرنے والے نہیں آتے اور نماز پڑھ لینے کے بعد کوئی نہیں ٹھہرتا، دوست احباب بھی گھر ہی ملنے آتے ہیں، مسجد میں کوئی نہیں آتا، اس لئے معتکف کو باتیں بنانے کا موقع کم ملتا ہے، لہٰذا کثرتِ کلام کے غوائل سے محفوظ رہتا ہے اور ذکر وفکر اور تلاوت کے لئے اس کو کافی وقت ملتا ہے۔

حکمت نمبر ۱۶:- اختلاط میں ایک مفسدہ یہ ہے کہ اس میں نگاہ کی حفاظت نہیں ہوتی، معتکف اس سے بھی محفوظ رہتا ہے، اس کے پاس کوئی نامحرَم عورت نہیں آتی، اور مسجد میں اَمارِد (یعنی بے ریش لڑکے) بھی کم آتے ہیں اور جو آتے ہیں وہ نماز کے بعد بھاگ جاتے ہیں، الغرض معتکف کو ان سے اختلاط نہیں ہوتا جس سے اِعتکاف ضائع ہو، یا دوستی دُشمنی پیدا ہو اور مزا یہ کہ نماز کے وقت نمازی ہی معتکف سے ملنے آتے ہیں یہ کسی سے ملنے نہیں جاتا، غیر نمازی کو بھی ملنا ہو تو وہی اس کے پاس آئے گا، یہ خوب آزاد رہتا ہے، اس کی مخلوق سے آزادی کی یہ حالت ہوتی ہے ؂

نہ براشترم سوارم نہ چواشتر زیر بارم

نہ خداوندِ رعیت نہ غلامِ شہر یارم

حکمت نمبر۱۷:- اِعتکاف میں عبدیت زیادہ ہے، لوگ تو کھانے کمانے، سیر وتفریح میں ہوتے ہیں، معتکف اپنے آقا ومولا کے در پر پڑا رہتا ہے اور زبانِ حال سے یہ کہتا ہے ؎

خسرو غریب است وگدا افتادہ در کوئے شما

شاید کہ روزئے از کرم سوئے غریباں بنگری

اگر معتکفین اس شعر کو متحضر رکھیں تو اِعتکاف میں ایک خاص کیفیت حاصل ہوگی، گاہے گاہے پڑھ لیا کریں تو اور اچھا ہے، یہ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے، وہ کہتے ہیں: خسرو ایک دُور افتادہ مسافر ہے، نادار فقیر اور سائل ہے، اے مولائے کریم! آپ کے در پر سر رکھ کر پڑ گیا ہے، آسرا لگائے ہوئے ہے کہ کسی وقت آپ کی نظرِ کرم ہوجائے اور لطف وکرم کی نگاہ سے دیکھ لیں تو التجا پوری ہوجائے، دونوں جہان سدھر جائیں۔

حکمت نمبر۱۸:- اِعتکاف میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تمام معاصی کے چھوڑنے کا ثواب ملتا ہے، گو وہ اس کے ذہن میں بھی نہ ہوں اور ان کے ترک کرنے کا قصد بھی نہ کیا ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ھو یعتکف الذنوب" اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اسی جملے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا: "ویجری لہ کعامل الحسنات کلھا" یعنی جن نیکیوں پر یہ قادر تھا اور اِعتکاف کی وجہ سے نہ کرسکا گو اس نے ان نیکیوں کے کرنے کی نیت بھی نہ کی ہو، تمام نیکیوں کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے، گو اور دلیل اس عموم کی "الحسنات کلھا" ہے اور یہ عام ہے سب نیکیوں کو تو جب معتکف کے لئے تمام نیکیوں کا ثواب لکھا جاتا ہے گو اس نے ان کے کرنے کی

نیت بھی نہ کی ہو، اسی طرح تمام گناہوں سے بچنے کا ثواب بھی لکھا جائے گا گو اس نے ان سے بچنے کی نیت بھی نہ کی ہو، سبحان اللہ۔

ہر طرف حسنِ ضیاء بار ہے اللہ اللہ
پھر بھی دِل تِشنۂ دیدار ہے اللہ اللہ
یاد رکھنا تو انہیں سہل نہیں ہے لیکن
بھول جانا بھی تو دُشوار ہے اللہ اللہ
یہ کھلا راز محبت میں فنا ہونے پر
کون اب کس کا طلب گار ہے اللہ اللہ

اِعتکاف کی رُوح

اِعتکاف کی رُوح خلوَت ہے جو مجاہدہ کا ایک جزو ہے، کیونکہ مجاہدہ کی حقیقت قلّتِ کلام، قلّتِ طعام، قلّتِ منام اور قلّتِ اختلاط مع الانام ہے، تو قلّتِ اختلاط اِعتکاف میں موجود ہے اور اس میں اعتدال ہے، آیتِ کریمہ: "وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ" سے معلوم ہوتا ہے کہ اِعتکاف میں زیادہ مقصود توجہ الی اللہ ہے اور اس کو آسان کرنے والی محبت ہے ۔

"از محبت تلخہا شیریں شوذ"

یعنی محبت سے بہت سی تلخیاں اور راہ کی دُشواریاں آسان ہوجاتی ہیں، اور مخلوق کی محبت توجہ الی اللہ سے مانع ہوتی ہے، لہٰذا "وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ" فرما کر اسی حبِ خلق سے بچایا ہے، کیونکہ بیوی سے مشغول ہونے میں طبعی نشاط کی وجہ سے اس کی طرف اس قدر توجہ ہوتی ہے کہ پھر دُوسری طرف نہیں رہتی، سو اگر مباشرت کی اجازت ہوتی تو زمانۂ اِعتکاف میں ایک زمانہ ایسا ہوتا کہ مخلوق کی طرف توجہ قوی ہوجاتی اور خالق سے غفلت ہوجاتی اور غیرتِ حق اس کو گوارا نہیں کرتی کہ ہمارا حاضر باش

درباری ہوکر کسی اور طرف توجہ کرے، بَرخلاف کھانے پینے کے گوان کی طرف توجہ ہے لیکن اتنی مستی سوار نہیں ہوتی کہ کچھ یاد نہ کرے۔

اِعتکاف کی رُوح الارواح

یاد رکھئے! خلوَت اِعتکاف کی رُوح ہے اور ذکر اللہ رُوح الارواح ہے، کیونکہ یہ حقیقتِ مذکورہ خود ذکر اللہ پر دلالت کرتی ہے، اس لئے کہ جس کے کوچہ میں سب کچھ چھوڑ کر جا پڑیں گے، کیا اس کو دِل سے بھلا سکتے ہیں، سو اس کی یاد ضرور ہوئی اور یہی حاصل ہے ''لا اِلٰہ اِلَّا اللہ'' کا، سو لفظ ''عَاکِفُوْنَ'' میں یہ بتلا دیا کہ اِعتکاف میں اسی مقصود ''لا اِلٰہ اِلَّا اللہ'' کی طرف توجہ رہے۔

اور ''لا اِلٰہ اِلَّا اللہ'' کی حقیقت فنائے محض ہے، یعنی اَحکامِ الٰہی کے سامنے اپنے وہ تمام ارادے اور خواہشات جو اس کلمہ کے خلاف ہیں چھوڑ کر امتثالِ اَمرِ الٰہی ہوجائے اور اس کی یاد دِل میں جم جائے، اس نیت سے اگر اِعتکاف کیا جائے تو واقعی وہ معتکف ہے۔

اِعتکاف کے آداب

اِعتکاف کے آداب میں سے یہ ہے کہ وہاں ثواب اور نیکیوں کی باتیں کرے، خدا تعالیٰ ہمت دیں تو پورے عشرۂ اخیرہ رمضان کا اِعتکافِ مسنون ادا کرنے کی کوشش کریں اور حتی الوسع افضل المساجد میں اِعتکاف کیا جائے، اپنے شہر میں جس مسجد میں جمعہ ادا کیا جاتا ہے شہر کی وہی افضل المساجد ہے، سفرِ حجاز میں اوّل بیت اللہ شریف، پھر مسجدِ نبوی افضل ہیں۔

اپنی طاقت کے مطابق معتکف اپنے اوقات عبادتِ الٰہی میں صَرف کرے، مثلاً نوافل پڑھے، تلاوتِ کلامِ پاک کرے، تفسیر اور حدیث یا ان کی شرح کی کتابیں دیکھے، علمِ دِین کی صحیح مستند کتابیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ

مبارک، حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام کے صحیح واقعات، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ائمہ عظامؒ، اولیاء کرامؒ کے حالات و حکایات ان کے اقوال و ملفوظات اور دیگر نصیحت آمیز کتابیں اور مسائلِ شرعیہ کی کتابیں پڑھے پڑھائے، سنے اور سنائے اور جو بات سمجھ میں نہ آئے کسی اچھے عالم سے اس کا مطلب دریافت کرالے، بلکہ جو کتاب بھی مطالعہ کرے کسی اچھے عالم سے دریافت کرلے، یا اس کو دِکھلالے تاکہ بجائے فائدہ کے نقصان نہ ہو، کیونکہ آج کل ایسی واہیات کتابیں اور رسالے بھی چھپ گئے ہیں کہ آدمی کو دِین ہی سے نفرت ہوجاتی ہے، اختلافی مسائل کی کتابیں بھی حتی الوسع نہ پڑھے، ان کو عالموں کے لئے سمجھے، ہاں فضائل کی کتابوں کا معمول بنائے۔

اذکارِ مسنونہ پڑھے، جتنی تسبیح بآسان پڑھ سکے سب بہتر ہیں، مثلاً تسبیحات یہ ہیں: "سُبْحَانَ اللهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَللهُ اَکْبَرُ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ" اِستغفار جو یاد ہو وہی پڑھا کرے مثلاً: "اَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْهِ" یا "رَبِّ اغْفِرْ لِیْ" یا "رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرَّاحِمِیْنَ" یا "اَسْتَغْفِرُ اللهَ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ" یا سیّدالاستغفار یعنی سب اِستغفاروں کا سردار جس کی فضیلت یہ ہے کہ اگر کوئی ایک مرتبہ یقین کے ساتھ صبح پڑھ لے اور شام سے پہلے اس کا انتقال ہوجائے تو وہ جنت میں داخل ہو، اور جو ایک مرتبہ شام کو پڑھے اور صبحِ صادق ہونے سے پہلے اس کا انتقال ہوجائے تو وہ جنت میں داخل ہو، وہ سیّد الاستغفار یہ ہے: "اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُکَ وَاَنَا عَلٰی عَهْدِکَ وَوَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ وَاَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ"۔

اگر والدین اور تمام مسلمانوں کے لئے اِستغفار کرنا چاہے تو یہ دُعا بھی

کلامِ پاک میں آئی ہے۔ لیکن یہ دھیان رہے کہ جو ذکر بھی کرنا ہو بالخصوص اِستغفار تو دھیان اور توجہ کے ساتھ کرے، کم از کم یہ خیال تو کرلے کہ میں اللہ میاں سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہا ہوں، اس کے علاوہ دُرود شریف کثرت سے پڑھے، صلوٰۃ التسبیح کا بہت ثواب ہے، اس کے پڑھنے سے دس قسم کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، کم از کم ایک مرتبہ روزانہ پڑھ لیا کرے، پانچوں وقت تکبیرِ اُولیٰ کے ساتھ نماز باجماعت ادا کرے، اِشراق کی نماز دو یا چار رکعت نفل، چاشت کی دو یا چار یا آٹھ رکعت نفل، زوال کے بعد چار رکعت سُننِ زوال پڑھے، یہ ظہر کی سنتوں کے علاوہ ہیں، اور مغرب کے بعد چھ رکعت اَوّابین کی پڑھے، ان تمام نوافل کا بہت ثواب احادیث میں آیا ہے، عصر کے فرضوں سے فارغ ہوکر مغرب تک ذکر اللہ میں مشغول رہے، جیسے صبح کی نمازِ فجر پڑھ کر اِشراق تک ذکر اللہ میں مشغول ہونے کا خاص وقت ہے، تہجد پڑھے جو دو رکعت سے لے کر بارہ رکعت تک ہیں، نیت خواہ نفل کی کرے یا سنت کی نیت کرے، دونوں طرح دُرست ہے، شبِ قدر کی پانچوں راتوں میں جاگ کر عبادت کرنے کی پوری کوشش کرے، اپنے اور والدین، اعزّہ اقارب اور جملہ مسلمانانِ عالم کے لئے دُعا کرے، ایک وقت مقرّر کرکے ''مناجاتِ مقبول'' مرتبہ حضرت حکیم الاُمت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، کی ایک منزل روزانہ پڑھ لیا کرے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن و حدیث میں سے بہت اچھی اچھی دُعائیں اس کتاب میں جمع کردی ہیں، ایسی ایسی عمدہ دُعائیں ہیں کہ ہم تو خیال میں بھی نہیں لاسکتے اور سب مستند دُعائیں ہیں، پھر جب اللہ پاک نے خود دُعا کا مضمون سکھایا ہو اس کی قبولیت میں کیا شبہ ہوسکتا ہے، سردارِ انبیاء حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر دُعائیں کون مانگ سکتا ہے، وہ دُعائیں آپ کو اسی ''مناجاتِ مقبول'' میں یکجا ملیں گی۔

اور جب بھی کوئی عبادت اور ذکر کرے، اتنی دیر تو کرے کہ اپنے کو کچھ

مشقت ہونے لگے، ہاں اتنا زیادہ بھی نہ کرے کہ طبیعت ملول ہوجائے اور آئندہ بالکل ہی چھوڑ دے، تھوڑا ہو مگر ہمیشہ کرتا رہے وہ بہتر ہوتا ہے۔

اپنے شیخ کے تعلیم کردہ اوراد و وظائف بجا لائے، کسی کو نماز اور قرآن سنا کر صحیح کرے، اپنی عمر کو بہت تھوڑی تصوّر کرکے جو کچھ عمل ہوجائے غنیمت جانے، لیکن ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہونی چاہئے۔

اِعتکاف میں پردہ ڈالنا

اِعتکاف میں پردہ ڈالنا اور نہ ڈالنا دونوں طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، چنانچہ ''جمع الفوائد'' جلد اوّل ص:۴۳۴ پر حدیث کے لفظ یہ ہیں: ''اعتکف فی قبة ترکیة علیٰ سدتها حصیر'' یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ترکی قبہ میں اِعتکاف فرمایا جس کے دروازے پر چٹائی کھڑی کر رکھی تھی، اس روایت سے پردہ کا ثبوت ہوتا ہے۔ دُوسری روایت ''جمع الفوائد'' جلد اوّل ص:۴۳۳ پر اس طرح ہے (ابنِ عمرؓ): ''ان النبی صلی اللہ علیه وسلم کان اذا اعتکف طرح له فراشه ویوضع له سریره وراء اسطوانة التوبة'' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ کے لئے تخت و فرش کو اسطوانۂ توبہ کے پیچھے جنت کی کیاری میں بچھا دیتے تھے، اس میں تخت و فرش کا ذکر ہے اور پردہ کا ذکر نہیں ہے، لہٰذا معتکف اپنے نفس کو دیکھے اگر پردہ ڈالنے سے عجب اور کبر پیدا ہونے کا یا ریاکاری کا خطرہ ہو تو پردہ نہ ڈالے تاکہ خواہ مخواہ ظاہری صورت سے یہ ناجائز اَمراض پیدا ہوں اور عبادت خراب ہوجائے اور اگر اس واہمہ کے پیدا ہونے کا خطرہ نہ ہو بلکہ یکسوئی کی خاطر پردہ ڈالے تو یہ بہتر ہے، اور اس طرح کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں کہ سونے لیٹنے کے وقت یا مخصوص اوقات میں تو پردہ ڈال لے، جب ضرورت نہ سمجھے ہٹادے، البتہ فرض نماز جماعت سے ہونے لگے اور اِعتکاف کی جگہ ایسی ہے کہ پردہ پڑا رہنے سے جماعت میں خلا رہ

جائے گا یا نمازی کو اگلی صف کے ثواب سے محرومی ہو جائے گی تو بستره اور پردہ دونوں اُٹھادینے چاہئیں، اس جگہ کو اس طرح محبوس نہ کرے کہ نماز کے وقت دُوسرے کو تکلیف ہو، بلکہ دُوسروں کی راحت کا خیال رکھنا چاہئے، یہ بھی عبادت ہے۔ ہاں کوئی بڑی مسجد ہو اور نمازیوں کو تکلیف نہ ہو یا کسی ایک کونے میں ہو تو پردہ ہر وقت پڑا رہنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

(ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ)

تصوّف کی باتیں
ذکر و فکر

ذکرِ الٰہی خواہ غفلت سے ہو، مگر نہ کرنے سے بدرجہا بہتر ہے، اس لئے کہ غفلت کے وقت گو دِل ساتھ نہیں ہے، مگر زبان تو ذکر کر رہی ہے، اور زبان جہنم کی آگ سے بچ گئی تو اس کے ساتھ تمام جسم بچ رہے گا، کیونکہ وہ جسم کے ساتھ لگی ہوئی ہے، کوشش یہی کرے کہ ذکرِ بیداری نصیب ہو جائے۔

ذکرِ بیداری:- جس میں غفلت نہ ہو، ذکر کی طرف توجہ اور دھیان رہے۔

ذکرِ حضوری:- جس طرح دیکھنا آنکھ کی صفتِ لازمہ ہے، اس طرح ذکر قلب کی صفتِ لازمہ ہو جائے، اور ذاکر کو اپنا ذاکر ہونا مستحضر رہے۔

ذکرِ شہودی:- جس میں مذکور (یعنی ذاتِ باری تعالیٰ) کے سوا سب سے ذہول ہو جائے۔

ذکر کرنے میں تین فضیلتیں تو ظاہر ہیں:-

۱- ذکر کی توفیق ہوگئی۔

۲- تیرا نام ذاکرین میں لکھا جائے گا۔

۳- ملأ اعلیٰ میں تیرا ذکر ہوگا۔

یہ تو ذکر ہوا، اور فکر کیا ہے؟

فکر کہتے ہیں سوچنے کو، سو اللہ کی صفات میں غور کرو، اور اپنے عیوب دیکھ،

طاعت کا ثواب اور معاصی کے عذاب کو سوچ، اللہ کی نعمتوں اور اس کے احسانات کو سوچا کر، دُنیا کے فنا ہونے کو سوچ، یہ فکر قلب کا چراغ ہے، ورنہ پھر اندھیری کوٹھڑی ہے۔

سالک کون ہے؟ مصنوعات میں غور و فکر کرنے، صانع اور اس کے خالق کی طرف پہنچنے والا۔

مثال کے طور پر جب یہ دیکھا کہ مخلوق گناہ کرتی ہے مگر جلدی سزا نہیں ہوتی تو اس سے قلب کو یہ مشاہدہ ہو جائے کہ واقعی اللہ کی ذات بڑی حلیم اپنی حلم والی ہے، یہ اس کی صفتِ حلم کا مظاہرہ ہے۔

اسی طرح یہ سوچنا کہ یہ مخلوق موجودہ ہے تو ضرور اس کا خالق بھی ہے، جب اثر ظاہر ہے تو مؤثر بھی ضرور ہے، گویا مخلوق میں سیر کرتا ہوا خالق کے ہونے پر استدلال کرے، یہ سالک ہے۔

غور کرتے کرتے جب تجھ کو یقین آجائے کہ واقعی دُنیا فانی، باطل اور دارِ غرور ہے تو پھر اللہ اور اس کے رسول نے جو آخرت میں وعدے کئے ہیں ان پر یقین کامل ہو جائے گا، ایسا یقین جیسا کہ آنکھ نے دیکھ لیا، مگر فکر چاہئے۔

خدائے تعالیٰ نے دُنیا کو کدورتوں کا گھر اسی لئے بنایا ہے کہ تجھے اس سے بے رغبت کرے، معلوم ہے کہ انسان کو صرف نصیحت کافی نہیں، اس لئے دُنیا مذموم سے ہٹانے کے لئے مصائب لگائے اور تو سمجھ لے کہ دُنیا زیب و زینت ہے، انجام کچھ نہیں، یہاں کا عمدہ سے عمدہ کھانا نظر کو لبھاتا ہے، مگر انجام کار نفرت کے لائق ہو جاتا ہے۔

کبھی فاقہ آتا ہے تاکہ تجھے بتلا دیا جائے اصل میں تو حاجت مند پیدا ہوا ہے، اس اصلیت کا اظہار ہے تاکہ تجھ میں احتیاج اور عاجزی آجائے۔

اگر تو عزّت ہی چاہتا ہے تو فانی عزّت اختیار نہ کر، مولائے کریم کو چھوڑ کر عزّت ملی تو اُسے موت ختم کر دے گی، ہاں! آخرت کی عزّت حاصل کر وہ ساتھ رہے گی۔

فکر یہ ہو کہ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرماں بردار رہے، اور دھیان رکھے کہ حکمِ الٰہی کی تعمیل میں یہ نفس رُکاوٹ نہ ڈالے یا کسی معصیت میں مبتلا نہ کردے، یا نعمت ملنے پر بجائے شکر کے فخر و غرور میں مبتلا نہ کردے۔

لوگ تیری تعریف کریں مگر تو اپنے عیبوں کو سوچ کر اپنے کو بُرا جان، لوگوں کے خیالی اوصاف سن کر اپنے یقینی عیوب کا خیال نہ چھوڑ، جیسے کوئی شخص یوں کہے کہ جناب! آپ کے شکم مبارک سے جو چیز بوقتِ فراغت باہر نکلتی ہے اس میں مشک کی سی خوشبو مہکتی ہے، اور یہ سن کر وہ خوش ہو، یہ ذکر و فکر ہونا چاہئے، جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم سے ذکر و فکر نہیں ہوسکتا، یہ دُنیا کے دھندے ایسے ہیں کہ ہم کر ہی نہیں سکتے یا دُوسرے ذاکر و فاکر کو دیکھ کر کہ ان کی حالت دُرست نہیں ہوتی اور اپنے لئے بھی یہی اندازہ لگالیں، خدائے تعالیٰ کی قدرت پر دھبہ لگانا ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، تو چل کر تو دیکھ، اور حق تعالیٰ سے دُعا کر۔

پھر عطا میں دیر ہو تو دِلگیر نہ ہو کیونکہ حق تعالیٰ اِجابتِ دُعا میں اس بات کا کفیل ہوتا ہے کہ وہ جو تیرے لئے پسند کرے عطا کرے، نہ کہ جو تو پسند کرے، اور جب وہ چاہے دے گا، نہ کہ جب تو چاہے، اگر دُعا سے تیرے قلب میں محتاجگی اور ذِلت آجائے تو حق تعالیٰ کا بڑا اِنعام ہے، تیرا حال ہمہ وقت ایسا رہے جیسے ڈُوبتے ہوئے کو خدا کے سوا کسی کا سہارا نہ ہو، یا بیابان جنگل میں ساتھی نہ ہوں اور کوئی موذی آجائے تو بے قرار ہوکر اللہ کو یاد کرتا ہے، بس یہی حال رہنا چاہئے، دُعا و تدبیر کرلینے کے بعد خدا تعالیٰ جس حال میں رکھیں اسی میں راضی رہ، اپنی تجویز رہنے دے، ہاں! دُعا کے ساتھ تدبیر اختیار کرنا مسنون ہے۔

جب خدائے تعالیٰ نے کسی ظاہری اسباب مثلاً تجارت و ملازمت میں لگا رکھا ہے اور اَحکام کی ادائیگی بھی دے رکھی ہے تو ایسے وقت ظاہری اسباب چھوڑنے کی خواہش مذموم ہے، کیونکہ نفس کو عبادتِ نافلہ میں لگا کر بزرگ اور ولی بننے کی طرف

رغبت دِلائے گا کہ میں مقتداء ہوجاؤں، یادرکھ! جو کچھ ہے اس سے بھی جاتا رہے گا۔

جو شغل شرع کے موافق ہو اس میں لگا رہ، ورنہ اس کے ترک میں ایسی پریشانی ہوگی کہ خلافِ شرع کام کرے گا، ہاں! تدبیر پر بھروسہ نہ کرے بلکہ تقدیرِ خداوندی پر نظر کرے، اور شرع کے موافق جو بے اختیاری اُمور پیش آئیں سب پر رضا وتسلیم سے کام لے۔

جب صبح ہوتی ہے تو نادان کہتا ہے: دیکھو! آج کیا ہوگا؟ مگر دانش مند کہتا ہے کہ: دیکھو! آج اللہ کا کیا حکم ہوتا ہے؟

جب تک دُنیا میں ہے کدورتوں کے آنے کو عجیب خیال نہ کر، کیونکہ دُنیا کا حاصل یہی ہے، اگر آیا تو کیا ہوا، تو اللہ کے حکم اور اِذن کو دیکھ۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ. (التغابن:۱۱)

یہ سمجھنا کہ مصیبت میں اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہم سے جدا ہوگی، نادانی ہے۔

جو کچھ حق تعالیٰ مؤمن کو دُنیا میں دینا چاہتے ہیں، دُنیا میں اتنی جگہ نہیں ہے، اس لئے جزاء دینے کو آخرت مقرّر کی ہے، پھر فنا کی جگہ دینے سے بقا نہ ہوگی۔

سوچ! جب دیا تو جود و کرم کا مشاہدہ کرایا، نہ دیا تو صفتِ قہر آئی، یہی معرفت ہے، یہ سوچ کر کہ بسااوقات لذاتِ دُنیا سے محروم کردیتے ہیں مگر اپنی عبادت میں لگائے رکھتے ہیں اور بقلت دُنیا دیتے ہیں مگر عبادت کی لذّت سے محروم کردیتے ہیں، مخلوق کا دینا حرمان ہے کیونکہ مخلوق کی طرف نظر جاتی ہے اور حق تعالیٰ کا نہ دینا بھی احسان ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف توجہ ہوتی ہے۔

سوچ! کتنی دفعہ اس نے اپنی اطاعت کا دروازہ کھولا مگر تو نے تکبر میں آکر اُسے بند کردیا، اور بعض دفعہ گناہ ہوا مگر وہ دربارِ خداوندی میں جانے کا ذریعہ بن گیا، فکر پیدا کر۔

جب اس نے اپنی مخلوق سے متوحش و بے گانہ بے یار و مددگار کیا اور تیرا دِل

مخلوق سے اُٹھ گیا، سمجھ لے اب وہ اپنا اُنس نصیب کریں گے، اس موقع کو ضائع نہ کر۔

تجھے خلقت سے اس لئے اذیت پہنچوائی کہ تیرا دِل دُنیا اور دُنیا والوں سے تسکین نہ لے، رَبّ کی طرف چلے۔

یہ بات فکر میں لا کہ جب شیطان تجھ سے غافل نہیں وہ دُشمن ہے، تو تُو بھی خدا سے غافل نہ رہ کہ وہی نجات دِلانے والا ہے، اور یہ شہوتیں تیرے پیچھے اس لئے لگائیں تاکہ مولا سے بے قراری کے ساتھ دُعا کرے۔

فکر:- جو چیزیں تیری نہیں دُوسرے کی ہیں وہ تجھ پر حرام ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفتیں اس کی مخلوق میں ماننا بھی حرام ہے۔

جب تیرے اندر کبر ہو تو اس کی صفتِ کبریائی کو سوچ کر اور اگر تیرے اندر تیزی ہے تو اس کی صفتِ حلم کو سوچا کر، صفاتِ نفس کا علاج اسمائے الٰہی میں غور کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے کو پردے میں کرلیا مگر اپنی صفات مخلوقات میں ظاہر کرکے اپنا مشاہدہ کرادیا، کسی مخلوق کو عزّت ہے تو اس کی صفتِ معزّ کا مظہر ہے، کسی پر ذِلت ہے تو اس کی صفتِ مذل کا مظہر ہے۔

سمجھانے کو کہہ دیتے ہیں کہ اللہ پردے میں ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ حجاب میں نہیں ہے کیونکہ حجابِ محدود اس غیر محدود ہستی کو کیسے محاط ہوسکتا ہے ہاں! تجھ پر اے انسان! تیری غفلت اور خواہشات کا پردہ ہے، معلومات کرکے ان اپنے پردوں کو مٹا، تجھے مشاہدہ ہوجائے گا۔

بڑا تعجب ہے تو جس سے کسی طرح جدا نہیں ہوسکتا تو اس سے بھاگتا ہے، اور جس کے ساتھ تجھے رہنا نہیں ہے، اس سے تو محبت کرتا ہے۔

اگر تجھے اس کے نزدیک اپنی قدر معلوم کرنی ہے تو سوچ کہ اس نے تجھے کس کام میں لگا رکھا ہے؟ رضامندی کے یا ناراضی کے۔

عمل کرنے سے اس کی حلاوت آجائے تو اس کی قبولیت کی علامت ہے، مخلوق کے عجز میں اتنا فکر کر کہ تیری نگاہ مخلوق سے ہٹ کر خالق پر چلی جائے کہ پھر مخلوق سے نفع کی اُمید نہ ہو اور نہ خوف ہو، نہ ان کی بڑائی وتعریف کی طرف توجہ ہو، بس اپنے مولا کے راضی کرنے میں لگا رہ، قبض آئے تو سوچ کر کہ حق تعالیٰ کی صفتِ جلالی کا پَرتو آرہا ہے، بسط آئے تو اس کی صفتِ جمال کا مشاہدہ کر۔

قبض میں صبر کرنے سے علوم ومعارف وبرکات آتے ہیں، انوار وتجلیات تو عبادات کی اُونٹنیاں ہیں کہ اُونٹ سفر کے طے کا ذریعہ ہوتا ہے، ایسے یہ انوار عبادات میں لگے رہنے کا ذریعہ مقصود نہیں ہیں، یہ بھی فکر ہے۔

اعمال کی توفیق ہوتے ہوئے واردات کی کچھ حقیقت نہیں، اعمال اختیاری ہیں اور واردات غیراختیاری ہیں، مگر جاہل واردات ہی کو ترجیح دیتے ہیں اور حاصل سمجھتے ہیں حالانکہ وارِد پر مداومت ارادت سے کہیں مہتم بالشان ہے۔

اور یہ انوار یا نور کیا ہے؟ دراصل یہ نورِ یقین ہوتا ہے جس سے ایمان پکا ہوجائے، اس سے اعمال پر مداومت ہوجائے اور آنکھ دیکھی چیز کی طرح نیکی اچھی اور گناہ کا مضرّ ہونا سامنے آجائے، بس یہی انوار ہیں کیونکہ نور سے چیز نظر آجاتی ہے، اسی طرح یقین سے شرع کی ہر بات واضح ہوتی چلی جاتی ہے، ضلالت کا اندھیرا اور ہدایت کا نور بھی یہی مراد ہے، یہ تو بھی سوچ کہ تیرا مددگار ہم نشین وہی ہے جو تیرے عیب دیکھ کر بھی تیرا مددگار ہی رہے اور ایسا سوائے مولائے کریم کے اور کون ہے؟ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ۔

(ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی ذوالحجہ ۱۳۹۷ھ - دسمبر ۱۹۷۷ء)

قرآن و حدیث میں غور و فکر کے فوائد

بخاری شریف میں یہ روایت ہے جسے حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ: ایک بار میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جارہا تھا، سو (جبلِ اُحد سامنے آیا تو) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبلِ اُحد کی طرف نظر فرمائی اور کہا: میں یہ پسند نہیں کرتا کہ یہ پہاڑ میرے لئے سونا بن جائے اور میرے پاس تین دن سے زیادہ اس میں کا ایک دینار بھی رہے سوائے اس دینار کے جو میں اپنا قرضہ ادا کرنے کے لئے رکھ لوں۔ اس کے بعد فرمایا: زیادہ مال والے ہی زیادہ کمی والے ہیں، مگر وہ مال جو اِس طرف اُس طرف خرچ کرتا رہے۔ ابنِ شہاب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہاتھ سے اِدھر اُدھر خرچ کرنے کا اشارہ بھی کر کے بتلایا اور ایسے لوگ کم ہیں، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (ابو ذر رضی اللہ عنہ کو ایک جگہ بٹھا کر) فرمایا: اے ابوذر! جب تک میں نہ آؤں تم اسی جگہ رہنا، یہ فرما کر آپؐ آگے بڑھ گئے تو میں نے ایک اجنبی آواز سنی، تو میرا ارادہ ہوا کہ میں وہاں جا پہنچوں مگر مجھے آپؐ کی بات یاد آگئی کہ تم اسی جگہ رہنا، (اس لئے میں آگے نہ بڑھا) جب آپؐ واپس تشریف لائے تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ جو آواز مجھے سنائی دی یہ کیسی آواز تھی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تو نے سنی ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں سنی ہے، آپؐ نے فرمایا: میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے تھے، انہوں نے مجھ سے کہا کہ جو شخص آپ کی اُمت میں سے اس حال میں مرے کہ وہ اللہ کے ساتھ شریکِ خدائی نہ ٹھہراتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا، میں نے عرض کیا: اگرچہ اس نے

ایسے ایسے گناہ کئے ہوں؟ فرمایا: ہاں! اگرچہ کیسے ہی کام کئے ہوں۔ (بخاری شریف)

تشریح:- جنت میں جانے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک تو یہ کہ بالکل عذاب ہی نہ ہو، دُوسرے یہ کہ اپنے بداعمالوں کی سزا بھگت کر جنت میں داخل ہو، اس حدیث میں یہ دونوں احتمال ہیں۔

اور ایمان والے کی دو حالتیں ہوتی ہیں، ایک وہ جو جہنم میں بالکل نہ جائے، دُوسرے وہ کہ ہمیشہ جہنم میں نہ رہے گا، پہلا وہ صاحبِ ایمان ہے جس نے ایمان کے ساتھ اَوامر کی تعمیل اور نواہی سے اجتناب کیا، دُوسرا وہ صاحبِ ایمان ہے کہ جس نے ایمان کے ساتھ معاصی کا ارتکاب بھی کرلیا ہو۔

سوال:- ایمان لے آنے کے بعد ایمان سلب ہونے سے کیوں ڈرتے ہیں؟

جواب:- معصیت کرتے رہنے کا آخری سرا کفر ہے، جیسے اعمالِ صالحہ ایمان کے قاصد ہیں، ایسے ہی معاصی کفر کے قاصد ہیں، سو یوں ڈر لگتا ہے کہ معصیت کرتے کرتے یہ قاصد آخری سرحد پر نہ پہنچادیں، توبہ نہ کرنے سے کہیں حالت نہ بدل جائے، اور دِل کے بدلتے کیا دیر لگتی ہے، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر (تعلیمِ اُمت کے لئے) یہ دُعا کیا کرتے تھے: "یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ" وفی روایۃ: "عَلٰی طَاعَتِکَ"۔

چند فوائد اور نکات

اس مذکورہ حدیث سے یہ فوائد اور نکتے کی باتیں سرسری طور سے معلوم ہوئیں:

۱- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہر سے باہر تشریف لے گئے، سو شہر سے باہر کسی جائز اور مباح ارادے سے جانا جائز ہے۔

۲- کسی کو ساتھ لے کر بھی جانا جائز ہے۔

۳- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبلِ اُحد کی طرف نظر فرمائی، اس سے

معلوم ہوا کہ مباحات کا دیکھنا جائز ہے، اور مناظرِ خداوندی اور اس کی صفت پر نظر کرنا مستحسن ہے، اور تفکر کی نظر تو عبادت ہے، "اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" سے نظرِ تفکر کا مطلوب ہونا ظاہر ہے، اور دُوسری جگہ ارشادِ باری ہے: "وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" تفکر کی تشریح اِن شاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گی۔

۴- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مال کی تمنا جائز ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل مال کی نفی نہیں کی ہے بلکہ اتنا مال تین دن سے زیادہ اپنے پاس رکھنے کی نفی کی ہے، اور نفی ہمیشہ قید پر وارِد ہوتی ہے، تو نفی تین دن کی قید پر ہوگی، مطلق مال پر نفی نہیں کی، لہٰذا مال کا رکھنا فی نفسہٖ مذموم نہیں ہے۔

۵- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ: یہ پہاڑ میرے لئے سونے کا بن جائے، معلوم ہوا کہ اشیاء میں ایسا انقلاب ہوسکتا ہے، ناممکن نہیں ہے۔

۶- معلوم ہوا کہ جو رقم اپنی ضروریات جیسے ادائے قرض کے لئے رکھ لی جائے تو وہ دُنیا نہیں ہے جس دُنیا کی مذمت وارِد ہوئی، اگرچہ ایسی رقوم دیر تک ہی رکھ لی جائیں، یعنی اپنی آخرت سدھارنے کے لئے ہر رقم کا رکھ لینا دُرست ہے۔

۷- قرضہ لے کر اس کا ادا کرنا واجب ہے۔

۸- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوائے اس ایک دینار کے جس میں رکھ لوں، اس لفظ سے معلوم ہوا کہ قرض جہاں تک ہوسکے کم سے کم لیوے، کیونکہ جبلِ اُحد کے برابر سونے کے مقابلے میں ایک دینار بہت ہی کم ہے، اسی لئے کسی نے کہا ہے: "اَقْلِلْ مِنَ الدَّیْنِ تعش حُرًّا" قرضہ کم لے تاکہ آزادی کے ساتھ زندگی گزارے۔

۹- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زیادہ مال والے ہی زیادہ کمی والے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک جب حساب لیں گے تو کم مال والے جلدی

خلاصی پانے والے ہوں گے، کیونکہ اموال کے حقوق بھی مال دار پر زیادہ ہوتے ہیں، اموال کا تو یہ معاملہ ہے: ''حلالها حساب وحرامها عذاب''۔

۱۰- بعض دفعہ مال عبادات اور راہِ نجات سے مانع بھی ہو جاتا ہے، اس لئے خیال رکھنا چاہئے۔

۱۱- مال کے حقوق ادا کرے اور مال سے محبت نہ رکھے، تو ایسا مال دار ہونا مذموم نہیں ہے۔

۱۲- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تک میں نہ آؤں تم یہیں پر رہنا'' اس میں معاشرت وتمدن کی ایک تعلیم ہے کہ جب کوئی اپنے ساتھی سے جدا ہو تو اُسے اطلاع دے کر جائے تاکہ وہ پریشان نہ ہو، المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده۔

۱۳- اگر کسی ضرورت کی بناء پر کہیں جانا پڑے تو ساتھی کو اکیلا چھوڑ کر چلے جانا جائز ہے، جبکہ اس کو واپسی کی اطلاع بھی دے دی جائے۔

۱۴- حدیث میں ہے کہ جب اجنبی آواز آئی تو حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کا ارادہ ہوا کہ میں موقع پر پہنچ کر دیکھوں یہ کون بول رہا ہے، مگر تعمیلِ ارشاد اور حکم کی بجا آوری ادب پر مقدم ہوتی ہے، اُسی کو کہا جاتا ہے: ''الأمر فوق الأدب''، جب حکم ہے کہ یہیں بیٹھے رہنا، تو اِمتثالِ اَمر کی وجہ سے وہ نہیں گئے، یہ ایک کام کی بات ہے کہ جذبۂ محبت بلاشبہ محبوب ہے، مگر اَمرِ محبوب پر مقدم نہ کرے کہ اس جذبۂ محبت میں نفس کی آمیزش بھی ہوتی ہے، اِمتثال اَمرِ محبوب میں ادائیگیٔ حقِ محبت اور خلوص ہوتا ہے، بہت لوگ اس میں فرق نہیں کرتے۔

۱۵- حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے عرض کر دیا تھا کہ میں نے یہ آواز سنی، اس کے باوجود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ: تم نے یہ آواز سنی؟ معلوم ہوتے ہوئے دوبارہ سوال کرنا اَحکام کے بتلانے میں اہتمامِ مزید کی طرف

اشارہ ہے، گویا جو میں بتلا رہا ہوں وہ سرسری بات نہیں ہے، مخاطب کو متوجہ کرنا ہوتا ہے، فیہ دلیل علیٰ أن الأحکام لا تذکر الّا بعد التثبیت۔

۱۶- یہ آواز کرنے والے جبریل علیہ السلام تھے، تو معلوم ہوا کہ فرشتے کی آواز غیر نبی بھی سن سکتا ہے، جیسا کہ حدیثِ جبریل میں سوالات و جوابات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سنے ہیں۔

۱۷- وہ خوشخبری یہ تھی کہ جبریل علیہ السلام نے کہا اور وہ اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے آئے تھے اور اللہ کا پیغام پہنچاتے تھے، یہ تھا کہ جو شخص آپؐ کی اُمت میں سے شرک سے بچا ہوا وفات پائے تو وہ جنت میں داخل ہوگا، اگرچہ اس نے ایسے ویسے گناہ بھی کئے ہوں۔

۱۸- جب دِین کی بات سن کر دِل میں خلجان ہو تو اُسے صاف کرلینا چاہئے تاکہ اطمینان ہوجائے، اسی لئے ابو ذر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ پھر سوال کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا، اس حدیث میں نظرِ تفکر کی طرف اشارہ ہے، عبرت کی نظر ڈالنی چاہئے، باری تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا: "اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ وَّاَنْ عَسٰی اَنْ یَّکُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ ۢ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ"۔

تفکر کی تفسیر

أی یتفکروا ویتدبروا فی عجائب المملکۃ وبدائع ما فی السمٰوٰت والأرض ویتفکروا ما خلق اللہ من کل شیء فیجدوا فیہ دلالۃ علیٰ حکم اللہ تعالیٰ ویتفکروا فی اقتراب الأمال وانقطاع الأمال فیبادروا الی صالح الأعمال.

مفہوم اس آیت کا یہ ہے کہ باری تعالیٰ اس بات کی طرف بلا رہے ہیں کہ میرے بندے میری مملکتِ سماوی و اَرضی میں غور وفکر کریں (کہ ہر مصنوع صانع پر دلالت کرتی ہے) کہ ارض و سماء میں کیا کیا عجائبات رکھے ہیں اور ہر چیز کی خلقت میں من أوّلہ الی آخرہٖ غور کریں کہ ان کا پیدا کرنے والا کیسا حکیم وخبیر ہے، اور ان چیزوں میں تغیرات رُونما ہوتے رہتے ہیں اور تغیرات کا آجانا اس کے حدوث و فنا ہونے پر دلیل ہے، جب یہ چیزیں فنا ہوجانے والی ہیں تو پھر انسان اعمالِ صالحہ کی طرف جھپٹ پڑے آخر ان سب اشیاء کا وقت عنقریب آنے والا ہے، یہ قرآن کی بات ہے اور قرآن کے بعد اور کون سی بات کا انتظار ہے کہ اس پر ایمان لاؤ گے؟ بات ماننے کی ہے، بس بات مان لو اور عمل کرو۔

اِمام حسن رحمۃ اللہ علیہ تو یہ فرماتے ہیں: ''تفکر ساعة خير من قيام ليلة'' کہ ایک ساعت کا تفکر ایک رات کے قیام سے کہیں افضل ہے۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: میں ایک دفعہ قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ سے ملا، وہ کہیں جارہے تھے تو میں نے ان سے پوچھا: کہاں تشریف لے جارہے ہیں؟ قاضی شریح بولے: کناسہ جہاں اُونٹ کھڑے رہتے ہیں وہاں جارہا ہوں، میں نے کہا کہ پھر آپ کو وہاں کیا کام ہے؟ فرمانے لگے: اُونٹ دیکھنے جارہا ہوں، بھلا کیوں؟ آپ نے فرمایا: ارے بھائی! باری تعالیٰ فرمارہے ہیں بس اس لئے جارہا ہوں، وہ کہتے ہیں کہ اُونٹ کو دیکھو، اب ان کے کلام کی تعمیل کرنی ہے، وہ کہتے ہیں: ''اَفَلَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَی الۡاِبِلِ کَیۡفَ خُلِقَتۡ'' اس اُونٹ کی گردن اور ٹانگیں اور ڈیل ڈُول دیکھ کر پہلے تو یہی تعجب ہوتا ہے کہ یہ اتنا ٹیڑھا میڑھا اپنی ماں کے پیٹ سے باہر کس طرح آیا، سوائے اس علیم وقدیر کے حکم کے اور کیا صورت ہوسکتی ہے۔

پھر غور کیا تو یہ حیوانات چار قسم کے معلوم ہوئے، کوئی ''حَلُوْبَہ'' ہے، کوئی ''رَکُوْبَہ'' ہے، کوئی ''اَکُوْلَہ'' ہے، کوئی ''حَمُوْلَہ'' ہے، کسی میں دو باتیں جمع ہوگئی ہیں،

حلوبہ دُودھ والے، رکوبہ سواری کرنے والے، اکولہ کھائے جانے والے، حمولہ لادنے کے کام آنے والے، مگر یہ چاروں باتیں اُونٹ میں موجود ہیں، ورنہ دو سے زائد کسی میں نہیں ہوتیں، اب دیکھئے ہاتھی اُونٹ سے بڑا ضرور ہے مگر نہ وہ دُودھ دیتا ہے نہ کھایا جاسکتا ہے۔

اس آیت میں چار چیزوں کی طرف نظرِ اعتبار کرنے کو فرمایا گیا ہے، اُونٹ کی پیدائش، آسمان کی رفعت، پہاڑوں کا قیام اور زمین کا بچھاؤ، سو اصل بات یہ ہے کہ اہلِ عرب جب سفر کرتے تھے ان کے اِردگرد یہی چار چیزیں ہوتی تھیں، اُوپر آسمان، نیچے زمین، دائیں بائیں پہاڑ، ان کے نیچے اُونٹ، تو ان ہی کی طرف غور کرنے کو فرمایا، ان کو دیکھنے سے اللہ کی قدرت نظر آتی ہے اور اپنا تکبر ٹوٹ جاتا ہے، اپنے وجود اور اندر باہر خوب تدبر وتفکر کرو۔

''وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِلْمُوْقِنِیْنَ وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ'' معرفتِ حق کی اس رُوئے زمین اور خود تمہارے اندر بے شمار نشانیاں موجود ہیں، کیا تم غور نہیں کرتے؟ محض مادّیات ہی میں نہ رہ جاؤ، آگے چلو، قرآن تو کہتا ہے کہ زمین کی ہر چیز میں، آسمان کے ہر منظر میں، زندگی کے ہر تغیر میں خدا کی معرفت کی نشانیاں بکھری پڑی ہیں، بشرطیکہ انسان غفلت اور اِعراض میں مبتلا نہ ہو۔

بھلا سوچو انسان اس منہ سے مختلف غذا کھالیتا ہے پھر کون ہے جو اس غذا کی ہر قوّت کو اس کے عین موقع پر روانہ کرتا ہے، اس غذا کے اجزاء جو آنکھ کے لئے تھے وہ قوّت بن کر صرف آنکھ میں، اور کان کے اجزاء کان میں، ہاتھ، پاؤں، غرض ہر رگ وپے میں کون تقسیم کرتا ہے؟ جب آپ دوائی کھاتے ہیں، وہ معدہ میں جاتی ہے مگر درد تو آپ کی آنکھ میں ہے یا قدم یا چھاتی میں ہے، وہ دوائی کا اثر اس جگہ کون پہنچاتا ہے اور شفا دیتا ہے؟ ذرا غور تو کرو ؎

تو ہے میرے کمالاتِ ہنر سے نہ ہو غافل تو اپنے نقشِ گر سے

میرے دیدار کی ہے ایک ہی شرط کہ تو پنہاں نہ ہو اپنی نظر سے

"وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ" اس کے وجود کی کتنی نشانیاں آسمانوں اور زمین میں رکھی ہوئی ہیں، مگر یہ لوگ ان پر سے اس طرح گزر جاتے ہیں گویا ان سے کوئی مطلب ہی نہیں ہے، ورنہ اس کائنات کی خلقت، ہر چیز کی بناوٹ، ہر چیز کا ضبط ونسق ایک قادرِ قسیم کے نظام میں منسلک ہے، کوئی چیز حکمت ومصلحت سے خالی نہیں جسے تخلیق بالباطل کہہ سکیں، اور کہیں کہ بغیر کسی منتظم کے یہ انتظام خود بخود وجود میں آ گیا ہے، حالانکہ یہ سب حکمت و مصلحت اور حق پیدا کیا ہے، "خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ" اور غور وفکر کرنے والا کہہ اُٹھے گا:-

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ.

(ماہنامہ "البلاغ" کراچی صفر ۱۳۹۸ھ - فروری ۱۹۷۸ء)

اسلام کا اخلاقی نظام

انسان آج نئے نہیں ہیں، وہ ہزاروں سینکڑوں برس سے آباد ہیں، ان کے سینکڑوں برس کی تاریخ محفوظ ہے، اس تاریخ کی سطح پانی کی سطح کے برابر نہیں، اس میں سخت نشیب و فراز ہے، اس میں آدمی کہیں اُونچا نظر آتا ہے کہیں نیچا، کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ انسان کی تاریخ نہیں خوانخواروں اور درندوں کی تاریخ ہے، اس کے مطالعے سے انسان کا سر جھک جاتا ہے کہ ہم میں ایسے افراد بھی گزرے ہیں، یہ فیصلہ تو آنے والی نسلیں ہی کریں گی کہ ہم اور آپ کیسے آدمی تھے، لیکن یہ اندازہ ہم کر سکتے ہیں کہ انسانوں کا پچھلا ریکارڈ کیا ہے، اس میں بعضے ایسے دور گزرے ہیں جن کو پڑھ کر دِل چاہتا ہے کہ اگر بس چلے تو تاریخ سے ہم ان اوراق کو نکال دیں، یہ ایسا ریکارڈ ہے کہ ہم بچوں کے ہاتھوں دینے کو تیار نہیں، اب اُن کی ساری کہانی لکھنے کا موقع نہیں بلکہ ایک حقیقت کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ جب تک سوسائٹی میں بداخلاقی کا رُجحان اور بگاڑ کی صلاحیت نہ ہو اس کو کوئی بگاڑ نہیں سکتا، واقعہ یہ ہے کہ بااخلاق اور اچھی سوسائٹی میں کسی بداخلاقی کا گزر نہیں ہوسکتا، وہ گُھٹ گُھٹ کر مرجائے گا، اسی طرح جو سوسائٹی؛ بداخلاقیوں کی ہمت افزائی نہیں کرتی وہ اُسے خوش آمدید کرنے کو تیار نہیں۔

اس کی اصلاح اور سدھار کی مختلف تجاویز بتائی گئی ہیں، کسی نے کہا کہ تعلیم کا انتظام کیا جائے کیونکہ جہالت، ناخواندگی ہی اخلاقی فساد کی جڑ ہے، علم پڑھا، لوگوں نے معلومات حاصل کیں، لیکن جن کا ضمیر فاسد اور ذہن ٹیڑھا تھا انہوں نے علم کو فساد

اور تخریب کا ذریعہ بنایا، کھلی بات ہے کہ اگر چور کو لوہاری کا فن آجائے تو وہ تجوری توڑنا ہی سیکھے گا، اب اگر کسی میں خدا کا خوف اور انسانی ہمدردی کا رُجحان نہیں ہے اور ظلم وستم اس کے خمیر میں گھسا ہوا ہے تو علم اس کے ہاتھ میں ظلم اور فتنہ وفساد کا آلہ کار رہے گا، اور اس کو گناہ، چوری اور اخلاقی جرائم کے نئے نئے ڈھنگ سکھائے گا، لیکن بعض لوگوں نے تنظیم کو اصلاح کا ذریعہ سمجھا اور اپنی ساری قوتیں لوگوں کی تنظیم پر صَرف کیں، نتیجہ یہ ہوا کہ بگڑے ہوئے افراد کا ایک بگڑا ہوا مجموعہ تیار ہوگیا جو کام اب تک غیر منظّم طریقے پر ہوتے تھے اب سازش اور تنظیم کے ساتھ ہوتے ہیں، دراصل لوگوں نے اخلاقی تربیت، دِل اور ضمیر کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں دی بلکہ جیسے بُرے بھلے لوگ تھے ان کے منظّم کرنے ہی کو کام سمجھا، نتیجہ یہ ہوا کہ بداخلاقی کو نئی طاقت حاصل ہوگئی اور ہر تدبیر کا نتیجہ صفر ہوا، وجہ یہ ہے کہ اصلی تدبیر سے روگرداں رہے، انبیائے کرام انسانیت کا مزاج بدلتے ہیں، وہ انسان کے اندر ایسی تدبیر پیدا کرتے ہیں کہ وہ دُوسرے انسان کی فاقہ کشی کو نہ دیکھ سکے، وہ انسان کے اندر ایثار کی رُوح اور قربانی کا جذبہ اور سچی انسانی ہمدردی پیدا کرتے ہیں، ان کو دُوسروں کی زندگی اپنی زندگی سے زیادہ عزیز ہوجاتی ہے، وہ اپنی جان کھوکر دُوسروں کی زندگی بچانا چاہتے ہیں، وہ اپنے بچوں کو بھوکا رکھ کر دُوسروں کا پیٹ بھرنا چاہتے ہیں، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انما بعثت لأتمم مکارم الأخلاق'' میری بعثت کا مقصد مکارمِ اخلاق کی تکمیل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق کی وہ تعلیم دی کہ اُممِ سابقہ اور اقوامِ عالم دست بدنداں رہ گئے، آپ نے ان کے اخلاق کا ایسا تزکیہ فرمایا کہ مدینہ طیبہ میں اوس وخزرج کے قبیلے جن کی عداوت و دُشمنی صدیوں سے چلی آرہی ہے، اسلامی اخلاق کی بدولت آپس میں شیر وشکر ہوگئے اور پھر ان کے آپس کی مودّت و محبت ضربِ المثل بن گئی اور انہیں ''انصار'' کا اعزاز دیا گیا، ان کا جذبۂ ایثار ضرب المثل بن گیا۔

تاریخی اوراق سے دو واقعے ملاحظہ کیجئے!

تاریخ میں ایسے واقعات گزرے ہیں جو ان فرضی قصو اور افسانوں سے کہیں زیادہ حیرت انگیز اور تعجب خیز ہیں، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دُنیا میں آمد کے کچھ عرصہ بعد کا واقعہ ہے کہ ایک مسلمان اپنے ایک زخمی بھائی کی تلاش میں پانی لے کر نکلا کہ شاید پانی کی ضرورت ہو تو میں ان کی خدمت کروں، زخمیوں میں ان کو اپنے بھائی نظر آ گئے جو زخموں سے نڈھال اور پیاس سے بے قرار تھے، انہوں نے پیالہ بھر کر پیش کیا تو زخمی بھائی نے ایک دُوسرے زخمی کی طرف اشارہ کیا کہ پہلے ان کو پلاؤ، اگر واقعہ یہیں ختم ہو جاتا تب بھی انسانیت کی بلندی اور اخلاقی عظمت کے لئے کافی تھا، اور تاریخ کا ایک یادگار واقعہ ہوتا، لیکن واقعہ یہیں ختم نہیں ہوتا، جب اس زخمی کے سامنے پیالہ پیش کیا گیا تو اس نے تیسرے زخمی کی طرف اشارہ کیا، اسی طرح ہر زخمی اپنے پاس والے زخمی کی طرف اشارہ کرتا رہا یہاں تک کہ پیالہ چکر کاٹ کر پہلے زخمی کی طرف پہنچا تو وہ دَم توڑ چکا تھا، اسی طرح یکے بعد دیگرے یہ سب زخمی دُنیا سے چل بسے، لیکن تاریخ میں جذبۂ ایثار اور اخلاقی عظمت کا ایک مینار قائم کر گئے۔

اسی طرح ایک دفعہ خاتم النبیّین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ مہمان آئے، آپ کے ہاں کچھ کھانے کو نہیں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کو کون اپنے گھر لے جائے گا؟ ایک صحابی حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنے کو پیش کیا اور مہمانوں کو لے گئے، گھر میں کھانا کم تھا، یہ مشورہ ہوا کہ بچوں کو سلا دیا جائے اور کھانا مہمانوں کے سامنے رکھ کر چراغ بجھا دیا جائے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، مہمانوں نے شکم سیر ہو کر کھایا اور ابوطلحہ انصاریؓ اُٹھ گئے، مہمانوں کو اندھیرے میں پتہ چلنے نہیں دیا کہ ان کا میزبان کھانے میں شریک ہے یا نہیں، اور وہ خالی ہاتھ منہ تک لے جاتے رہے ہیں، اخلاقیات کے ایسے سینکڑوں واقعات تاریخ میں محفوظ ہیں، لوگ کہتے ہیں کہ دُنیا خراب ہے، زمانہ خراب ہے، حالانکہ یہ کچھ نہیں بلکہ انسان خراب ہے،

کیا زمین کی حالت میں فرق پڑ گیا؟ کیا ہوا کا اثر بدل گیا؟ کیا سورج نے روشن اور گرمی دینا چھوڑ دی؟ کیا آسمان کی حالت تبدیل ہوگئی؟ کسی کی فطرت میں فرق پڑا؟ زمین اُسی طرح سونا اُگل رہی ہے، اس کے سینے سے اسی طرح اناج کا ذخیرہ اُبل رہا ہے، پھلوں کے ڈھیر نکل رہے ہیں، دراصل اخلاقی نظام جو انسانیت کے لئے عطا کیا گیا تھا، معلق کردیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ جہاں سے گزرے دُنیا کو نہال کردیا، دُنیا آج تک ان کے لگائے ہوئے باغ کا پھل کھا رہی ہے، جسے اُنہوں نے اپنے خون سے سینچا تھا، جو دُوسروں کے گھروں میں چراغاں کر گئے لیکن ان کے گھروں میں دُنیا سے جاتے وقت اندھیرا تھا، جناب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی ہوئی روشنی جھونپڑیوں اور شاہی محلوں میں یکسا جگمگائی لیکن جاتے ہوئے ان کے گھر کا چراغ مانگے ہوئے تیل سے جل رہا تھا، حالانکہ مدینہ میں سینکڑوں گھروں میں اُنہیں کا جلایا ہوا چراغ جل رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: ”نحن معاشر الأنبياء لا نرث ولا نورث ما تركناه صدقة“ ہم پیغمبر نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں، نہ ہمارا کوئی وارث ہوتا ہے، ہم جو کچھ چھوڑ دیں وہ سب غریبوں کا حق ہے، اس سے بڑھ کر آپ کا یہ ارشاد تھا کہ: ”جو کوئی مر گیا اور وہ کچھ قرض چھوڑ گیا ہے تو وہ میرے ذمہ ہے اسے میں ہی ادا کروں گا“ کیا دُنیا کے کسی قائد نے یہ نمونہ چھوڑا ہے؟ آپ دُنیا کے سامنے اخلاق کے ایسے نمونے چھوڑ گئے جس میں سوائے ایثار ومحبت کے اور دُوسروں کے غم میں گھلنے کے کہیں اپنا رتی برابر فائدہ نظر نہیں آتا، اسلام کے اخلاقی نظام کی رُوح یہ تقاضا کرتی ہے کہ پھر یہی زندگی عام ہو۔

انسانیت کی بے لوث خدمت اور بے غرض محبت کا رواج ہو، پھر دُوسروں کے نفع کے لئے اپنے نقصان کو ترجیح دی جائے، پھر ایسی قوم پیدا ہو جو خطرے کے موقع پر پیش پیش اور نفع کے موقع پر دُور دُور نظر آئے۔

اسلام کے اخلاقی نظام نے خواہشات میں توازن اور اعتدال پیدا کیا ہے،

نفسانی خواہش کے بجائے اللہ کو راضی کرنے کی زبردست خواہش پیدا کی ہے، انسانی ہمدردی اور غم گساری کا جذبہ پیدا کیا، اور وہ ذہنیت پیدا کی جس سے خدا کی بنائی ہوئی اور انسان کی تیار کی ہوئی چیزوں کے استعمال کرنے کی صلاحیت پیدا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے ضمیر بخشا، یقین بخشا، آج دُنیا کے پاس سب کچھ ہے لیکن یقین نہیں ہے، آج دُنیا کے کارخانے سب کچھ پیدا کر سکتے ہیں لیکن یقین کی دولت، ایمان کی دولت، اخلاق کی دولت، پیغمبروں کے کارخانے سے ملتی ہے، آج دُنیا خدا سے ڈرانے والوں سے خالی ہے، یقین سے خالی ہے، اخلاق سے خالی ہے بلکہ اخلاق کا تو دیوالیہ نکل چکا ہے، انسانیت کی بے لوث خدمت کون کرے، خدا کا خوف اور اس کی رضا کا یقین اس کے کنبے کی بے لوث خدمت کا جذبہ دیتا ہے، انسانیت کے ایسے خادم ہر نعرہ سے دُور دُور، حکومت کی لالچ سے الگ، سیاسی چالوں اور سیاسی جوڑتوڑ سے بے زار، بے لوث خدمت کرتے ہیں، آج ایسے ہی خدمت گاروں کی ضرورت ہے جن کے پاس کچھ نہ ہو، پھر بھی کچھ لینا نہ چاہیں بلکہ دینا ہی چاہیں، وہ اس نظام پر چلنے سے پیدا ہوتے ہیں، انسان کے پاس اب بھی ضمیر ہے، یہ ضمیر مردہ نہیں ہوا، اس پر گرد وغبار آ گیا ہے، اگر گرد وغبار جھاڑ دیا جائے اور اُس کو آلودگی سے صاف کر دیا جائے تو اب بھی وہ فضا قائم ہوسکتی ہے، آج دُنیا پر بداخلاقی کا جو مانسون چھایا ہوا ہے، اس کا واحد علاج اس کا اخلاقی نظام ہے، اُسے خود بھی اپنایئے اور دوسروں کو بھی شفقت ومحبت کے ساتھ اس پر عمل کرنے کی ترغیب دلایئے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور تمام مسلمانوں کو اس پر عمل کی توفیق بخشے، آمین یا ربّ العالمین۔

(ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی ربیع الثانی ۱۳۹۸ھ)

ایک غلطی کا اِزالہ

قرآن مجید اور اس کے لئے احادیث بمنزلہ شرح کے، پھر فقہ کا شرح الشرح ہونا

بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ قرآن و حدیث کے سمجھنے کے لئے علماء ہی کی کیا ضرورت ہے ہم خود سمجھ سکتے ہیں۔ بعض لوگ تو یہاں تک کہہ جاتے ہیں کہ کیا ان کی اجارہ داری ہے؟ نہیں، بات صرف یہ ہے کہ ہر شعبے کے لئے اس کو اس کے ماہرِ فن سے حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، یہ کہنا تو آسان ہے کہ علاج کے لئے ڈاکٹر ہی سے کیوں رُجوع کیا جائے؟ تعمیر کے لئے انجینئر کی کیا ضرورت ہے؟ کارخانے کے لئے منیجر کی کیا ضرورت ہے؟ تعلیم کے لئے پروفیسر کی اور لیکچرار کی کیا ضرورت ہے؟ ہر دفتر میں ہر انگریزی دان کافی کیوں نہیں؟ ان ڈگریوں کی کیا ضرورت ہے؟ مگر سب جانتے ہیں کہ ہر فن کے لئے ماہرِ فن سے رُجوع کیا جاتا ہے اسی طرح قرآن و حدیث کے فہم کے لئے اس کے ماہر ہی سے رُجوع کرنا ضروری ہے ہاں! جتنی معلومات بالکل صحیح صحیح آپ کو حاصل ہوچکی ہیں اور وہ آپ کے لئے آسان بھی ہیں وہاں تک تو آپ چل سکتے ہیں، لیکن اگر سارے علومِ دِینیہ پر ایسا کہہ کر پانی پھیر دینا، یہ فہم سے ذرا بعید بات ہے کہ ہم کیوں نہیں سمجھ سکتے، اس لئے کہ آپ نے کسی سے باقاعدہ پڑھا نہیں ہے۔

آخر کلامِ الٰہی اور احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری مادری زبان میں تو ہیں نہیں، وہ ایک فصیح عربی زبان میں ہیں، اس عربی زبان کو سمجھنے کے لئے اوّلاً

ضرورت ہے کہ اس کے قواعد پڑھیں، یعنی صَرف و نحو اور لغاتِ ادبیہ اور محاوراتِ عرب کو سمجھیں، ان آیات کے سباق و سیاق کو معلوم کرنا، ان کا شانِ نزول کیا ہے اور اَحکامِ الٰہی کے لئے ناسخ و منسوخ کا علم بھی بڑا ضروری ہے، قرآن ایک معجز کلام ہے، اس کی فصاحت و بلاغت کے لئے بھی کچھ اُصول معلوم ہوں، اس میں اقوام کی تاریخ ہے اس لئے علمِ تاریخ سے وابستگی ہو، اُصولِ استنباط مقرّر کئے ہوں، آخر جو وقائع اور مضامین اس میں مذکور ہیں ان کے واسطے حصولِ علم کیوں ضروری نہیں ہے؟ احادیث اس قرآن کی تفسیر وشرح ہے، ان کا جاننا ضروری ہے، ان کے بغیر تفسیر کرنا مشکل ہے، ہاں! دیکھئے لکھی ہوئی تفسیر کو پڑھنا یا تفاسیر سے چن کر اپنی تفسیر لکھ لینا یا دیکھ کر تقریر کرنا یہ تو بقدرِ استعداد سب کو دُرست و آسان ہے، مگر اَز خود قرآن کی تفسیر کرنا یا اَحکام کو مستنبط کرنا یہ ہر عالم کا کام بھی نہیں ہے، اسلاف کی تفسیر دیکھے بغیر خود اپنے علم وفہم سے معنی وتفسیر نکالے گا تو سوائے خطا کے اور کیا حاصل ہوگا؟ اس لئے کہ ماہرِ فن نہیں، تفسیر کرنے والے کے لئے پندرہ بیس علوم کے جاننے کی شرط لگائی ہے، علمائے متقدمین نے کہا ہے کہ ایک مفسر کے لئے مندرجہ ذیل علوم کی ضرورت ہے، تب وہ تفسیر کرسکتا ہے:-

۱-علمِ صرف، ۲-علمِ نحو، ۳-علمِ لغت، ۴-علمِ مصطلحات، ۵-علمِ محاورات، ۶-علمِ معانی، ۷-علمِ بیان، ۸-علمِ بدیع، ۹-علم الرسم، ۱۰-علم الخط، ۱۱-علم التجوید والقراءت، ۱۲-علمِ وقوف، ۱۳-علمِ تفسیر، ۱۴-علمِ اُصولِ فقہ، ۱۵-علمِ اُصولِ روابط، ۱۶-علمِ شانِ نزول، ۱۷-اُصولِ ناسخ ومنسوخ، ۱۸-اُصولِ علل، ۱۹-اُصولِ اسباب، ۲۰-اُصولِ شرائط، ۲۱-علومِ حدیث۔ (از مرقات شرح مشکوٰۃ)

پھر عقلِ خداداد سے واجب وممکن جواہر و اعراض میں تمیز کر سکے، اسی طرح مادّیات میں عالَمِ اجرام، عالَمِ اجسام پھر عالَمِ اجسام میں سے عالَمِ عناصر یعنی عالَمِ جمادات، عالَمِ نباتات، عالَمِ حیوانات، اسی طرح مجرّدات میں عالَمِ اَرواح، عالَمِ

عقول، عالمِ مثال وغیرہم کی سمجھ بوجھ ہو، ان علوم کے حاصل ہونے پر بقدرِ استعداد اس معجز کلام پاک میں چند موتی اوّل لئے جائیں گے لیکن اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوسکتے، یہ کلام ہی ایسا ہے، حدیث شریف میں یوں آیا ہے:-

فیہ نبأ ما قبلکم وخبر ما بعدکم وحکم ما بینکم ھو الفصل لیس بالھزل من ترکہ من جبار قصمہ اللہ ومن ابتغی الھدی وغیرہ اضلہ اللہ وھو حبل اللہ المتین وھو الذکر الحکیم وھو الصراط المستقیم وھو الذی لا تزیغ بہ الأھواء ولا تلیس بہ الألسنۃ ولا تشبع منہ العلماء ولا یخلق عن کثرۃ الرد ولا تنقضی عجائبہ وھو الذی لم تنتہ الجن اذا سمعتہ حتی قالوا انا سمعنا قرآنًا عجبًا یھدی الی الرشد فاٰمنا بہ، من قال بہ صدق ومن عمل بہ اجر ومن حکم بہ عدل ومن دعا الیہ ھدی الٰی صراط مستقیم خذھا الیک یا اعور. (رواہ الترمذی عن الاعور)

ترجمہ:- آقائے دو جہاں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کلامِ الٰہی میں پہلی اُمتوں کے احوال ہیں اور آئندہ آنے والی پیشین گوئیاں اور واقعات کی خبریں دی گئی ہیں، تمہارے تنازعات کے فیصلے ہیں، یہ ایک فیصلہ کن کتاب ہے اس میں غیر واقعی ایک حرف بھی نہیں ہے، جو شخص اُسے جبر وتشدد میں آکر ترک کرے گا خدائے تعالیٰ اُسے توڑ دے گا، اور جو اس کے علاوہ اور کسی جگہ ہدایت ڈھونڈے گا گمراہ ہوگا، یہ قرآن اللہ کی مضبوط رَسّی ہے اور یہ مضبوط قابلِ وثوق نصیحت کی کتاب ہے، اور یہ بالکل صحیح اور سیدھا راستہ ہے جس پر چلتے ہوئے

خواہشات کبھی نہیں ڈگمگاتی اور نہ زبانوں پر یہ متلبس ہوسکتا ہے، اور نہ علماء کا اس سے پیٹ بھر سکتا ہے، نہ اس کے بار بار پڑھنے سے جی اُکتائے گا کہ پُرانا معلوم ہو، ہر دفعہ جدید لطف آئے گا، اور نہ اس کے عجائبات کبھی ختم ہوں گے، اور جب اس کلام کو جنات نے پہلی بار سنا تو وہ ایمان لائے بغیر رُک نہ سکے، خود کہہ اُٹھے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو ہدایت کی راہیں کھولتا ہے، سو ہم تو اسی وقت اس پر ایمان لے آئے، جو اس قرآن کو لے کر کلام کرے گا وہ سچ کہے گا اور جو اس پر عمل کرے گا اسے اجر دیا جائے گا، اور جو اس کے ساتھ فیصلہ کرے گا وہ انصاف کرے گا اور جو اس کی طرف دعوت دے گا وہ صراطِ مستقیم کی طرف راہ دِکھائے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اعور! (نام راوی) اسے خوب یاد رکھ۔

مگر اس قرآن کے لئے حدیث کی ضرورت ہے، باری تعالیٰ نے فرمایا: ''لَا تُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِہٖ'' جب ہم پڑھیں تو آپ سنتے رہیں کیونکہ اس کا سینے میں جمع کرنا اور اس کا پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے: ''اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗ، فَاِذَا قَرَأْنٰہُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ'' پھر الفاظ کے بعد معانی کا درجہ تھا، اس کے لئے وعدہ فرمایا: ''ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ'' یعنی پھر ہماری ذمہ داری ہے اس کا بیان کرانا، یعنی آپ سے اس کا بیان ظاہر کرائیں گے۔

آپ کو معلوم ہے کہ صرف زبان سے پڑھ لینے کو ''بیان'' نہیں کہتے، اسے تو قرأت یا تلاوت کرنا کہتے ہیں، بلکہ الفاظ کے معنی ومفہوم اور مقصد کو کھول دینے کو بیان کہتے ہیں۔

سو قرآن کے مدلولات ومعانی کو کھول کھول کر ان کی شرح کرکے لوگوں کو

پہنچانا یہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ذمہ داری عائد کی ہے، ارشاد فرمایا: "وَاَنزَلنَآ اِلَیکَ الذِّکرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیهِم وَلَعَلَّهُم یَتَفَکَّرُونَ" نیز جب لوگوں میں اس کے معانی، اعتقادات، عبادات، معاملات وغیرہ کے بارے میں اختلاف ہوگا تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس اختلاف کے وقت مرادِ خداوندی کی تعیین فرماویں گے، چنانچہ ارشادِ باری ہے: "وَمَآ اَنزَلنَا عَلَیکَ الکِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اختَلَفُوا فِیهِ" ہم نے یہ کتاب آپ پر اس لئے اُتاری ہے کہ جب لوگ اس کتاب میں اختلاف پیدا کریں تو آپ اس کے صحیح مفہوم ان کو واضح کردیں، سو اَب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح سے بھی کتاب اللہ کے مفہوم کی تعیین فرماویں گے اور بیان دیں گے، اسی کا نام "حدیث" ہے، اور اس حدیث کے بارے میں علوم کا بڑا پھیلاؤ ہے، علمائے اُمت نے تقریباً ۸۲ علوم وضع کئے ہیں، مثلاً متنِ حدیث، اسنادِ حدیث، اقسامِ حدیث، غریب الحدیث، مصطلحات الحدیث، علل الحدیث، مطاعن الحدیث، اسماء الرجال وغیرہم۔

اب اس علمِ حدیث سے قرآن کی تشریح کے لئے علمائے اُمت نے جو چند اصطلاحات مقرّر کی ہیں بطور نمونہ آپ ملاحظہ فرمائیں اور اس کی گہرائیوں کا اندازہ لگائیں، سنئے! اگر آیت اور حدیث کا ایک ہی مضمون ہوگا تو اُسے بیانِ تاکید کہیں گے، اگر آیت میں مختلف احتمال ہوں ان میں سے حدیث نے ایک احتمال کو متعین کیا ہے تو اسے بیانِ تعیین کہیں گے۔ اگر آیت کا حکم مقدار کے اعتبار سے مبہم ہے، اس کو حدیثِ رسول نے مشخص کیا ہے تو اُسے بیانِ تقریر کہتے ہیں۔ اگر کہیں اجمالِ قرآن کو حدیثِ رسول نے کھولا ہے تو اسے بیانِ تفصیل کہتے ہیں، اگر آیت کے کسی چھوڑے ہوئے مضمون کو یا دلیل کے کسی مقدمہ کو حدیثِ رسول نے کسی دُوسری آیت سے ملادیا ہے تو اُسے بیانِ الحاق کہتے ہیں، اگر آیت کے حکم کی وجہ حدیث میں بتائی گئی ہے تو اُسے بیانِ توجیہ کہیں گے، اگر آیت کے کسی کلیہ کے تحت حدیث نے اس کا جزئیہ ظاہر کیا

ہے تو اُسے بیانِ تمثیل کہا جائے گا، اگر آیت کے حکم کی علت حدیث نے بیان کی ہے تو اُسے بیانِ تعلیل کہیں گے، اگر قرآنی آیت کے حِکَم و آثار و خواص حدیث نے کھولے ہیں تو اُسے بیانِ تاثیر کہتے ہیں، اگر قرآن کی آیت کے کسی حکم کی حدود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح کی ہیں تو اسے بیانِ تحدید کہتے ہیں، اگر قرآن کی آیت کسی عام حکم کے ایک فرد کو حدیث نے مشخص کردیا تو اُسے بیانِ تخصیص کہیں گے۔

اگر آیت کے حکم کے جزئیہ کے مشابہ دُوسرے جزئیہ کے کسی علت کے مشابہ میں مشترک ہونے کی بناء پر حدیث نے اس جزئیہ پر بھی وہی آیت کا حکم لگادیا تو اس کو قیاس کہا جائے گا، اگر قرآنی آیت کے اُصول کلّی سے حدیث نے کوئی جزئیہ مستنبط کیا ہے تو اُسے بیانِ تفریع کہتے ہیں، اگر قرآن کے کسی جزئیہ سے حدیثِ رسول نے کلیہ اخذ کیا ہے تو اسے بیانِ استخراج کہیں گے۔

الغرض حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن ہی کا بیان ہے جس کا خدا نے "اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ. ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ" کہہ کر ذمہ لے لیا ہے۔

اب ان بیانات کا پتہ چلانا مجتہد یا راسخ العلم ہی کا کام ہوسکتا ہے، پھر ان علومِ قرآنیہ کی اُمتِ مسلمہ نے اپنی اپنی حد تک بڑی تحقیقات کی ہیں، اوران کے الگ الگ طبقات ہوتے ہیں، چنانچہ الفاظِ قرآن ہی کے بارے میں آپ دیکھیں گے کہ ایک طبقے نے جوفِ الفاظ کی حفاظت کی وہ حفاظ کہلائے، ایک طبقے نے اِعراب کی حفاظت کی، ایک طبقے نے حروف کے طرزِ ادا کی حفاظت کی وہ علمائے مجوّدین کہلائے، ایک طبقے نے طرزِ کتابت کی حفاظت کی وہ علمائے رسم الخط کہلائے، ایک طبقے نے لغات ومحاورات کا تحفظ کیا وہ علمائے مفردات کہلائے۔

اسی طرح قرآن کے معانی بیان کرنے والوں کے طبقات ہوئے، ایک طبقۂ اُمت نے تفسیر باللغۃ کی وجوہِ فصاحت و بلاغت کو واضح کیا وہ علمائے عربیت کہلائے۔

ایک طبقے نے تفسیر بالروایت کو اختیار کیا جو اہلِ اثر کہلائے۔

ایک طبقے نے اس سے جزئیات مستنبط کیں وہ فقہاء کہلائے، ایک طبقے نے اس کے عقلی پہلوؤں کو واضح کیا وہ حکمائے اسلام اور اہلِ کلام کہلائے، ایک طبقے نے کلیات و جزئیات میں سے عللِ احکام کا استخراج کیا اس سے لاء اور قانون بنائے وہ ائمہ مجتہدین کہلائے۔

ایک طبقے نے مواعظ وحِکَم، امثال وغیرہ کی نگہداشت کی وہ خطباء کہلائے، ایک طبقے نے جزوی قرآن کے وقائع اور قصص کی تبیین کی وہ مؤرِخین کہلائے، ایک طبقے نے جزوی معانی سے اُصول وکلیات کا استنباط کیا وہ مفکرین کہلائے، ایک طبقے نے اس سے مسائل استخراج کرنے کے لئے وجوہِ استخراج مستنبط کئے اور ان کی اصطلاحات مقرّر کیں وہ علمائے اُصول کہلائے، ایک طبقے نے اقوامِ عالَم کی ذہنیتوں، فطرتوں، ان کے عروج وزوال کے سیاسی اُصول نکالے وہ علمائے ادارۃ کہلائے۔

ایک طبقے نے باطنی علوم، حقائقِ نفسیات، انقلابی طرق وشہود نکالے وہ عرفاء کہلائے، اس سے آپ علومِ دِینیہ کا اندازہ لگائیں۔

اب جو شخص ان اَبواب اور دروازوں میں سے جھانک کر بھی نہ نکلا ہو، ان علوم سے بالکل وابستہ نہ ہوا ہو، اور پھر اس کا یہ کہنا کہ ''ہم کیوں نہیں سمجھ سکتے؟'' بھیا! محنت کرو، علوم حاصل کرو، پھر تم خوب سمجھوگے، کون روکتا ہے؟ ورنہ کسی عالم کی لکھی ہوئی تفسیر کو پڑھو اور ان سے پوچھ پوچھ کر عمل کرتے رہو، ہمہ دانی کا دعویٰ نہ کرو، ورنہ تو ایسا ہی ہوگا کہ ڈاکٹری کا کورس پاس نہ کیا ہو اور یوں کہے کہ ''کتابوں میں سب لکھا ہوا ہے، آخر ہم علاج کیوں نہیں کرسکتے؟'' ہم کہیں گے بے شک آپ عقل مند ہیں، آپ کتاب پڑھ سکتے ہیں مگر آپ علاج ڈاکٹر ہی سے پوچھ کر کریں گے، اسی طرح دِینی علوم بھی ہیں، یہ تو علومِ قرآنیہ کی ایک جھلک ہے، ورنہ اس کے علوم کا کیا ٹھکانا ہے، اس کے بعد تھوڑا سا حدیث کے متعلق بھی میری عرض سن لیں اور اس کے علوم کا

پھیلاؤ ملاحظہ فرمائیں۔

آپ جان لیں کہ حدیث قرآن ہی کا بیان ہے اور حجت بھی ہے، یعنی جیسے ہمارے لئے قرآن حجت ہے اسی طرح حدیث بھی حجت ہے کیونکہ یہ حدیث تو قرآن ہی کی شرح ہے، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الا انی اُوتیت القران ومثله معه" (رواہ ابوداؤد) سن لو! میں قرآن دیا گیا ہوں اور اس کے ساتھ اس کی مثل اور دیا گیا ہوں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا: "مَآ اٰتٰـكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰـكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا" جو کچھ ہمارے رسول تم کو (عمل کرنے کے لئے حکم) دیں اس کو پکڑ لو اور جس بات سے وہ منع کریں اس سے باز رہو۔

بس ان ہی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے اَوامر ونواہی کو ''حدیث'' کہتے ہیں، گویا حدیث ایک واسطۂ کبریٰ ہے جو قرآن سے علم لیتی ہے اور فقہ کو دیتی ہے، یا یوں سمجھو کہ قرآن جڑ ہے، حدیث ساق ہے اور پھول پتیوں کا پھیلاؤ فقہ ہے، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہیں، ان کے بغیر کوئی خدا تک نہیں پہنچ سکتا اسی طرح کلامِ رسول بھی اللہ کے کلام اور بندوں کے درمیان واسطہ ہے اس کے بغیر کلامِ الٰہی کے معانی تک نہیں پہنچ سکتا، "مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ" اس پر دال ہے۔

اب ذرا آپ احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقسام اور پھیلاؤ اور رَدّ وقبول کی معمولی سی جھلک ملاحظہ فرمائیں تاکہ اتنا فہم سلیم میں آجائے کہ واقعی ہم قرآن وحدیث سے مسائل مستنبط نہیں کرسکتے تقلید ہی ضروری ہے، اتنا علم اب کہا ہے جو یہ کہا جائے کہ قرآن وحدیث سے مسائل نکالنے اور بتلانے میں ہر آدمی آزاد ہے، چونکہ حجیتِ حدیث سند پر موقوف ہے، سو اگر سند متواتر ہے تو قرآن کی طرح وہ حدیث بھی متواتر اور موجبِ یقین ہوگی اور اس کا ماننا فرض ہوگا، اور اگر سند کے ثبوت میں کوئی شبہ ہوجائے تو وہ حدیث موجبِ ظن ہوگی اور بجائے انکار کرنے کے اس کی سند

کی چھان بین کریں گے، یہ ایک قانون ہوا۔

اس چھان بین کرنے کے لئے محدثین نے کچھ اُصول مقرّر کیۓ ہیں اور یہ بھی ان ہی کا کام تھا، خدا ان کو جزائے خیر دے، سو اگر سند کے اُصولِ فن کے لحاظ سے حدیث کے تمام راوی ہر لحاظ سے ثقہ، عادل وضابط ہوں، سند مسلسل ومتصل بھی ہو، علل وشذوذ سے خالی ہو تو ایسی حدیث صحیح اور واجب القبول ہوگی، ورنہ اس پر تنقید کی جائے گی۔

حصرِ عقلی کے ساتھ روایت کی چار قسمیں ہیں:-

۱- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر ہم تک کسی روایت کا کسی وقت میں صرف ایک راوی ملتا ہے، درمیان میں خواہ زائد بھی ہوں تو یہ حدیث فرد اور حدیث غریب کہلائے گی، اور یہ ظنی ہے۔

۲- کسی روایت کو ہر قرن میں دو دو روایت کرنے والے راوی چلے آئے ہیں، خواہ کہیں زیادہ بھی ہو جاویں مگر دو سے کم کہیں نہیں ہوتے، ایسی حدیث کو خبرِ عزیز کہتے ہیں اس سے غلبۂ ظن ہوتا ہے۔

۳- کسی روایت کو ہر زمانے میں کم از کم تین راوی ضرور روایت کرنے والے ملتے ہیں تو اُسے خبرِ مستفیض کہیں گے، اس سے فی الجملہ یقین پیدا ہوتا ہے یعنی قضاءً نہ سہی مگر دیانۃً یقینی کہیں گے۔

۴- جس روایت کے ہر زمانے میں اتنے راوی پائے جائیں کہ ان کا تواطؤ علی الکذب محال ہو اور اس کا ردّ وانکار نہیں کیا جاسکتا، اُسے خبرِ متواتر کہیں گے۔

اگر قرناً بعد قرنٍ اسے مانتے چلے آتے ہوں تو اُسے تواترِ قرنی کہتے ہیں، اور ان تمام اقسام کا ثبوت قرآنِ مجید میں موجود ہے، مثلاً:

قرآن خود متواتر ہے، اور خبرِ مستفیض کے لئے سورۂ یٰسین میں ہے: "فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَیْکُمْ مُّرْسَلُوْنَ"، اور خبرِ عزیز کے لئے یہ آیت ہے: "وَاَشْھِدُوْا

ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْکُمْ وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ"، غریب کے لئے: "اِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ"، "وَجَآءَ رَجُلٌ مِنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ یَسْعٰی قَالَ یٰمُوْسٰی اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِکَ لِیَقْتُلُوْکَ فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَکَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ"، وغیرہ ذالک من الآیات۔

ان مذکورہ اقسام میں سے روایتِ غریب کی تحقیق کی جائے گی، اگر خبرِ واحد کے متابعات، مؤیدات، شواہد، قرائن فراہم ہوجاویں تو قابلِ قبول ہوگی، ورنہ رَدّ کردیں گے۔

اسی طرح اوصافِ رُواۃ کے اعتبار سے حدیث کی چار قسمیں ہیں، ان اوصاف ہی سے راوی کا ثقہ، غیر ثقہ ہونا معلوم ہوگا، روایت کی قبولیت کے دو اُصول ہیں: ۱- عدالت۔ ۲- ضبط۔

کیونکہ اگر راوی میں عدالت نہ ہوگی تو کذب، افتراء، فسق، جہالت، بدعت پائی جائے گی، اور ایسا راوی عادل نہ ہوگا اور اس کی روایت کا اعتبار نہ کریں گے، اگر راوی ضابط نہ ہوگا تو اس میں فرطِ غفلت، کثرتِ غلط، مخالفتِ ثقات، وہم، سوءِ حفظ، غفلت اور لااُبالی پن ہوگا، اور ایسے راوی کی روایت بھی قابلِ قبول نہ ہوگی۔

اگر روایت کے راوی میں یہ دو صفات عدالت وضبط اکمل درجے کی ہوں تو اس روایت کو صحیح لذاتہٖ کہیں گے، اگر یہ صفات کامل درجے کی ہوں یا اکملیتِ اوصاف کی کمی کثرتِ سند یا طرق سے پوری ہوجائے تو اُسے صحیح لغیرہٖ کہتے ہیں۔

اگر ان میں معمولی کمزوری ہو اور بدستور باقی رہے تو حسن لذاتہٖ کہیں گے، اور اگر اس کی تلافی کثرتِ طرق سے ہوجائے تو حسن لغیرہٖ کہیں گے۔

اگر یہ کمزوری اور زیادہ بڑھ جائے تو حدیث ضعیف ہوگی، پھر راوی میں اگر کمزوری کذب کی وجہ سے ہے یعنی اس راوی کا کسی وقت کسی ایک حدیث میں کذب ثابت ہوجائے تو اس کی ساری روایتیں ناقابلِ اعتبار ہوں گی، اور یہ روایت موضوع کہلائے گی۔

اگر حدیث کے علاوہ اور کسی معاملے میں کذب کی تہمت آجائے تو اس کی روایت متروک کہلاتی ہے، اگر راوی کی جہالت سے ہو تو مبہم کہلاتی ہے۔

اسی طرح ضبط راوی میں کمی ہو، سو اگر فرطِ غفلت یا کثرتِ غلط یا مخالفتِ ثقات سے کمی آتی ہے تو ایسی حدیث شاذ کہلاتی ہے، راوی کے وہم ونسیان سے کمی ہو تو ایسی معلل، سوء حفظ سے ہو تو مختلط کہلاتی ہے، اور ان تمام ضوابط و اُصول کا منشاء قرآن میں موجود ہے، قرآن ہی سے سمجھ کر یہ اقسام کی گئی ہیں، سو یہ ضبط و عدالت بمنزلہ شاہدین کے ہیں، قرآن میں ہے: ''وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ'' الآیۃ۔ شاہد کے لفظ سے تو معیارِ عدالت نکل آیا اور ''اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰى'' سے کہ ایک عورت سے بھول چوک ہوسکتی ہے اس لئے صرف ایک عورت کی شہادت کا اعتبار نہیں ہے، ہاں! اس کی تائید دُوسری عورت کردے تو قابلِ قبول ہے، کیونکہ عورت میں نسیان زیادہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ راوی ناقص الحفظ، قلیل الضبط ہو تو اس کی روایت شہادت کے بغیر معتبر نہ ہوگی، لہٰذا راوی کا کامل الضبط ہونا اس سے نکل آیا۔

ایک آیت میں ہے: ''اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ. ذِىْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ. مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ'' اس آیت میں تین اوصاف بیان ہوئے ہیں: رسالت، امانت، کرامت۔ یہی عادل راوی کے اوصاف ہیں، اور ''ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا'' سے راوی کا متبعِ لغت ہونا نکل آیا۔ الغرض تمام اُصول قرآن سے مستنبط کئے گئے ہیں، اسی طرح راوی ثقات کی مخالفت کرتا ہے یا اس میں جہل ہے تو اس میں کرامت نہ ہوگی، کیونکہ کرامت کے لئے تقویٰ لازم ہے: ''اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ''، تو اس لئے راوی میں تقویٰ ضروری وصف ہوا۔

پھر ''اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ'' اسی آیت سے تیقظ ثابت ہوا کہ راوی کریم ہو، متقی ہو اور متیقظ ہو، یعنی غافل،

وہمی، سیئ الحفظ، کثیر الاغلاط نہ ہو، گویا راویوں کے اوصاف بھی قرآن ہی سے لئے ہیں۔

پھر تقویٰ کی ضد فسق ہے، لہٰذا فاسق کی روایت بھی قابلِ اعتبار نہ ہوگی، تیسری صفت امانت ہے، اس کی ضد خیانت ہے، "وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ" اور خیانت کے لئے کذب، افتراء، تہمت لازم ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ صفتِ کرامت سے فرطِ غفلت، کثرتِ غلط، وہم، سوءِ حفظ اور فسق منتفی ہوئے۔

صفتِ رسالت سے جہالت، بدعت، مخالفتِ ثقات اور اسی طرح صفتِ امانت سے کذب، تہمتِ کذب حذف ہوئے، ایک صفت "ذی قوۃ" ہے، یعنی حق کے کہنے میں کسی سے دبنے والے نہیں، نہ روایت کرنے میں، نہ سماع میں، نہ روایت کرنے کو پہچاننے میں ہر طرح متقن ہیں۔

"مکین" باعزّت عنداللہ ہونا ان کا معلوم ہوا، "مطاع" عنداللہ وعندالناس وہ مقبول ہیں، یہ راویوں کے سب اوصاف کتاب اللہ سے ثابت ہیں، اب ان راویوں کی چھان بین کرنا، پھر ان روایات میں جرح وتعدیل کرنا، ان کے تعارض کو دفع کرنا، پھر مسائل کا استنباط کرنا، ہمارا آپ کا کام نہیں ہے کہ ہم ان علوم کے ابجد میں بھی نہیں گئے، لہٰذا جن لوگوں نے یہ جانفشانی کرلی ہے، ان کی تقلید کے بغیر چارہ کار نہیں ہے، اسی لئے حدیث سے آپ مسئلہ نہیں نکال سکتے، ہاں! ترغیب وترہیب وفضائل کی آیات واحادیث آپ سمجھ سکتے ہیں، وہاں ہمارے لئے نصیحت کے لئے آسانی کی گئی ہے، باقی رہا مسائل واَحکام، اس میں تقلید کرلیں ورنہ خرط القتاد کے سوا کیا ہے۔

(ماہنامہ "البلاغ" کراچی جمادی الاولیٰ ۱۳۹۸ھ - مئی ۱۹۷۸ء)

مذہب اور عقل

کچھ لوگ مذہب اور عقل میں تضاد سمجھتے ہیں کہ جہاں مذہب کا نام سنا خیال کیا کہ یہ عقل کے خلاف کوئی راستہ ہے، مذہب کی کوئی بات آئی اور سمجھ لیا کہ یہ ضرور ماوراء عقل ہوگی اور جو بات عقل میں نہ آئے اس کو کیسے مان لیا جائے۔ یہ ٹھیک ہے مگر آپ ذرا غور کر کے بتائیں، جس کو ہم عقل کہتے ہیں وہ موجود تو ہے مگر عقل کو بغیر دیکھے اور دِکھائے کیا مان لیا جائے، کم از کم معلوم تو ہو کہ عقل کیسی ہے؟ کیسا اس کا رنگ ہے؟ وہ کہاں اور کدھر ہے؟ حالانکہ عقل سب کے پاس موجود ہے، اور عقل سے دُنیا کے تمام کام چل رہے ہیں، گویا دُنیا عقل ہی چلا رہی ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ بغیر عقل کی مدد کے کوئی کام نہیں ہوسکتا، سارے کام عقل ہی سرانجام دیتی ہے، اگر وہ دماغ میں ہے تو اُسے پھوڑ کر دِکھا سکتے ہیں کہ دیکھو یہ رہی عقل، آپ خوب غور کرلیں کہ یہ عقل عقل میں آتی ہے یا نہیں؟ سوچنا اچھا ہے۔

پھر یہ بھی سوچو کہ یہ ''سوچنا'' کیا چیز ہے؟ یہ لوہے کا ہے یا لکڑی کا؟ یعنی ''سوچ'' ہمارے اندر ہے تو سہی مگر یہ ہے کیا؟ اس کی تعریف؟ یعنی جو اس سوچ کو نہ جانتا ہو اور نہ مانتا ہو وہ کہتا ہے کہ پہلے مجھے دِکھاؤ یہ سوچ کس طرف کو ہے اور اس کا کیسا رنگ ہے؟ اس کو آپ سمجھائیں، اور سمجھائیں گے کیا؟ یہ سمجھنا خود سمجھ میں نہیں آتا، الٰہی یہ سمجھ آخر کیا چیز ہے؟ کیسی ہے؟ کدھر ہے؟ یہ کہاں رہتی ہے؟ گائے بکری کی سری لے آؤ، دِکھاؤ، بغیر دِکھائے مان لینا بے عقلی اور مذہبی بات کی طرح ہے کہ بس مان لو، سمجھاؤ تو سہی، پھر وہی بعض لوگوں کی عقل یہ کہتی ہے کہ جس چیز کی حقیقت

معلوم نہ ہو اُسے نہ مانو مگر حقیقت یہ ہے کہ عقل خود کوتاہ ہے، کتنی باتوں اور واقعات میں چکرا جاتی ہے، ہتھیار ڈال دیتی ہے، پھر خود اتنی ناقص ہو وہ کسی کامل مکمل و اکمل کی تہ تک نہ پہنچ سکے تو کیا استحالہ ہے؟

ہم تو یہی جانتے ہیں کہ جب ایک انسان کی عقل کام نہیں دیتی اور کسی بات کی تہ کو نہیں پہنچ سکتی تو اس فن کے ماہر اور اپنے سے زیادہ فہیم، دُور رس، تجربہ کار سے پوچھ لیتے ہیں اور اس بات کی ہدایت پر عمل کر لیتے ہیں۔

اسی قاعدے کے مطابق الٰہیات اور اَحکامِ خداوندی کے سب سے ماہرِ فن حضرات انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں، عقل اور آپ کی سمجھ میں نہ آئے تو ان سے معلوم کر لیں، یا ان کے واسطہ در واسطہ تعلیم یافتہ علمِ نبویہ کے ماہر موجود ہوں ان سے معلوم کر کے ان کی ہدایت پر عمل کرو اور جس طرح وہ کہیں تسلیم کرو کیونکہ ان کی ہر بات تحقیق شدہ، صحیح و سالم، یقینی طریقے سے ہم تک منتقل ہوتی چلی آرہی ہے، ان انبیاء علیہم السلام کی باتوں کو نقل یا مذہب اور شریعت کہتے ہیں، یہ تو عقل کے عین مطابق ہے۔

اگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو عقل اور مذہب میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے، مگر ایک صدا برابر گونج رہی ہے کہ مذہب اور عقل جدا جدا چیزیں ہیں، اور مذہب کا پیرو ہونا عقلیات سے بے بہرہ ہونے کا نام ہے، اس لئے جہاں مذہبی آدمی کا نام آیا اور سمجھا گیا کہ بس یہ کوئی بے عقل آدمی ہے، گویا اس کو دُنیا سے کوئی تعلق نہیں ہوگا، اور یہ ہم کو دُنیوی ترقی سے باز رکھے گا، سائنس کو مذہب کے مخالف سمجھتے ہیں۔

اس لئے جہاں یورپ اور سائنس کا ذکر آیا خود یہ خیال سما جاتا ہے کہ یہ فن مذہب میں رہ کر حاصل کرنے والی چیز نہیں ہے، اور سراسر خلافِ مذہب ہے، گویا صاحبِ مذہب کبھی بھی سائنس دان نہیں ہوسکتا، یہ خیال صحیح نہیں ہے۔

یہ بات بالکل عیاں ہے کہ علمائے سائنس نے مادّیات کے متعلق حیرت انگیز

ایجادات کی ہیں اور کر رہے ہیں، اور عجیب عجیب ایجادات سامنے آ رہی ہیں اور واقعی یہ صنعت کاری اور فن روز افزوں ترقی کر رہا ہے، مگر سوال یہ ہے کہ ان ایجادات کی صنعت کاری میں اسلام کے خلاف کون سی بات ہے؟ دُوسرے معنی میں اسلام کب ان ایجادات کے کرنے سے روکتا ہے؟ کیا خدا کو مان کر، اللہ کے رسول کو رسول مان کر، آخرت کو تسلیم کر لینے کے بعد یہ ایجادات نہیں ہوسکتیں؟

اگر اسلام ان ایجادات کے بعض غلط استعمال کرنے کو جس سے معاشرے میں فساد آتا اور اخلاق بگڑتے اور خرابیاں پھیلتی ہیں منع کرتا ہے تو اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ ایجادات کا اسلام دُشمن ہے، سائنس خدا کو مان کر اور اسلام پر چل کر پڑھنے کو کس نے منع کیا ہے؟

ورنہ یہ آواز کہ اسلام اور سائنس جدا جدا چیزیں ہیں، اور شور کرنا کہ ایک مسلمان، مسلمان رہتے ہوئے سائنس اور اس کی ایجادات کر ہی نہیں سکتا، یہ صرف مسلمان کو اس کے مذہب سے متنفر کرنا ہے۔ سائنس کی ایجادات سامنے کیں اور کہا کہ تم مسلمان ہو، اسلام پر رہ کر تم ایجاد نہیں کر رہے ہو، گویا اسلام کو خیر باد کہو پھر تم سائنس میں ترقی کرو گے ورنہ نہیں، یہ سب اسلام کے دُشمن عناصر کا پروپیگنڈا ہے، ان کا مقصد صرف مسلمانوں کو ان کے مذہب سے ہٹانا ہے کہ دیکھو دُنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی، تم اسلام کی وجہ سے پیچھے ہو، گویا ترقی سے مانع صرف اسلام ہے، اگر اسے چھوڑ دیا، صرف نام کے مسلمان رہو تب تم ترقی کرو گے، ذرا اسے بھی تو غور کرو۔

چلو یہ تسلیم کرلو کہ زمین گول ہے، اور زمین ساکن متحرک نہیں ہے، یہ بھی مان لو کہ چاند پر جاسکتے ہیں، اور بھی سائنس کی تمام ایجادات تسلیم کرلو، اور ان کے مان لینے سے خدا کی توحید میں کیا فرق آیا؟ یا نبوّت کا کون سا دعویٰ باطل ہوگیا؟ یا کون سی آیت یا حدیث کا انکار ہوگیا؟ جب ان میں کوئی فرق نہیں آیا تو علومِ جدیدہ اور اسلام میں تضاد کہاں سے لاکھڑا کردیا گیا؟ کیا خدا کو مان کر، نبوّت کو تسلیم کرکے یا آخرت کو

تسلیم کر لینے کے بعد یا قرآن کو خدا کا کلام کہنے کے بعد یہ ایجادات ناممکن ہو جائیں گی؟ پھر کیا بات ہے؟

دراصل بات کچھ اس طرح سے معلوم ہو رہی ہے کہ کسی کو اسلام سے دشمنی ہے، اور وہ آستین میں چھپ کر ایسی ترکیبیں کرتا ہے کہ معلوم بھی نہ ہو اور اس کا مقصد حل ہو جائے، جس کی ایک صورت یہ بھی نظر آتی ہے کہ اسلام کے قانونی و اخلاقی چند مسائل لے کر ان پر کچھ لیپا پوتی اور عبارات آرائی کر کے اس طرح پیش کرتا ہے اور پھر وہ ان کا مذاق بناتا ہے، مثال کے طور پر تعدّدِ نکاح، طلاق، جہاد، غلامی، حدودِ شرعیہ وغیرہ سو جو مسلمان ان کے یہ اعتراضات اور ان کے متعلق چہ میگوئیاں سنتا ہے وہ اسلام سے متنفر ہونے لگتا ہے، اور سارے اسلام ہی کو خیر باد کہنے کو تیار ہو جاتا ہے، گویا مطلب یہ ہوا کہ کسی مذہب میں ان چیزوں کا ہونا اس مذہب کے باطل ہونے کی دلیل ہے اور تماشا یہ ہے کہ درپردہ ان چیزوں کی ضرورت بھی تسلیم کرتے ہیں بلکہ کسی نہ کسی رنگ میں یہ سب باتیں ان کے اندر موجود ہیں صرف اسلام میں ہونا عیب ہے۔

اور دیکھئے سارا اسلام ان ہی چند چیزوں کا نام نہیں، وہ تو پورا کا پورا ایک مکمل نظامِ حیات ہے، ذرا اس اسلام کو اوّل سے آخر تک مطالعہ کریں، اس میں کتنی خوبیاں ہیں اور ان میں آپ کی قابلِ اعتراض باتوں کا ایک محل ہے اور موقع ہے، وہ موقع اور محل پر بالکل بجا بلکہ ضروری ہیں۔

کیسی ہی بہترین چیز ہو وہ اپنے محل ہی پر زیبائش دیتی ہے مگر جب اس کو محل سے ہٹا کر بے محل لا کھڑا کر دیا جائے پھر اس پر عیب لگایا جائے کہ دیکھو یہ کام کی نہیں ہے، یہ اس پر ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔

اصل خرابی افراد کی ہے نہ کہ اسلام کی کیونکہ بعض افراد تو عقل کے اتنے پابند ہوتے ہیں کہ جو چیز ان کی عقل سے خارج ہو اُسے تسلیم ہی نہیں کرتے، اور بعض افراد اپنے مقتداء کے ایسے معتقد ہوتے ہیں کہ اپنے مقتداء سے کوئی بات سن لیں بس

گردن جھکا دیتے ہیں خواہ وہ کتنی ہے بے ٹھکانہ اور غلط ہو، پھر ان دونوں گروہوں میں باہم طعن و تشنیع کا بازار گرم ہوتا ہے۔

ہاں! اگر انسان ذرا غور و فکر سے کام لے تو عقل و مذہب میں کوئی تضاد نہ پائے گا، یہ دونوں یکجا ہو سکتے ہیں، اور دونوں سے ایک ہی وقت کام لیا جا سکتا ہے۔

جو لوگ مذہب کو چھوڑ کر محض عقل ہی کو کافی سمجھتے ہیں ان کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ یہ تو مانتے ہیں کہ سب انسانوں کی عقل یکساں نہیں ہے، کسی کی کتنی، کسی کی کتنی، کسی کی موٹی عقل، کسی کی باریک، ایک عقدہ ایک کی عقل میں آجاتا ہے، دُوسرے کی وہاں عقل نہیں آتی، پھر عقلِ انسانی غلطی بھی کرتی رہتی ہے، اور بہت سی محسوس اشیاء کی حقیقت معلوم کرتے ہیں، حیران ہے اسی لئے عقلاء ایک دُوسرے کے خلاف باتیں کہتے ہیں، بالآخر ان عقلوں میں تضاد کیوں ہے؟ کتنی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ معاملہ بھی ایک، موقع و محل بھی ایک، وقت بھی ایک اور عقل بھی سب کے پاس موجود مگر پھر ان میں زمین و آسمان کا اختلاف ہوتا ہے، اس کا فیصلہ یہی ہے کہ اپنے سے زیادہ جاننے والے اور عقل والے سے معلوم کرلیا جائے اور جو وہ فیصلہ دیدے بے کم و کاست اُسے قبول کرلیا جائے۔

اسی طرح جن باریکیوں کو ہم نے نہ سمجھا ہو، ہماری عقل کی دسترس سے باہر ہیں، مگر دُنیا ہی سب سے زیادہ راست باز عقل والے یعنی خدا کے فرستادہ پیغمبر جن کی صداقت پر سینکڑوں آیاتِ بینات دلالت کرتی ہیں کسی بات کی خبر دیں اور ہم ان پر اعتقاد کر کے ان کی باتیں تسلیم کرلیں تو کون سی اس میں خرابی ہے یہ تو عقل ہی کا فیصلہ ہے۔

بے جا بحث

کیا ہماری آنکھوں نے ان تمام چیزوں کو دیکھ لیا جن کو آنکھ دیکھ سکتی ہے؟ کیا

ہمارے کانوں نے وہ تمام آوازیں سن لی ہیں جن کو یہ کان سن سکتے ہیں؟ کیا ہمارے ہاتھوں نے ان تمام چیزوں کو چھولیا ہے جسے یہ چھو سکتے ہیں؟ یا ہماری زبانوں نے ان تمام الفاظ کو ادا کرلیا ہے جسے زبان بول سکتی ہے؟ جب ہمارے حواس نے ہمارے تمام مقدرات پر احاطہ نہیں کیا ہے اور نہ ہی یہ احاطہ کرسکتے ہیں تو پھر عقل ہی کی کیا بحث ہے کہ اس عقل کو اپنی تمام معقولات پر تصرف حاصل ہو اور ہر چیز اس کے احاطے میں آجایا کرے، قول اس کی حد سے باہر ہی کیوں نہ ہو اور خدا کی ذات و صفات کے مسائل جو عقل کی دسترس سے باہر ہیں اس کے قابو میں آجائیں اور کوئی حقیقت ایسی نہ ہو کہ وہ ہر ایک کی عقل میں آجانا ضروری ہو یہ بحث بے جا ہے۔

اِدھر آیئے!

یہ پانی اور مٹی اور آگ جسے ہم ہر وقت دیکھتے ہیں مگر ان کی حقیقت معلوم کرنے سے ہم کیا، بڑے بڑے فلاسفر قاصر ہیں کہ ان کی حقیقت کیا ہو، بندۂ خدا یہی ایمان کی حقیقت سمجھو کہ ہم اللہ و رسول کی باتیں مانتے ہیں، یہ ہمارا نفس کیا ہے اس کو کیسے تعبیر کریں؟ میرے جی میں آتا ہے یہ جی کیا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ صرف ہم تعبیر کردیتے ہیں مگر اس کی حقیقت کیا ہے؟ عقل اِدھر اُدھر کی باتیں بنائے گی، عاجز سوائے اس کے کہ یوں کہے کہ ہم اسے مانتے ہیں۔

جب ہم اپنی دیکھی بھالی اور ذاتی چیزوں کے حقائق سے واقف نہیں، یہاں عقل ہتھیار ڈال دیتی ہے، تو بھلا غیب کے اسرار، ملکوت کے حقائق و دقائق پر عقل کو کیسے رسائی ہو؟

غیب کی اَن دیکھے حقائق پر تو وہی مطلع کرسکتا ہے جس کو خدائے خالق ہی کی طرف سے تائید حاصل ہو اور اس کے مبعوث من اللہ ہونے کے دلائل اور ہزاروں علامتیں ظاہر ہوچکی ہوں، اور جو شخص محض اپنی عقل کے ذریعہ ان الٰہیات کے مسائل

میں چلے گا وہ ضرور گرے گا، خدا اور اس کی صفات مثلاً وہ سمیع ہے، بصیر ہے، رازق ہے، وہی شافی ہے، یہ صفات صرف وہی شخص بتلاسکتا ہے جو اس اللہ کا فرستادہ ہو، وہ بھی پھر جتنا اور جیسا اس کو علم دیا گیا ہو اور کسی کی مجال نہیں کہ بیان کر سکے۔

ضروری اَمر

لہٰذا ہر انسان پر لازم ہے کہ وہ اللہ کے رسول کے اقوال پر اعتماد کرے جس رسول کی راست بازی اور حق ہونا قوی دلائل سے ثابت ہو چکا ہو، جب اس پیغمبر اور اللہ کے رسول کو پَرکھ لیا، ان کے ہر قول وفعل اور زندگی کو دیکھ لیا اور یقین کرلیا کہ واقعی اللہ نے ان کو مخلوق کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے اور جو کچھ یہ کہتے ہیں اللہ کی بات ہوتی ہے، یہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے بلکہ اللہ کا فرمان من وعن پہنچاتے ہیں، ان کے کہے ہوئے پر اعتماد کرکے اپنے دِل کو اِضطراب و شک کی بیماریوں سے پاک کرو تب ایمان آئے گا۔

جب آپ ان پر ایمان لے آئے، ان کو اللہ کا رسول تسلیم کرلیا، آپ بالکل نہ گھبراؤ، ان کی ہر بات صحیح اور دُرست ہوتی ہے، اور سمجھ لو کہ مذہبِ اسلام مذہبِ حق ہے اور اس کے تمام اَحکام عقل کے خلاف بالکل نہیں ہیں۔

اَحکام کا تعین اور عقل

ہاں! ایک اعتبار سے یہ بھی صحیح ہے کہ نبوّت و ولایت کا درجہ عقل سے بالاتر ہے، اور یہ بھی غلط نہیں کہ ہر ایک علم عقل ہی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، اور اس کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ شریعت کے تمام اَحکام مصالح پر مبنی ہیں، اور یہ کہنا بھی بے جا نہیں کہ محض عقل کسی اَمر کی تحقیق کرنے کے لئے اس کی تمام مصالح کی گہرائیوں میں جاکر اس کو فرض یا حرام کرنے کے لئے کافی نہیں، اسی بات کو اور اچھی طرح سمجھنے کے لئے حضرت اِمام غزالیؒ کی نصیحت یاد رکھو۔

اِمام غزالیؒ کی نصیحت

وہ کہتے ہیں کہ نہ عقل نقل سے الگ ہوسکتی ہے، نہ نقل عقل سے بے نیاز ہے، جیسا کہ عقل کو معزول کر کے تقلیدِ محض کی طرف بلانے والا جاہل ہے، اسی طرح وہ شخص بھی دھوکے میں ہے جو قرآن و سنت کو چھوڑ کر صرف اپنی عقل پر بھروسہ کر رہا ہے، تم کو ان دونوں گروہوں میں سے کسی میں بھی داخل نہ ہونا چاہئے، بلکہ عقل و نقل کا جامع بننا چاہئے کیونکہ علومِ عقلیہ عقل کی غذا اور علومِ شرعیہ ان کی دوا ہیں، اور جو مریض دوا کا استعمال نہ کرے محض غذا کا استعمال کرتا ہے اس کو نقصان ہوگا، اس لئے کہ مریض کے لئے دوا کا استعمال بھی ضروری ہے، دِل کے امراض کی بھی دوا یہی ہے، یعنی امراضِ قلب کے لئے اعمالِ شرعیہ نماز، روزہ وغیرہ دوا ہیں، ان دواؤں کو اللہ کے پیغمبر نے ترتیب دیا ہے، ان کے فرمائے ہوئے ارشاد کے بالکل مطابق عمل کرنا چاہئے۔

جس کا قلب بیمار ہو مثلاً یہ کہ اس میں کفر و نفاق، شک و شبہات، عدمِ یقین وغیرہ کے اَمراض ہوں پھر معالجۂ شرعیہ کے مطابق وہ دوا نہ کرے، محض علومِ عقلیہ کو اپنے لئے کافی سمجھے وہ اس طرح ہلاک ہوگا جس طرح بیمار آدمی صرف غذا کے استعمال سے ہلاک ہوجاتا ہے، اِلَّا یہ کہ کوئی غذا ہی دوا کے طور پر دی جائے اور کسی غذا میں دوا و معالجے کا جز بھی داخل ہو تو یہ مرض مع الدواء ہوا، بہرحال دوا کا استعمال ضروری ہے۔

قوّتِ علمیہ و عملیہ

دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے عقل پیدا کی، عقل کا کام یہ ہے کہ وہ نفع دینے والی اور نقصان دینے والی چیزوں کو تمیز دیوے، جائز و ناجائز کو الگ الگ کردے، نیک و بد، صواب و ناصواب، نیکی اور گناہ میں فرق کرے کہ یہ کام نیک ہے اور یہ کام بُرا ہے،

اس تمیز دینے والی قوت کو قوتِ علمیہ کہیں گے، پھر عقل کے فتویٰ دے دینے کے بعد یہ اعضائے انسانی اسی طرح کام کریں گے اور تعمیل میں لگ جائیں گے جیسا کہ عقل نے حکم کیا ہے، اس تعمیل میں لگنے کو قوتِ عملیہ کہتے ہیں، تو ایک قوتِ علمیہ ہوئی اور دُوسری قوتِ عملیہ ہوئی۔

نیک و بد

یہ بات تو ظاہر ہی ہے کہ اس قوتِ عملیہ کے میدان میں نیک و بد دونوں باتیں موجود ہوں گی، نافع بھی اور مضر بھی، ان دونوں کے ہوتے ہوئے پھر عقل ان میں سے انتخاب کرے گی اور قوتِ عملیہ کو بد سے بچنے اور نیک پر چلنے کا حکم دے گی۔

اور قوتِ عملیہ کا کام نیک کام اختیار کرنا ہے اور بد سے بچنا ہے، کیونکہ نیک نافع ہے اور بد مضر ہوتا ہے، گویا قوتِ علمیہ اچھے بُرے ہونے کا فتویٰ دے اور قوتِ عملیہ اس پر عمل کرے۔

مگر یہ بات رہ گئی کہ ان نیک و بد کو پہچاننے کا طریقہ کیا ہوگا؟ اور معیار کیا ہونا چاہئے؟ کس طرح معلوم ہو کہ یہ کام اس وقت یا آئندہ میرے لئے نفع دینے والا ہے، یا انجام کار ضرَر دینے والا ہے، اس سے راحت ہوگی یا عذاب ہوگا، یہ نیک ہے یا بد ہے؟ اس نافع و مضر اور نیک و بد کی تمیز دینے میں عقل کافی نہیں ہے، ورنہ ہر عقل مند ہمیشہ کامیاب ہی ہوا کرتا، مگر ہم نے دیکھا ہے کہ بڑے بڑے عقل مند نقصان کا کام کرلیتے ہیں اور نقصان میں چلے جاتے ہیں پھر عمر بھر نہیں اُبھرتے، عقل اپنے ہتھیار ڈال دیتی ہے، معلوم ہوا نفع وضرَر نیک و بد کو تو ان کا خالق ہی بتا سکتا ہے جس نے نیک و بد پیدا کیا ہے۔

یا اس خالق کے پیغام لانے والے پیغمبر اس پیغام کے ذریعہ جو خدا نے ان کو دیا ہے، تاکہ وہ مخلوق کو ہدایت کریں، ان پر خالق نے تمام ہدایات کے اَحکام نازل

کئے، وہی سراسر ہدایت اور نیک و بد، نافع و مضر باتیں خالق کی جانب سے اس کی مخلوق کو سمجھاتے ہیں کہ یہ نیک کام ہے، یہ گناہ ہے، انجام کار نیک کام باعثِ صد راحت اور گناہ باعثِ عذاب ہوگا۔

ان تمام اَحکام کو جو اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں پر نازل کرتے ہیں ''مذہب'' کہتے ہیں، اور جو اَحکام اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائے ان کو ''مذہبِ اسلام'' کہتے ہیں۔

اور یہ بھی ماننا پڑے گا کہ یہ مذہبِ اسلام عقل کے موافق ہے، خلافِ عقل نہیں، ورنہ خدائے دانا و بینا کی دانائی پر اعتراض لازم آتا ہے کہ اس نے عقل کو ہمارے قوائے جسمانی پر حکومت عطا کی تاکہ یہ تمام اعضاء عقل کے اشارے پر کام کریں اور رسول کو بھی ہم پر حاکم بنا کر بھیجا کہ اس کی بھی پوری اطاعت کی جائے، سو اگر ان عقل اور رسول کے اَحکام میں تضاد ہو تو حاکموں کا ایک مقام پر متضاد حکم جاری ہونا، جو محال ہے، ماننا پڑے گا۔

اور اس کا لازمی نتیجہ سرتابی نکلے گا اور فساد ہوگا، اس لئے ماننا پڑے گا کہ سچا مذہب وہی ہے جو عقلِ سلیم کے مطابق ہو، جیسا کہ مذہبِ اسلام ہے، تمام قرآن و حدیث کا منشاء یہی ہے کہ یہ دونوں عقل کے مطابق اعمال کا حکم کرتے ہیں، جس کی عقل سلیم ہو اور کسی ایسے مرض میں مبتلا نہ ہو جس سے عقل کی صحت ہی خراب ہو جاتی ہے وہ ایمان داری سے جانچ لے گا کہ تمام اعمالِ شرعیہ عقل کے مطابق ہیں، مذہبِ اسلام ان ہی سچے اعمال کا حکم کرتا ہے اور اسے ہدایت کرتا ہے جن اَحکام کا بھیجنے والا پروردگارِ عالم ہے اور ان کے لانے والے صادق القول و امین پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اب سوال یہ ہوگا کہ کسی کی عقل کے بیمار ہونے اور سلیم ہونے کو پہچاننے کا معیار کیا ہے تاکہ اس عقلِ سلیم کے قول پر عمل کریں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جس انسان کی رُوح کی صحت اور عقل کی سلامتی

دلائلِ قویہ سے ثابت ہو چکی ہو جیسا کہ حضراتِ پیغمبر علیہم السلام ہوتے ہیں، ایسے پاک لوگ کسی عمل کے نیک و بد ہونے کا اعلان کریں تو حقیقت میں وہ ویسا ہی نیک و بد ہوگا لیکن جب ہماری قوتِ عملیہ ان کے حکم کے خلاف عمل کرے تو سمجھ لینا چاہئے کہ ہماری عقل بیمار ہے اور مضرّت رساں ہے، اور اس سے زائد وہ مرض ہوگا کہ جس بات کو خود ہماری عقل بھی مضر شمار کرے اور ہم اس پر عمل کریں، اور اس طرح مرض پر مرض ہوتے چلے جاتے ہیں اور ہماری رُوح بیمار ہوتی چلی جاتی ہے، جیسے زنا، قتل، چوری، حسد، کبر، کینہ وغیرہ، طمع، شہوت پرستی، عیش پرستی ان جیسے اَمراضِ متعدیہ میں انسان مبتلا ہو اور اس کو عقلِ سلیم منع کرے، ان کی جگہ نیک اخلاق کی تعلیم کرے، اس پر یہ مریض عقلِ سلیم کی باتوں پر طرح طرح کے اعتراضات کرے اور در پردہ یہ کہے کہ میں آزاد ہوں، مجھے روکنے کا کسی کو کیا حق ہے؟ یعنی مرض میں مبتلا ہونے کو ''آزادی'' کہے اور ان کے ترک کرانے کو ''قدامت پرستی'' سے تعبیر کرکے اَمراضِ مہلکہ میں مبتلا ہوتا چلا جائے اور مریض سے مریض تر ہوتا جائے، مرض کو دوا اور دوا کو مرض تصوّر کرے تو اس جسم و زمین میں سوائے فساد کے اور کیا ظاہر ہوگا؟ جیسا کہ فی زمانہ معاشرے کا آپ حال دیکھ رہے ہیں، چین و آرام اور سکونِ قلبی ختم ہوتا چلا جارہا ہے، اَمراض اُبھر رہے ہیں، مگر ان کو موجبِ راحت سمجھ کر قلبی سکون کو خیرباد کہا جارہا ہے، اور ہر شخص پریشانی میں مبتلا ہے، مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

اسے یوں سمجھ لو کہ ایک دوست کو بخار آیا اور اس کے پاس دوست آئے اور کہنے لگے کہ یہاں تم اس وقت بڑے مزے میں ہو، اپنے آزاد ہو، نہ اسکول جانا پڑے گا کہ خواہ مخواہ کی تم پر قید لگا رکھی ہے کہ وقت کی پابندی کرو، اسکول سے اس وقت آؤ، اس وقت جاؤ، یہ پڑھو، یہ نہ پڑھو، وہاں نہ جاؤ، ان گھر والوں نے آزادی کو سلب کرکے رکھ دیا ہے، تم اب اس سے چُھوٹے، آرام سے بستر پر لیٹے رہو، دُودھ ڈبل روٹی کھانے کو ملے گی، اور دوائی پینا اور ڈاکٹر کے پاس آنا جانا یہ سب قید و بند

اور قدامت پرستی ہے، ان کی کیا ضرورت ہے!

آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ علاج صرف ڈاکٹر ہی سے کرایا جائے، آخر ہم عقل والے نہیں ہیں! تم خود علاج نہیں کر سکتے ہو، اور ہمیشہ جب بخار چڑھے تو دوائی ہی کی کیا ضرورت ہے، آزادی اچھی ہے، ان ڈاکٹروں سے رُجوع کرنا اور ان کی ہی رائے کی پابندی کرنا، یہ کھاؤ، یہ نہ کھاؤ، اور دوائی کے اوقات کی پابندی لکیر کے فقیر ہونا ہے، بس تم آزاد ہو، اور جو مرضی آئے پروا نہ کرو، کھاؤ پیو اور جو تم کو ان قیود میں پھنسائے وہ دُشمن ہے، ان کی بات ہی نہ مانو۔

اس پر کسی دوست نے کہا کہ تم بھی کچھ رواداری کرو، یعنی اس کے ساتھ بستر ے پر شریکِ بخار ہوجاؤ، تنگ نظری نہ کرو، فراخ دِلی سے کام لو، تھوڑا تھوڑا بخار سب تقسیم کرلو، یا کم از کم اس کی جو دوا آچکی ہے آدھی تم نوشِ جان کرلو۔

تیسرا بولا: ہاں! پھر نہ بیمار رہے، نہ بیماری رہے، اچھا حیات بھی تو ایک قید ہے، اس سے آزادی دِلواؤ، حیات بھی ایک قید ہے، خوب سمجھ لو اور سنو، جو چیزیں ہم دیکھ لیتے ہیں ان کے اچھا بُرا ہونے کا فیصلہ ہم کرلیتے ہیں، مثلاً ہم نے کوٹ سلوایا، اسے دیکھا اور فیصلہ کرلیا کہ یہ اچھا ہے یا بُرا ہے، لیکن جو چیزیں دِکھائی نہیں دیتیں اور واقعۃً وہ موجود ہیں تو ان پر سوائے حق تعالیٰ کے یا اس کے رسول کے کون بتا سکتا ہے کہ یہ اچھی ہے یا بُری ہے اور اس تمیز کے لئے عقل کافی نہیں ہے۔

ذرا سوچو اور غور کرو کہ کسی کے طبیبِ حاذق اور ڈاکٹر ہونے کا کیا یہ ثبوت اور معیار نہیں ہے کہ اس کے ہاتھ ہزاروں لاکھوں مریضوں کو شفا ہوگئی ہو اور لوگ شفا پارہے ہوں اور شفا پانے والے اس کی شہادت دیتے ہیں۔

اسی طرح کسی ڈاکٹر سے بستی کی بستی شفایاب ہوجائے اور تندرستی ظاہر نظر آتی ہو تو کیا اس شخص کے ڈاکٹری کے ثبوت کے لئے منطقی دلائل کی ضرورت ہوگی یا بلا دلیل اس کی حالت دیکھ کر اور کیفیت ملاحظہ کر کے بلا کھٹک اس کو ڈاکٹر

تسلیم کرلیا جائے گا۔

جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو سنو! سرخیل اطبائے رُوحانی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے زمانے اور مقام پر پیدا ہوئے کہ وہی مقام نہیں بلکہ تمام دُنیا مرضِ رُوحانی میں مبتلا، سکتے کی حالت میں تھی، اور ایسے مقام پر مبعوث ہوئے جہاں اخلاق کی تعلیم کا کوئی سامان نہ تھا اور آپ کے ذمہ ایسے لوگوں کی اصلاح رکھی گئی جو سوائے اوہام و عقائدِ فاسدہ، باطل خیالات، غلط کاریوں، وحشیانہ اعمال، بداخلاقی، لڑائی وخونریزی کی آخری صف میں تھے۔

آپ کے اِلہامی کلام اور تربیت کی تاثیر نے ان میں وہ خوبی پیدا کی کہ تمام ظاہری و باطنی حالتیں بدل گئیں، جو مشرک تھے موحد ہوگئے، کافر تھے وہ مؤمن بن گئے، جو بت پرست تھے وہ بت شکن ہوگئے، گمراہوں کو خدائی راہ دِکھانے والے بنے، جاہلانہ عصبیت، وحشیانہ حمیت کا نام تک نہ رہا، خاندانی جھگڑے، پشتینی عداوتیں ختم، دِماغ غرور ونخوت سے خالی بلکہ قلوب صبر وتحمل، شکر، توکل، حلم، زُہد، پرہیزگاری غرض تمام اخلاقِ حمیدہ سے مزین ہوگئے، آپ کی تعلیم نے ایک ایسی جماعت پیدا کی جس نے چہار دانگ عالم میں توحید کا عَلَم بلند کیا، بت خانوں کا نشان مٹادیا، آتش کدے ٹھنڈے پڑگئے، صلیب کا طلسم ٹوٹ گیا، اوہام پرستی کا قلع قمع ہوگیا، جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔

تو یہ ثبوت کافی و وافی نہیں کہ واقعی وہ مبعوث من اللہ تھے ورنہ یہ انسان کا کام نہیں کہ عرب کی ایسی بگڑی ہوئی قوم کو جو ذرا سی بات پر صدیوں لڑتے رہتے تھے رشتۂ اُخوت میں باندھ دیا، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی عجیب وغریب حیرت انگیز تعلیم کو دیکھ کر منکرین بھی معترف ہیں کہ یہ کایا پلٹ بشری طاقت سے باہر ہے، یہ کارنامہ اَحکامِ الٰہی کے سوانہیں ہے، ایسی کھلی دلیلوں کے ہوتے ہوئے ان کے رسول ہونے کا انکار محروم البصیرت ہی کرسکتا ہے یا پھر ایسا مریض جو دوا کو ہاتھ نہ لگائے اور

مرض ہی میں گھلتا رہے، اس صداقت کے ہوتے ہوئے اُلجھنوں میں اپنی عمرِ عزیز ضائع کرنے سے فائدہ کیا؟ اس طبیبِ حاذق کے لائے ہوئے نسخوں ہی سے مرض دُور ہوگا اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔

عقل تو خود ناقص ہے

دیکھئے! جتنی چیزیں دِکھائی دیتی ہیں نگاہ دیکھ کر ان چیزوں میں امتیاز کرتی ہے کہ یہ اچھی ہے اور یہ بُری ہے، اس دیکھنے والی قوت کو قوتِ باصرہ کہتے ہیں، یہ عقل ہماری بغیر قوتِ باصرہ کے عاجز ہے، جب تک آنکھ دیکھ کر نہ بتلائے یہ عقل کام ہی نہیں کرسکتی کہ یہ کالا ہے یا سفید ہے اور مفید ہے یا غیر مفید ہے۔

اسی طرح ہماری قوتِ سامعہ جب تک سن کر کچھ نہ بتلائے عقل کچھ نہیں کرسکتی، کانوں کی یہ محتاج ہے، یہ کہہ دیتی ہے کہ میں نے دیکھا ہی نہیں یا سنا ہی نہیں، تو اس کا اچھا بُرا کیا بتلاؤں؟ اسی طرح چکھنے کی قوت اور سونگھنے کی قوت اور پکڑنے اور چھونے کی قوت کے بغیر عقل ناکارۂ محض ہے، یہ حواسِ خمسہ ظاہرہ کہلاتے ہیں، عقل ان کے بغیر ناقص ہی نہیں ناکارہ ہے، اسی طرح حواسِ باطنہ کو قیاس کرلو، انسان میں قوتِ مفکرہ ہے جو سوچتی ہے وہ عقل کی خادم ہے، جب عقل اس کی غلام ہوجاتی ہے تو کام ہی اُلٹ پلٹ ہوجاتا ہے۔

تو تم خود غور کرو کہ عقل فی حد ذاتہ کس قدر جاہل اور بے بس اور دُوسری قوتوں کی کس قدر محتاج ہے، پھر بڑے بڑے عقلاء کی عقل ٹھوکریں کھاجاتی ہے اسی لئے انسان کرکے پھر پچھتاتا ہے، یہ عقل کی کمی اور اس کی لغزش ہی تو ہے۔

سو اس عقل کو اس کا پیدا کرنے والا خداوندِ قدوس کوئی خبر دے اور یہ عقل خدا کی بتلائی بات کو ٹال دے یا یہ کہے کہ میرا غور وفکر اس بات کو رَدّ کرتا ہے، یہ کس قدر بے عقلی کی بات ہے۔

غور و فکر انسان کا فکر اس کے خیال کا مقلد ہے، یعنی جیسا خیال آ گیا اس کا خیال بندھ گیا، بس فکر اس کے لے لینے پر مجبور ہے، تیرا یہ خیال خود حواسِ خمسہ کا محتاج ہے، پھر قوتِ حافظہ اور قوتِ مذکرہ کا بھی یہی معاملہ ہے، سب کو ایک دُوسرے کی احتیاج ہے بغیر ایک دُوسرے کی مدد لئے کام ہی نہیں دے سکتے، یہی حال عقل کا ہے۔

یہ عقل کس قدر جاہل ہے، اس نے اپنی بے مائیگی اور جہالت و احتیاج پر تو نظر نہ کی اور حق تعالیٰ اور اس کی وحی پر جرح کرنے لگ پڑی، جب تک قوتِ مصوّرہ تصویر پیش نہ کرے یا قوتِ خیالیہ اسے علوم عطا نہ کرے عقل بے بس ہے، تو عقل قوتِ خیالیہ، قوتِ مذکرہ، قوتِ مصوّرہ، قوتِ حافظہ، قوتِ فکریہ کے بغیر کچھ نہیں کر سکتی، جب اتنی عاجز ہے تو اُسے چاہئے کہ عالمِ غیب کے سامنے دست درازی نہ کرے، اس کی بخششوں کو لے اور سرِ تسلیم خم کرے، اور پہلے ایمان لائے پھر اپنا جو کام ہو کرے۔

تم جانتے ہو کہ جتنی قوّتیں ظاہری و باطنی انسان کے اندر ہیں ان سب کی ایک حد مقرّر ہے، چلتے چلتے انسان کہہ دیتا ہے کہ اب نہیں چلا جاتا، ہاتھ کام کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں، قوّتِ سامعہ، قوّتِ باصرہ، ہر قوّتِ انسانی ایک حد پر جا کر جواب دے دیتی ہے کہ آگے میرے بس کا نہیں، عقل کی قوّت ذرا ان سے دراز سمجھو مگر وہ بھی ایک حد پر جا کر رُک جاتی ہے اور عاجز ہو جاتی ہے، چکرا جاتی ہے، تو عقل کمزور و ضعیف ہوئی۔

ہر بات آپ سن نہیں سکتے، ہر چیز آپ دیکھ نہیں سکتے، ہر چیز کو پکڑ نہیں سکتے، ہر بات بتا نہیں سکتے، ہر جگہ چل نہیں سکتے، ہر چیز آپ دیکھ نہیں سکتے، ہر بات آپ سوچ نہیں سکتے، پھر عقل کو کیوں اتنا بڑھاتے ہو کہ ہماری عقل میں جب تک نہیں آئے کیسے مان لیں، وہ عقل ہے کتنی، وحیٔ الٰہی تو سمندر کی طرح ہے، اب سمندر کے کنارے اپنے عقل کا پیالہ لئے کھڑے رہئے کہ یہ سمندر اس پیالے میں کیوں نہیں آ سکتا؟ جب تک یہ سمندر میرے پیالے میں نہ آ جائے گا میں اس کو مانتا ہی نہیں،

ٹھیک ہے، رکھواس پیالے کو اپنے پاس۔

اور ہر قوت کا کام الگ الگ ہے، مثلاً خوبصورت یا بدصورت کو کان تو ادراک نہیں کریں گے، اچھی بُری آواز کو آنکھ نہیں بتلاسکتی، خوشبو و بدبو کو ہاتھ چھوکر نہیں بتلائیں گے، تلخ و شیریں کو ناک نہیں بتلاسکتی، تو جب ان تمام قوائے انسانی کی یہ تنگ میدانی اور بے چارگی ہے تو آپ اپنی عقل ہی کو کیوں اتنا آگے کرتے ہیں جو اس کی حد سے بالاتر ہے اُسے قبول نہیں کر سکتے۔

آخر اللہ کے رسول ایک اور قوت کی طرف دعوت دیتے ہیں جس کے اَحکام اس عقل اور آپ کی قوتِ مفکرہ سے بالاتر ہیں اور اس پر عمل کرنے والا ایک نہیں کروڑوں راست باز، خداترس، بااخلاق انسان بن چکے ہیں اور موجود ہیں، اور جو بھی صحیح طور سے عمل کرے وہ ضرور بن جاتا ہے، آخر اسے ماننے میں اور تسلیم کرنے میں کون سی خرابی لازم آتی ہے، سوائے خیر کے اس میں دُوسری بات ہی نہیں ہے۔

اس لئے اَحکامِ الٰہی کے ماننے میں ان مریضانِ عقول کی پروا نہ کرو جو عقل کی ترازو میں ہر چیز کو تولنا چاہتے ہیں خواہ اس ترازو میں آئے یا نہ آئے، خواہ ترازو ہی ٹوٹ جائے۔

عقل بھیا خود مخلوق ہے، لہٰذا مخلوق کے مقابلے میں خالق کی تقلید کرو کیونکہ تمام راست باز، حق گو، حق شناس سب سے زیادہ خصائلِ حمیدہ رکھنے والے انسان انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام ہیں پھر انسان کے ہر خطے، ہر زبان، ہر صنفِ انسانی نے اس کی تصدیق کی اور اس پر ایمان لائے اور تاعمر اس پر قائم رہے، اسی کو پسند کرتے رہے ہیں اور اب بھی ہیں اور آئندہ بھی رہیں گے، اتنے انسان جس بات کو مان لیتے ہوں وہ اسے پرکھ چکے ہوں وہ کتنی قابلِ اطمینان بات ہوسکتی ہے، اس پر تو فوراً ایمان لے آنا چاہئے، اپنے اوہام کی بجائے خالقِ اوہام کی پرستش کرنا ہی اَوْلیٰ ہے، اے منکر! تو اپنے خدا کے برگزیدہ بندوں کی رائے کے مقابلے میں اپنی رائے کو

معلوم نہیں کیوں اچھا سمجھتا ہے، ذرا تو غور کر کہ اگر ہر ہر شخص کو یہ اختیار دے دیا جائے کہ وہ خود اپنی عقل کے مطابق قوانین تراشے تو پھر کیسا خلفشار ہوگا اور ایک دُوسرے سے متنفر و کثیر النزاع مفاسد میں رہ کر زندگی محال ہو جائے گی۔

فیصلہ

بس انسان کو چاہئے کہ اپنی عقلی معلومات کو شرعی معلومات کے تابع بنائے پھر ایمان لے آئے ان اَحکامِ الٰہی جسے شریعتِ اسلام کہتے ہیں تسلیم کرلے، اس کے بعد غور وفکر کرے تو تمام گتھیاں سلجھتی چلی جائیں گی اور پھر مذہب و عقل میں کوئی تضاد نظر نہیں آئے گا، بلکہ مذہبِ اسلام کا ہر مسئلہ عقل کی ترازو میں اِن شاء اللہ پورا ہی اُترے گا، فلیفعل۔　　(ملخص از عقل ونقل)

(ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی شعبان ۱۳۹۸ھ - اگست ۱۹۷۸ء)

حضرت مفتیٔ اعظمؒ کا اندازِ تربیت

اور حضرات تو قبلہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فضائلِ علمی و علی بیان کریں گے، اگرچہ وہ قلم سے اوپر ہوں گے مگر میں تو حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ کی تربیت السالکین کا ہلکا سا نقشہ آپ بیتی میں دِکھانا چاہتا ہوں، جو انبار میں سے مثل ذرّہ کے ہے۔

احقر نے ۱۳۵۳ھ میں ایک سال مظاہر العلوم سہارنپور میں رہ کر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور اسباق شروع ہوگئے، میرا مزاج تنہائی پسند تھا مگر ساتھ ہی صحبتِ بزرگاں کا چسکا بھی لگا ہوا تھا، دارالعلوم بزرگانِ دِین کا مکمل گہوارہ تھا، کسی بات کی کوئی کمی نہ تھی، اپنی اپنی طبیعت کا رُجحان ہوتا ہے، صحبت میں بیٹھ جانے کے لئے میری طبیعت نے قبلہ مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ عیہ ہی کو منتخب کیا، حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ دارالافتاء میں تشریف لاتے اور بڑے سکون و وقار کے ساتھ افتاء کا کام کیا کرتے تھے، جب موقع ملتا بس حضرتِ والا کی خدمت میں کبھی کسی مسئلے کو معلوم کرنے کے بہانے، کبھی ویسے ہی حاضری ہوتی اور بڑا سکون معلوم ہوتا تھا، طبیعت کا رنگ نکھر آتا تھا۔ مولانا مسعود احمد صاحب نائب مفتی تھے، فتاویٰ کے نقول کے رجسٹر پڑھنے کی اجازت ہوگئی، بڑی عجیب علمی کیفیت محسوس ہوتی تھی، رفتہ رفتہ قبلہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل معلوم ہونے لگے، یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت نے دارالعلوم کے کتب خانے کی کل یا اکثر کتابوں کا مطالعہ کیا ہوا ہے، شوق ہوا کہ دارالعلوم کا کتب خانہ دیکھیں گے، اوقات معلوم کئے اور کتب خانے میں گئے تو اپنی عمر

میں اتنا بڑا کتب خانہ دیکھنا نصیب ہوا، سب طرف گھوم کر اندازہ لگایا شاید ایک لاکھ کتابیں تو ہوں گی، اس سے حضرت قبلہ مفتی صاحب کی علمی کاوش اور لگن معلوم ہوئی، اور خود بھی اسی وقت سے مطالعے کا شوق پیدا ہوا، اسی طرح طالب علمی کے زمانے کے حضرت کے اعلیٰ نمبروں میں کامیابی کی باتیں کانوں میں پڑتی رہیں اور اعتقاد میں ترقی ہوتی رہی، پھر خارج وقت میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم کی مسجد میں قرآنِ کریم کا ترجمہ پڑھانا شروع کیا تو بندہ نے بھی اس میں شمولیت کی، ترجمہ کیا تھا! بے بہا علمی ذخائر ہوتے تھے، بالخصوص مرزا قادیانی کے رَدّ میں عجیب عجیب نکتے ارشاد فرمادیتے تھے۔ دورۂ حدیث میں ابوداؤد شریف عموماً حضرت مولانا سیّد اصغر حسین قدس سرہ العزیز کے پاس ہوتی تھی، ہماری ابوداؤد بھی ان کے پاس تھی، ابتداء کے چند اسباق پڑھائے تھے کہ ان کی طبیعت ناساز ہوگئی تو حضرت میاں صاحبؒ نے اپنی جگہ قبلہ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ ہی کو منتخب فرمایا، ان کی جگہ ابوداؤد بندہ نے حضرت قبلہ مفتی صاحب ہی سے پڑھی۔

حضرت قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اُستاذ الاساتذہ تھے، ان کی جامع مگر بہت مختصر تقریر ہوتی تھی، مگر حضرت قبلہ مفتی صاحب ہر حدیث کی بڑی تحقیق کے ساتھ پوری تفصیل فرمایا کرتے تھے اس وقت سے ان کی احادیث اور ان کے ماتحت مسائلِ فقہیّہ کی بحث سے علمی تبحر آشکارا ہوا۔

ایک روز دیوان صاحب کی حویلی کے پاس بازار سے دولت خانے کو جاتے ہوئے زیارت ہوئی اس وقت حضرت قبلہ مفتی صاحب نے گھوٹ موٹ حجامت بنوائی ہوئی تھی، سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا، چہرہ اس قدر نورانی معلوم ہو رہا تھا کہ کہہ نہیں سکتا، دِل نے تقاضا کیا کہ بس ان ہی سے بیعت ہونا ہے، مگر طالب علمی کا زمانہ تھا، یہ معلوم تھا کہ حضرت حکیم الاُمت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں طالب علمی میں بیعت نہیں کیا کرتے، پھر دولت خانے پر حاضری ہونے لگی اس وقت ''المفتی'' رسالے کا اجرا ہو رہا

تھا، حضرت اس میں لگے رہتے تھے، جب پڑھ پڑھا کر ہم گھر آگئے اور وطنِ مالوف ریواڑی کے مدرسہ ریاض العلوم میں معلّمی کی ملازمت ملی تو اصلاح کا معاملہ سامنے آیا وہاں مولانا عبدالمجید صاحب بچھرایونی رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے اور حضرت حکیم الاُمت علیہ الرحمۃ کے مخصوص خلفاء میں سے تھے، ان کی صحبت میں اثر بھی بہت تھا، مگر میرے دِل کی تمنا یہ تھی کہ کسی مفتی سے بیعت ہونا چاہئے تاکہ مسائل کی ضرورت پڑے تو دُوسری جگہ جانا نہ پڑے۔

بہشتی ثمر کو دیکھ کر ایک عریضہ حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا، انہوں نے دوازدہ تسبیح بتلائی، دُوسرا خط لکھا تو اس کے جواب میں ان کے وصال کی خبر لکھی ہوئی آئی، انا للہ وانا الیہ راجعون، پھر تیسرا خط قبلہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اصلاحی خط و کتابت کے لئے لکھا، حضرت نے اَزراہ شفقت ان الفاظ میں جواب لکھا: ''جب تک کسی دُوسرے مصلح سے مناسبت نہ ہو بندہ اس خدمت کے لئے حاضر ہے۔'' اس کے بعد اصلاحی خطوط کا سلسلہ شروع ہوگیا، اور مناسبتِ تامہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمادی، یہ حال ہوگیا تھا کہ عریضہ لکھ کر ڈاک میں ڈالا اور خود بخود تسلی و سکینہ قلب میں آجاتا تھا، کوئی اِشکال ہوتا یا تردّد اور پریشانی ہوتی، جواب آنے سے پہلے ہی دِل میں تشفی آجاتی تھی، یہ حضرتِ والا کی توجہ اور دُعا کا اثر تھا، پھر جواب پڑھ کر تو تسلی ہوجانا ناگزیر تھا، حد تو یہ ہے کہ اشکال کا جواب خط آنے سے قبل ہی دِل میں آجاتا تھا۔ آخری زمانۂ ہجرت کے قریب جب ہندوؤں نے قتل و غارت شروع کر رکھی تھی تو ہمارے وطن پر بھی ان کی دھاڑ چڑھا کرتی تھی، وہ ایک خوف کا وقت تھا، میں نے حضرت قبلہ مفتی صاحبؒ کو واقعاتِ ظلم اس پر خوفِ طبعی ظاہر کیا تو مجھے یاد ہے اس کے جواب میں حضرت قبلہ مفتی صاحبؒ نے یہ آیت لکھی تھی: ''هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ، وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا، فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ'' اور نہیں انتظار کرتے ہو

تم ہمارے ساتھ مگر دو بھلائیوں میں سے ایک کا، اور ہم انتظار کرتے ہیں تمہارے لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے تم کو عذاب پہنچادے یا ہمارے ہاتھوں سے، پس تم منتظر رہو ہم تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں۔

اس وقت مجھے یاد نہیں تھا کہ اِحْدَی الْحُسْنَیَیْنِ کیا ہے؟ تفسیر دیکھی کہ یا شہادت یا فتح، ان دو میں سے کسی ایک کا انتظار کرتے رہو، اس سے کتنی تسلی ہوئی ہے، کیا عرض کروں، پھر خوف باقی ہی نہ رہا، یہ آیت ایسے موقع پر جا کر لگی کہ دِل باغ باغ ہوگیا۔

ہم لوگ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں پاکستان آگئے تھے اور حضرت مفتی صاحبؒ دیوبند ہی تھے، احقر نے عریضہ ارسال کیا اور حضرتِ والا کا جواب آیا جس میں تردّد ظاہر فرمایا کہ ابھی پاکستان آنے نہ آنے میں متردّد ہوں، احقر نے عرض کیا کہ وہاں پر تو علمائے کرام بہت ہیں، یہاں پاکستان میں آپ کی ضرورت ہے، اس پر حضرتِ والا کا جواب اثبات میں آیا۔ کچھ روز بعد معلوم ہوا کہ پاکستان تشریف لے آئے ہیں، میں حیدرآباد سندھ میں تھا اور کوئی دھندہ نہیں تھا، پہلے تو گنوں کی پھاندی لاکر وہ بیچیں پھر سروتا مل گیا تو گنڈیریاں بیچنی شروع کیں اور حضرتِ والا کو عریضہ لکھا کہ میں یہاں گنڈیریاں بیچ رہا ہوں، اس پر حضرتِ والا نے بہت مسرّت کا اظہار فرمایا اور لکھا کہ مولوی کو ایسا ہی ہونا چاہئے، ایک ہی ڈگر پر نہ پڑا رہے، جیسا موقع آئے کام میں لگا رہے۔

فرمایا: مجھے آپ کی یہ بات بہت پسند آئی۔ اور پھر آئندہ جب زیارت ہوتی اس کو ظاہر کرکے دُوسرے لوگوں سے بھی فرماتے، بلکہ ایک مرتبہ تو یہ فرمایا تھا کہ: ''مجھے اس کے وظائف کی تو معلوم نہیں کیا کرتا کراتا ہے، ہم نے تو اسے گنڈیریاں بیچنے سے خوش ہوکر خلافت دی ہے۔''

میں پہلی مرتبہ حج کو جانے لگا تو پاکستان چوک میں رہتے تھے، وہیں

پاکستان کی پہلی ملاقات ہوئی اور نصائح فرمائے اور اس سفر میں ''حزب الاعظم'' اور ''دلائل الخیرات'' کا وِرد رکھنے کے لئے ہدایت فرمائی۔

ایک مرتبہ ٹھیڑی کا مدرسہ دیکھنے کے لئے تشریف لائے وہاں سے سکھر تشریف لائے، میں حلوائی کی دُکان پر کام کر رہا تھا، گاڑی کا وقت قریب تھا، مجھے ساتھ لیا اور روہڑی چلنے کے لئے کہا، اس وقت دریائے سندھ میں کشتی کے ذریعہ دُوسرے کنارے پر جایا کرتے تھے، کشتی میں بیٹھ گئے تو برآب یہ فرمایا کہ: ''تم کو صرف ایک کام بتلاتے ہیں، وہ یہ کہ دِین کی جتنی تبلیغ ہوسکے کرو'' میں نے اقرار کرلیا، پھر میں نے عرض کیا کہ حضرت! وساوس بہت آتے ہیں، فرمانے لگے: ''میلے کپڑوں میں زیادہ وساوس آتے ہیں، صاف ستھرے کپڑے پہننے میں کم آتے ہیں'' اس وقت میں حلوائی کے کام کی وجہ سے میلے کپڑے پہنے ہوئے تھا، اور واقعی یہ بات سامنے آئی اور اس کی قدر ہوئی۔

روہڑی اسٹیشن پر جارہے تھے، ایک شخص ساتھ ساتھ چلنے لگا، اس نے حضرت سے کہا: تم کیا کام کرتے ہو؟ فرمایا: ''جس کام کی آج کل کوئی قدر و قیمت نہیں'' وہ نہیں سمجھا، پھر اس نے پوچھا تو فرمایا: ''مفت میں کچھ کاغذ کالے کرلیتا ہوں اور کیا کام ہے۔'' اسٹیشن آیا سامان آپ کا میرے پاس تھا، میں نے پلیٹ فارم نہیں لیا تھا پل پر میں نے عرض کیا تو سامان لے کر خود ہی ریل گاڑی میں جاکر سوار ہوگئے، مسئلے کی بات تھی۔ تواضع تو حضرتؒ سے اَز حد ٹپکتی تھی، ہر کام میں تواضع کے مظہرِ اَتم تھے، اللّٰھم افض علینا، جب تک دُکان حلوائی کی رہی حاضری نصیب نہ ہوئی، دُکان ختم کرنے کے بعد چالیس دن کے لئے آستانے پر حاضری ہوئی، لسبیلہ کی کوٹھی پر تشریف فرما تھے، چند روز کوٹھی میں ہی قیام رہا، ہر نشست و برخاست پر تربیت والی نظر ہونے لگی، اَذان سے قبل آہستہ سے تشریف لاتے کہ تہجد کے لئے اُٹھا ہے یا نہیں؟ پھر میں مسجد میں چلا جاتا تو بستر ہ آکر دیکھتے کہ لپیٹ کر گیا ہے یا ویسے بے ہودہ رکھ

چھوڑ گیا ہے، کبھی مسجد میں جوتہ مبارک دہلیز پر چھوڑ جاتے کہ یہ اُٹھا کر رکھتا ہے یا نہیں دُکان دار سے سامان خریدتے تب اندازہ فرماتے۔

ایک دفعہ بس میں ساتھ بیٹھے، ادب سکھانے کے لئے فرمایا: ''تم میری جگہ بیٹھ جاؤ'' میں نے عرض کیا نہیں، آپ بیٹھ جائیں، جلدی سے ٹکٹ میرا بھی لے لیا، یہ ادب سکھانا تھا کہ میں نے سستی سے کام لیا۔ وہاں مجلس ہوتی تھی اس کے لئے فرمایا کہ: ''لوگ آئیں گے دریاں بچھاؤ'' دیکھنا چاہتے تھے کہ اسے عام کام کرتے ہوئے عار تو نہیں آتی، یہ تھی تربیت۔ مسجد سے آتے ہوئے سڑک پر ایک روڑا پڑا ہوا تھا، تو اسے ٹھوکر سے ایک جانب کردیا تاکہ آتے جاتے کو ٹھوکر نہ لگے اور حدیث پر عمل کرنا آجائے۔ قرآن مجید کی تلاوت اس انداز سے فرماتے کہ تلاوت کے تمام آداب آجائیں کیونکہ دیکھنے سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ پڑھنے میں کہاں ہے۔

الغرض ان کے ہر حرکت وسکون میں کوئی نہ کوئی اصلاحی بات مخفی ہوتی تھی اور کمال یہ کہ زبان سے نہیں فرماتے تھے، عمل سے خود بخود ذہن میں آجاتا تھا کہ یہ فلاں حدیث پر عمل ہوا ہے، یا فلاں فقہ کی جزئی پر عمل ہورہا ہے، اور پوری طرح ذہن میں القا ہوتا تھا جیسا کہ بتاتے جارہے ہوں۔

شہر سے دارالعلوم کراچی جاتے وقت میں کلام پاک لے کر تلاوت فرماتے، یہ بھی تعلیم تھی کہ اتنی دیر فضولیات نظر میں لانے کے بجائے وقت کو کام میں لگائیں، راستہ بھی طے ہوجائے تلاوت بھی ہوجائے، نہ گرنے کا ڈر نہ کھٹکا، ڈرائیور چلا رہا ہے معمول بھی پورا ہورہا ہے، اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ معمولات کے لئے خاص جگہ مقرّر نہیں ہوتی، وقتِ مقرّرہ پر جہاں ہو پورا کرلیا جائے۔

ایک دفعہ میں کوٹھی میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا، تشریف لائے تھوڑی دیر میں اندر سے ایک ماما آئی اور کچھ دیر میرے سامنے کھڑی رہی، ایسا معلوم ہورہا تھا کہ حکم دے کر اس کو لایا گیا ہے تاکہ یہ دیکھیں کہ اسے نگاہ کا مرض تو نہیں ہے۔ کبھی کھانا کھلاتے

ہوئے آدابِ طعام کی کمی بیشی ملاحظہ فرماتے، میری نماز میں ضرور کمی تھی تو مسجد میں میرے سامنے جہاں سے میری نگاہ پڑے نماز پڑھنے لگے اور نہایت ہی سکون اور خشوع وخضوع اور ظاہری اَحکامِ الٰہی کے مطابق نماز پڑھ رہے تھے، اور میرے دِل میں یہ آرہا تھا کہ حضرت مجھے نماز پڑھنے کا طریقہ سکھلا رہے ہیں، یعنی یہ کمال تھا کہ جو آپ عمل سے بتلانا چاہتے تھے وہ دِل میں اُتر جاتا تھا، جسے کہتے ہیں: ''آنکھوں آنکھوں میں اشارے ہوگئے''۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ اسمِ ذات پڑھو اور گنتی کرو چوبیس گھنٹے میں کتنی بار ہوتا ہے، میں نے سنا ہوا تھا کہ کسی بزرگ کا طریقہ تھا کہ امتحان لیتے تھے اگر چوبیس گھنٹے میں سوالاکھ کرلیا تو اسے کامیاب سمجھتے تھے، میں نے بھی کیا مگر پینسٹھ ہزار بار ہوا، ایک روز تمام دن اِدھر اُدھر کام پر لگائے رکھا اور عشاء کا وقت ہوگیا تب فرمانے لگے کہ: ''آج تم نے کھانا نہیں کھایا'' یہ کہہ کر بھی گھر تشریف لے گئے، یہ امتحان لینا تھا کہ غصہ، بے صبری کیسی ہے، جب دیکھ لیا تو پھر گھر بلاکر شفقت کے ساتھ چارپائی پر بٹھاکر کھانا کھلایا اور خود ٹہلتے ہوئے سب ہمارے انداز ملاحظہ فرماتے رہے۔ کبھی خادم سے اس طرح کراتے کہ ان کو کھانے کے لئے کہہ دو اور تیاری میں دیر کردو، اور جو کیفیت ہو وہ بتلاؤ۔ ایک دفعہ فتاویٰ سپرد کئے کہ ان کے جوابات لکھو، میں نے ان کو لاابالی پن سے دفتر ہی میں ایک طرف رکھ دیا، حضرتِ والا نے ان کو کسی سے کہہ کر چھپادیا، اب میں حیران ہوا، ارشاد فرمایا: ''یہ امانت ہوتی ہے، اس کی امانت کی طرح حفاظت ضروری ہے۔'' ایک طالبِ علم کو سبق کے لئے لگادیا، وہ پیچھے پڑا رہتا، یہ بھی امتحان تھا کہ دق ہوکر یہ کیا کرتا ہے اور طالبِ علم سے کس رُخ سے بات کرتا ہے۔

حضرت قاری فتح محمد صاحب مدظلہ العالی کے پیچھے ایک قرآن پاک تمام رات صبح صادق تک سننے کا کئی بار اتفاق ہوا، مگر میں فجر کی نماز کے بعد سو جاتا تھا، یہ سب احوال معلوم کرکے فرمایا کہ: ''اِشراق سے پہلے سونا نہ چاہئے'' یعنی یہ مجاہدہ ہے

مجاہدہ کرا کر دیکھنا تھا، میں نے ایسا ہی کیا۔

ایک مرتبہ مسجد جاتے ہوئے حضرت سفیان ثوریؒ کا مقولہ نقل فرمایا: ''ضیعوہ اصحابہ'' اپنی طرف اشارہ فرمایا، حقیقت یہ ہے کہ ہم نے حضرت کو سمجھا ہی نہیں، کہاں تک لکھیں کہ کس کس طرح ہماری ہر حرکت کی نگاہ رکھی اور تربیت فرمائی، **جزاھم اللہ احسن الجزاء۔**

اس کے ساتھ ساتھ حضرت مفتی صاحبؒ کی مجالسِ طیبہ کی ادنیٰ سیر کرانے کے لئے ایک مجلس کے فیوضات عرضِ خدمت کرتا ہوں۔

ارشاد فرمایا:- حج کے دوران مزدلفہ سے واپسی کے وقت منیٰ میں ایک ہی دن میں چار کام کرنے افضل ہیں، رَمیٔ جمرۂ عقبہ، قربانی، سر منڈانا، طوافِ زیارت کرنا۔ یہ چاروں کام پہلے دن کرنا افضل تو ہے لیکن اُسے یوں کرلیا جائے تو اس میں سہولت ہے اور مکروہ بھی نہیں ہے، ہر خلافِ افضل کے لئے کراہت لازم نہیں، مثلاً دسویں تاریخ کو رَمی کرے، گیارہویں تاریخ کو فجر کے بعد قربانی کر آئے، پھر حلق کرالے، پھر طوافِ زیارت کر آئے اور اس کے پہلے یا پیچھے گیارہویں تاریخ کو رَمی بھی کرے، آسانی کے ساتھ یہ تمام افعالِ حج ادا ہوسکتے ہیں، اسی طرح عرفات میں اپنی جگہ دُعا و اَذکار میں لگا رہے، گو جبلِ رحمت کی تھئی میں جانا افضل ہے، مگر آنے جانے میں دُعائیں مانگنا، پڑھنا پڑھانا رہ جاتا ہے یا کمی رہ جاتی ہے۔

ارشاد فرمایا:- جب صفا مروہ کی سعی کرتے تو عربی کی مناجاتِ مقبول میں لے لیتا اور اُردو کی اہلیہ کو دے دیتا تھا، وہ اسے پڑھتی رہتیں، اور چونکہ سعی اب خلاصہ ہوگیا ہے، اہلیہ سے کہتا کہ تم کو دوڑنا نہیں ہے، اس لئے تم الگ چلتی رہو، میں الگ چلوں گا، کیونکہ مردوں کو دوڑنا پڑتا ہے، پھر آتے جاتے دِکھلائی دیتے ہیں، کوئی دِقت نہیں ہوتی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حج کے بارے میں چند وعظ ہیں: ''الحج المبرور،

الجح والثج'' ان کو دیکھ لینا چاہئے۔

ارشاد:- حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ: وہاں تو خالی زنبیل لے جائے اور بھری ہوئی آئے، وہاں کا تو یہ معاملہ ہے۔ میں نے عرض کیا (حضرت مفتی صاحبؒ) کسی مسکین کے پاس زنبیل ہی نہ ہو تو کیا کرے؟ فرمایا: وہاں زنبیل بھی ملتی ہے، طلب کرے۔

ارشاد:- ایک صاحب پان کی ڈبیہ پالش کی ہوئی لائے تو حضرتِ والا علیہ الرحمۃ نے فرمایا: کیا پالش کی اُجرت دے دی ہے؟ لانے والے نے عرض کیا: حضرت وہ جاننے والا تھا، اس لئے اس نے نہیں لی، اس پر حضرت نے فرمایا: یہ جاننے کا حق صرف ایک جانب ہی ہے یا دونوں طرف ہے، تم بھی کبھی جاننے کا حق ادا کرتے ہو یا وہی پٹتا رہے، کبھی آنے دو آنے کی کوئی چیز تم بھی تو دے دیا کرو کہ یہ میرا جاننے والا ہے۔

ارشاد:- سلطان الاذکار کا مطلب یہ ہے کہ ہر وقت ذکر ہوتا رہے، کوئی وقت ذکر سے خالی نہ ہو۔ پھر پاسِ انفاس کے متعلق فرمایا کہ: اُستاذی المکرّم حضرت شاہ انور شاہ کشمیریؒ نے یوں بتلایا تھا کہ جب سانس اندر جائے تو ''اَللّٰ'' کہے، جب وہی سانس باہر آئے تو ''ہٗ'' کہے، بس اسی طرح کرتا رہے، کوئی سانس خالی نہ رہے، مشق ہو جانے کے بعد خود بخود نکلنے لگتا ہے، اور یہ قاعدہ ہے کہ اوّل مشقت ہوتی ہے، پھر عادت ہوجاتی ہے، مگر عادت ہوجانے کے بعد بھی ثواب برابر ملتا رہتا ہے، کیونکہ اختیار سے اُسے شروع کیا تھا، ہاں! بلااختیار و ارادے جو کام ہوجائے اس کا ثواب نہیں ملتا، کیونکہ حدیث میں ہے: ''انما الأعمال بالنیّات''۔

ارشاد:- دُعائے استخارہ پڑھنے کا مطلب اللہ تعالیٰ سے دُعائے خیر کرنا ہے، اور دُعائے خیر کرنے کے بعد جو بھی ہو اس پر ندامت نہیں ہوتی، باقی اس کا مطلب اللہ تعالیٰ سے مشورہ کرنا نہیں ہے، کیونکہ مشورہ تو دوستوں سے ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ سے

تو دُعا ہوتی ہے، اور دُعائے اِستخارہ پڑھنا سنت ہے، اس کو پڑھنے کے بعد سات دن کے اندر اندر ایک طرف رُجحان پیدا ہوجاتا ہے، بس اسی میں خیر تصوّر کرے، باقی خواب کوئی حجت نہیں بلکہ یہ آپ کا رُجحان بھی کوئی حجت نہیں کہ ایسا کرنا ضروری ہوگیا، اگر ظاہر میں خرابی معلوم ہورہی ہوتو اِستخارہ کے رُجحان کو ترک کرسکتے ہیں، اور یہ جولوگ دُوسروں سے کراتے پھرتے ہیں یہ کچھ نہیں ہے، عملیات ہیں، لوگوں نے بنا رکھے ہیں، نفل پڑھواور ایک وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی تکرار کرو، گردن بائیں طرف یا دائیں طرف پھر جائے گی، اگر دائیں طرف پھرے تو یہ کام کرو، بائیں طرف کو ہوجائے تو یہ کام نہ کرو، یہ غلط ثابت ہوچکی ہیں۔ دُوسروں سے کرانا اگرچہ گناہ نہیں مگر سنت خود کرنا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: میں تو ایک چھوٹا سا اِستخارہ پڑھ لیتا ہوں، نماز کے بعد یا سوتے وقت اور یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے وہ یہ ہے: "اَللّٰھُمَّ خِرْ لِیْ وَاخْتَرْ لِیْ" یہ گیارہ مرتبہ پڑھ لیا کریں۔

ارشاد:- ایک شخص نے دریافت کیا: میں نے ایک مکان تجارت کی نیت سے تیار کرایا ہے، تو اس کی زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے قیمت کا کیسے اندازہ لگایا جائے؟ فرمایا کہ: ہر تجارتی چیز کی قیمت لگانے کا یہ اُصول ہے کہ جس روز زکوٰۃ نکالنی ہے اس روز یہ دیکھے کہ یہ چیز بآسانی کتنے میں بِک سکتی ہے، بازار میں یہ کتنے کی بکے گی، وہ قیمت لگائی جائے۔

جو مکان استعمال کے لئے بنائے خواہ خود رہے یا کرایہ دار کو بسائے، اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، ہاں! جو تجارت اور فروختگی کے لئے لیا ہے اس کی قیمت پر زکوٰۃ ہے۔

ارشاد:- اس راہِ سلوک میں اصل وظائف نہیں ہیں بلکہ تہذیبِ اخلاق ہے، پہلے آدمیت آجائے تو بہت جلد وصول ہوجاتا ہے، جب تک آدمی رگڑے نہ کھائے آدمی نہیں بنتا، اور رگڑے لگتے ہیں شیخ کی خدمت میں رہ کر اس کی خدمت اور اس کے کام دھندے کرنے میں کیونکہ کام دھندا کرنے اُٹھنے بیٹھنے میں اس کی غلطیاں

معلوم ہوتی ہیں، پھران پر تنبیہ کی جاتی ہے، نہ یہاں برکت ہے، نہ علمِ غیب، یہاں تو حرکت کی ضرورت ہے۔

ارشاد:- میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گیا اور مایوسانہ انداز میں کہا کہ لوگ تو بڑے بڑے مجاہدے کرتے ہیں میرے پاس مشاغل بہت ہیں اور کمزور آدمی ہوں اور جی بھی چاہتا ہے کہ جو سلوک دُوسرے طے کر رہے ہیں میں بھی طے کروں تا کہ مجھے بھی حاصل ہو جائے، اس پر حضرتؒ نے فرمایا: یہ ضعیف کو بھی حاصل ہو جاتا ہے، مایوسی کی کوئی بات نہیں، ہر ایک کے لئے الگ الگ راستے ہیں کیونکہ ایک طریقہ تو ہے نہیں بلکہ طرق الوصول الی اللہ بعدد الأنفاس ہیں۔ یہ سن کر ہمت ہوئی اور پھر مجھے معمولی سا پڑھنے کو بتلا دیا کہ اس کے پڑھنے میں دیر بھی نہیں لگتی، اس کے بعد کئی مرتبہ دریافت کیا کہ کچھ اور بتلا دیں، فرمایا: وہی کافی ہے، مگر دُوسروں کو ذکر کرتے دیکھتا تو شوق بڑھتا اور کرنے لگ گیا، ورنہ وہی تھوڑا کافی ہو جاتا۔

ارشاد:- شیخ سے مناسبت پیدا کرنی چاہئے، تب جا کر کچھ حاصل ہوتا ہے، اور مناسبت اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ شیخ کی عادات و اخلاق کو دیکھ کر ویسی ہی اپنی عادت بنانے کی کوشش کرے، اور سارے سلوک کا خلاصہ سنت کی پیروی کرنا ہے اور کچھ نہیں۔

اس کے بعد حضرت مولانا عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے ابوسعیدؒ کا واقعہ ذکر کیا کہ ابتداء میں حضرت کے یہاں فاقہ ہوا کرتا تھا، بھوک میں جب صاحبزادے عرض کرتے تو فرماتے کہ: گھبراؤ نہیں دیغ چڑھ رہی ہے، وہ عرض کرتے: کہاں ہے؟ فرماتے: جنت میں! ایسی حالت میں بھی جب سلطان عالمگیرؒ نے چودہ گاؤں کی دستاویز بھیجی کہ یہ خانقاہ کے گزارے کے لئے ہے، جب قاصد لے کر آیا تو اسے پھاڑ کر پھینک دیا اور حمام میں ڈال دیا، اتنا استغنا تھا، اس کے بعد فتوحات ہوئیں تو صاحبزادے شہزادے ہو گئے اور سلطان نظام الدین صاحب سے ہدایت لینے

گئے تو صاحبزادے کو خوب رگڑے دیئے تب جا کر خلافت عطا کی۔

ارشاد:- حضرت سلطان الاولیاء محبوبِ الٰہی علیہ الرحمۃ کے یہاں دو آدمی مرید ہونے کو آئے اور حوض پر آ کر بیٹھے، اس وقت حضرت سلطان جیؒ قریب ہی ٹہل رہے تھے، ان دونوں آنے والوں نے گفتگو کی اور کہا کہ: یہ حوض تو ہمارے حوض سے بڑا معلوم ہوتا ہے، حضرتؒ نے سن لیا، جب وہ حاضرِ خدمت ہوئے تو فرمایا: جاؤ! پہلے اپنا حوض ناپ کر آؤ۔ وہ ایک ماہ کی راہ چل کر آئے تھے، آخر وہ گئے اور بلاضرورت کلام کرنے کی سزا بھگتی، اور اسی میں ان کی صفائی قلب ہوگئی۔

ارشاد:- ایک شخص حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ: میں چشتیہ خاندان میں مرید ہوجاؤں یا نقشبندیہ سلسلے میں ہوں؟ آپ نے اس کی طبیعت کی مناسبت معلوم کرنے کے لئے کہا کہ اگر تم کو ایک جنگل دے دیا جائے کہ اُسے بونا ہے تم کیسے کروگے؟ اس نے کہا: تھوڑا تھوڑا صاف کر کے بوتا جاؤں گا، باقی اور صاف کرتا رہوں گا، اسی طرح آخر تک کروں گا۔ حاجی صاحبؒ نے فرمایا: تم نقشبندی سلسلے میں چلے جاؤ کیونکہ ان کے یہاں پہلے ذکر بتلاتے ہیں بعد میں قلب کی صفائی کرتے ہیں، اور ذکر کی برکت سے صفائی ہوجاتی ہے، اور چشتیہ پہلے قلب کی صفائی کراتے ہیں پھر ذکر بتلاتے ہیں کہ کھیت پہلے صاف ہوجائے پھر خوب کھیتی اُگے گی۔

ارشاد فرمایا:- اصل دِین کی فکر ہے کہ مسلمان کس کس غلطی میں مبتلا ہیں، ان کو تبلیغ کرنا، اور یہ دُھن ہوجائے کہ دِین کس طرح پھیلے، ورنہ کوری مدرّسی سے کیا ہوتا ہے، یہ بھی ایک دھندا ہے۔

ارشاد فرمایا:- فتویٰ میں یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ عام لوگوں کو نفع پہنچے اور ان کو ضرر سے بچایا جائے۔

ارشاد:- حضرت مولانا منفعت علی صاحب فرماتے تھے کہ یہ نماز اور لباس،

ڈاڑھی یہ تو لوگوں کی وجہ سے ہے کہ کہیں بدنام نہ کریں، یہ بتاؤ اللہ کے واسطے کیا کرتے ہو؟

ارشاد:- تبلیغِ دِین محشّی و اِمام غزالیؒ تو اس لئے پڑھوائی تھی کہ تم اپنے عیوب تلاش کرو، خالی مطالعہ مقصود نہیں۔

ارشاد:- مسلمان جن غلطیوں میں مبتلا ہیں ان کو بیان کرے اور ان کو صحیح طریقہ بتلائے اور جو تکالیف آئیں ان پر صبر کرے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے میں سیّد الصابرین ہوں، واقعی لوگوں کی بداحتیاطیوں سے بے حد اذیت ہوتی تھی مگر آپ ان کی مصلحتِ دِینی کی وجہ سے آگاہ فرماتے تھے۔

ارشاد:- اعمال کی دو قسمیں ہیں، ایک تو ظاہری اعمال ان کو ''فقہ'' کہتے ہیں، دُوسرے باطنی اعمال ان کو ''تصوّف'' کہتے ہیں، جس طرح ظاہری میں فرائض و واجبات پر عمل کرنا ضروری ہے اور محرّمات سے اجتناب لازم ہے اسی طرح باطنی اعمال میں جن کو فضائلِ اعمال کہتے ہیں ان میں بھی فرائض و واجبات ہیں، ان پر عمل کرنا ضروری اور رذائل سے اجتناب لازم ہے، بلکہ باطنی اعمال تو ظاہری اعمال کے لئے بمنزلہ جڑ اور بنیاد کے ہیں، اس لئے ان باطنی اعمال کی اصلاح زیادہ قابلِ توجہ ہے۔

فضائل یہ ہیں: صبر، شکر، توحید، صدق، توکل، محبت، شجاعت، سخاوت، غضب، مراقبہ، محاسبہ وغیرہ (رذائل مثلاً: حسد، رِیا، کبر، حقد، بغض، کینہ، حرص، عجب، شہوت، نخوت، رعونت، آفاتِ لسان وغیرہ)۔

فرمایا:- ولی کی پہچان کثرتِ ذکر، دوامِ طاعت اور کسی شیخ کامل کی خدمت میں کچھ عرصہ رہ کر اَمراضِ باطنی کا علاج سیکھا ہو، ہے، اور ایسے شخص کو مصلح کہتے ہیں۔

فرمایا:- اپنے عیوب پہچاننے کے چار طریقے ہیں: ۱- رہبرِ کامل مل جائے جو اپنی بصیرتِ خداداد سے اپنی فراست سے پہچان لے، ۲- ایسے احباب مل جائیں جو خلوص کے ساتھ نگاہ رکھیں اور عیوبِ نفس پر آگاہ کریں، ۳- دُشمن جو بُرائیاں چھانٹے

اور کہے تو اپنے اندر غور کرتا رہے کیونکہ دُشمن چھانٹ چھانٹ کر ڈھونڈ ڈھونڈ کر عیب نکالا کرتا ہے، ۴- دُوسروں کے جو عیب دیکھے تو اپنے اندر خوب غور کرے کہ یہ عیب خود میرے اندر تو نہیں ہیں؟

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کہا ہوا تھا کہ مجھے میرے عیوب کی اطلاع دے دیا کرو، اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تو رہبرِ کامل نبی مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا ہوا تھا، المیّت فی ید الغسال کی طرح رہتے تھے، نیز صحابہ کرامؓ آپس میں اپنے متعلق پوچھ گچھ رکھتے تھے۔

فرمایا:- ''وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ'' کے اَمر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صادقین ہر زمانے میں موجود رہیں گے، کوئی زمانہ اُن سے خالی نہ ہوگا، ورنہ یہ جو اَمرِ الٰہی ہے کہ سچوں کے ساتھ ہوجاؤ، اس پر حرف آئے گا کہ جب صادقین نہیں ہیں تو کس کے ساتھ ہوجائیں، سو جب تک ''كُونُوا'' کا اَمر ہے صادقین کا وجود بھی ضروری ہے۔ وَمَنْ جَدَّ وَجَدَ۔

فرمایا:- اِعتکاف کی حالت میں حاجتِ طبعی یا شرعی کے لئے مسجد سے باہر چلا جائے اور بجائے وضو کرنے کے غسل کرتا آئے تو جائز ہے، مگر بلاوجہ دیر نہ لگائے، البتہ مسجد سے غسلِ جمعہ یہ ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے نکلنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ خروج بغیر حاجۃ الطبعیہ والشرعیہ ہوا ہے، اور پہلا خروج اجازتِ شرعیہ سے ہوا ہے۔

فرمایا:- صحابہ کرامؓ کا معمول شبِ قدر میں نوافل پڑھنے اور ان میں طویل قیام ورُکوع وسجود کرنے کا تھا، بہتر یہ ہے کہ تراویح پڑھنے کے بعد قدرے استراحت کرے، آخری رات کو بیدار ہوکر عبادت کرے، یعنی زیادہ حصہ اوّل رات کی بجائے آخرِ شب میں گزارے۔

فرمایا:- مذاہبِ اربعہ معلوم کرنے ہوں تو اس بارے میں اِمام شعرانی کی میزان معتبر کتاب ہے، البدایہ والنہایہ میں مذاہبِ اربعہ کے حوالے نقل کئے ہیں۔

فرمایا:- مفتی کو چاہئے کہ عوام الناس کو قواعدِ کلیہ نہ بتائے بلکہ جو اس نے سوال کیا ہے اس جزیئے کا جواب دیدے اور جواب میں تشقیق نہ کرے کہ شقیں نکالے، اگر ایسا ہو تو یہ جواب ہے، ایسا ہو تو یہ جواب ہے، اگر ایسا ہی ہے تو سوال کی وضاحت کرالے۔

فرمایا:- نماز کی ادائیگی کی ظاہری و باطنی اصلاح کرے اور کچھ نہ کچھ انفاق بھی کیا کرے، حضرت مولانا تھانویؒ اپنی کمائی کا ایک تہائی خیرات کردیا کرتے تھے، اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کمائی کا ایک خمس خیرات کرتے تھے (یعنی پانچواں حصہ)۔

حضرت مولانا سیّد اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ان کے پاس تین چپاتیاں آتی تھیں، ان میں ڈیڑھ چپاتی خود تناول فرماتے، ایک چپاتی خیرات کردیتے اور آدھی کسی کو ہدیہ کردیتے تھے اور کھانے کے ریزے جو دسترخوان پر گرتے وہ پرندوں یا چیونٹیوں کو ڈلوادیتے تھے، اس لئے عالم کو اِنفاقِ فرض کے ساتھ کچھ اِنفاقِ نفل بھی کرنا چاہئے۔

فرمایا:- مدرّس لمبی چوڑی تقریر کرکے سمجھتا ہے کہ میں نے سبق کا حق ادا کردیا، کتاب سمجھادی اور میرا حق ادا ہوگیا، اسی طرح طالبِ علم سمجھتے ہیں کہ اب امتحان میں پاس ہوجاویں گے یا مدرّس بن جائیں گے، یہ کافی نہیں ہے، زیادہ ضروری یہ اَمر ہے کہ مدرّس اور طالبِ علم جو کچھ پڑھتے پڑھاتے جائیں ان پر عمل بھی کرتے جائیں، اگر عمل کرلیا تو واقعی کتاب کا حق ادا کرلیا، اس لئے عمل کرنے اور کروانے کی نیت سے پڑھنا پڑھانا چاہئے۔

فرمایا:- خشوع ظاہری سکون کو اور خضوع باطنی سکون کو کہتے ہیں، نماز کے اندر خشوع اور خضوع دونوں ہونے چاہئیں۔

فرمایا:- وساوس کا ایک درجہ تو غیراختیاری ہے، اس کی تو فکر نہ کریں، مگر

ایک درجہ اختیاری ہے، مثلاً یہ کہ اوّل ہی سے طہارت کا پورا خیال کرلیا جائے، پھر وضو باقاعدہ سنت طریقے سے کیا جائے، وضو اور نماز کے درمیان میں کوئی دُنیوی کام یا بات چیت نہ کی جائے، اسی طرح نماز شروع کرنے کے متصل کوئی کام ایسا کررہا ہے یا خیالات میں لگا ہوا ہے تو اسے ختم کرے تاکہ اس کام کے خیالات نماز میں نہ ستائیں۔ جب نماز کے لئے کھڑا ہو تو ایک ساعت یہ سوچے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوا ہوں، اب حق تعالیٰ سے ہم کلامی ہوگی، میں نماز ادا کررہا ہوں، مجھے دھیان کرنے کی ضرورت ہے، پھر دونوں ہاتھ اُٹھائے اور نیت کرے کہ میں اللہ تعالیٰ کے رُوبرو فلاں نماز پڑھتا ہوں اور تکبیر کہتا ہوا ہاتھ باندھ لے۔

حضرت مولانا تھانویؒ نے ایک نسخہ لاکھ روپے کا بتلادیا ہے، اور فرمایا تھا: جو اسے کرے گا اسے وساوس مضر نہ ہوں گے، پہلے لوگ تو اس حضورِ قلبی کے لئے چلہ کشی کیا کرتے تھے، مگر میں صرف اتنا کہتا ہوں کہ جو الفاظ پڑھتے جاؤ ان الفاظ کی طرف اپنا دھیان رکھو یا ان کے معنی سوچتے جاؤ، اس فکر سے پڑھو، کرکے تو دیکھو!

فرمایا:- بعض اصحابِ حال لوگوں کی حکایات پڑھی کہ ان کے کھیت میں اتفاق سے دُوسرے کا بیل چلا آیا تو فکر دامن گیر ہوئی کہ ضرور اس بیل کے پیروں میں مٹی لگی ہوگی اور وہ دُوسرے کے کھیت کی ہے، میرے کھیت میں جھڑ کر گرگئی ہوگی، اور بیل مالک کی بغیر اجازت گھس آیا ہے اب اس مٹی پر میں بیج ڈالوں گا تو دُوسروں کی مٹی میں اُگے گا تو یہ گندم میرے لئے جائز ہوں گے یا ناجائز؟

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دقیق تقویٰ ہوتا ہے اور دُوسرا سداً للذّرائع ہوتا ہے، یہ دقیق تقویٰ متقدمین صوفیہ میں پایا جاتا ہے، ان ہی کی ایسی حکایات منقول ہیں۔ سداً للذّرائع کا مطلب یہ ہے کہ بعض مرتبہ وہ چیز مباح ہوتی ہے مگر اسے مباح چیز کو اس لئے ترک کرادیتے ہیں کہ یہ معصیت یا نفس کی حیلہ سازی کا ذریعہ نہ بن جائے۔ اس پر حضرت تھانویؒ کا ایک ملفوظ نقل فرمایا کہ: ایک مرتبہ حضرت کے پاس

ایک لفافہ ایسا آیا کہ اس پر ٹکٹ تھا مگر ڈاک خانے کی مہر لگنا رہ گئی تھی، اسے اُتار کر فرمایا کہ اب اس کا کیا کیا جائے؟ دوبارہ اس کا استعمال تو جائز نہیں کیونکہ یہ ایک بار استعمال ہو چکا ہے، اس کا کام پورا ہوگیا، لہٰذا اسے چاک کردیا جائے۔ اس کے بعد فرمایا کہ: مجھے اس کا استعمال جائز تھا کیونکہ میں حکومت کو اتنا ٹیکس دے چکا ہوں اس میں محسوب کرسکتا ہوں، مگر اس لئے محسوب نہیں کیا کہ کہیں نفس کو حیلہ نہ مل جائے کہ ہر معصیت میں بھی یہی حیلہ چلانے لگے گا یہ سداً للذرائع کیا گیا ہے۔

اس کے بعد ایک واقعہ نقل فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خنزیروں سے کہا حالانکہ ان کی شریعت میں بھی یہ جانور ناپاک ہے: "فرّوا أيها الخنازير بسلام" اے خنزیرو! سلامتی کے ساتھ بھاگ جاؤ۔ اس پر کسی نے ان سے عرض کیا کہ خنزیروں کے ساتھ یہ بسلام کا لفظ کیسا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ اس لئے ہے کہ زبان کو بُرا کہنے کی عادت نہ پڑ جائے اس لئے بُرے الفاظ بولنا ہی نہ چاہئے سداً للذرائع۔

ملفوظ:- ایک تو برکت کی تشریح حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے، وہ یہ کہ آمدنی اپنی ہی ذات پر خرچ ہو دُوسروں پر نہ لگے، جیسے ڈاکٹر، وکیل وغیرہ، برکت والی کمائی ان پر خرچ ہونے سے بچی رہتی ہے، حلال کمائی کی برکت سے اللہ تعالیٰ ایسی آفتوں سے اسے بچائے رکھتے ہیں۔

دُوسرا مطلب یہ ہے کہ رات دن میں اس شخص کے کام بسہولت ہوجاتے ہیں یا تو خرچ ہی نہ ہوا یا دُوسروں کی بہ نسبت کم خرچ میں کام ہوگیا، مثلاً دُوسروں کا دس روپے میں کام ہوا، اس کا وہی کام چار روپے میں ہوگیا، یا دُوسرے نے سو روپے خیرات کئے جس سے کام بن گیا، برکت والے نے دس روپے خیرات کئے اور کام بن گیا، یا وقت کی بچت ہوجاتی ہے۔ غیر برکت والا کام بہت دیر سے ہوتا ہے اور برکت والا کام جلدی ہوجاتا ہے، یہ سب برکت ہونے کا سبب ہے، یا اسے برکت کہیں گے۔

ارشاد:- شیخ سے مناسبت کا مقصد یہ ہے کہ اسے یوں سمجھے کہ دُنیا میں میری اصلاح کے لئے ان سے بہتر اور کوئی نہیں ہے، اگر شیخ سے کوئی خطا سرزد ہو جائے تب بھی محبت زائل نہ ہو۔ شیخ کے قول و فعل سے دِل میں کوئی اعتراض پیدا نہ ہو حتیٰ کہ اس سے کوئی معصیت سرزد ہو جائے تب بھی انقباض نہ آئے کہ یہ بھی انسان ہے اور معصوم نہیں ہے، بشریت سے ایسا ہو گیا ضرور رُجوع کر لیا ہوگا، بالکل باپ کی طرح کہ باپ سے غلطی بھی ہو جائے تو بیٹے کے دِل میں اس کا باپ ہونا نہیں نکلتا بلکہ اس کی بات بناتا ہے، اور شیخ کی خدمت میں لگا رہے، بغیر خدمت کے مناسبت پیدا نہیں ہوتی اور خدمت کرتے کرتے دِل سے دُعا نکلتی ہے، بس اسے ہی نظر کہتے ہیں، اس دُعا سے کام بن جاتا ہے، صحابہ کرامؓ ہمہ وقت خدمت میں لگے رہتے تھے، اشارے پر کام کرتے تھے، جان دیتے تھے، محبت میں سرشار تھے، اس قسم کا برتاؤ اپنے شیخ سے رکھے کہ وہ نائبِ رسول ہے، اس کی راحت کا خیال رکھے اور اسے تکلیف سے بچانے کا خیال رکھے۔ اس پر حضرت ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے مرید غلام بھیک کی حکایت سنائی کہ کسی بات پر ابوالعالیہؒ غلام بھیک سے ناراض ہو گئے، اور باہر نکال دیا، غلام بھیک رات دن خدمت کیا کرتے مگر وہاں تو اللہ واسطے کی محبت تھی، برسات آئی مکان کچا تھا ٹپکنے لگا، بیوی نے کہا کہ ایک تو کام کا آدمی تھا اسے نکال باہر کیا ہم پر مصیبت اُتری ہے، حضرت بولے: میں نے نکالا ہے، تم نے تو نہیں نکالا، اس پر بیوی نے غلام بھیک کو بلایا کہ چھت ٹھیک کردے، وہ فوراً آئے اور چھت کوٹ رہے تھے، حضرت ابوالعالیہؒ کو یہ ادا پسند آئی اور آدھی روٹی ہاتھ میں لے کر آواز دی کہ دن بھر کام کرتے ہوئے ہو گیا کھانے کی آواز سن کر غلام بھیک چھت پر سے کود پڑے اتنی خوشی ہوئی کہ سیڑھی سے اُترنا بھی دیر سمجھا، وہیں سے کود پڑے، یہ لگاؤ ہو تب کام چلتا ہے۔

(ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی مفتیٔ اعظمؒ نمبر شعبان ۱۳۹۹ھ)

اِعتکاف کے مسائل

اِعتکاف کی تین قسمیں ہیں:

*:- واجب۔ *:- سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ۔ *:- مستحب یا نفل۔

ہم ذیل میں آخر کی دو قسموں کے اَحکام لکھیں گے، کیونکہ عام طور پر زیادہ ضرورت انہی دو کی پیش آتی ہے۔

سنت علی الکفایۃ کی تشریح

رمضان المبارک کے آخری عشرے کے اِعتکاف کو ''اِعتکافِ مسنون'' کہتے ہیں۔ (مراقی الفلاح)

اس اِعتکاف کے سنت علی الکفایہ ہونے کا مطلب

بڑے شہروں کے ہر بڑے محلے کی کسی مسجد میں، اور دیہات کی پوری بستی میں کوئی ایک آدمی بھی اِعتکاف نہ کرے تو سب محلے والوں اور دیہات والوں کے ذمے سنت چھوڑنے کا وبال رہتا ہے، اور اگر ایک آدمی بھی اِعتکاف میں بیٹھ جائے تو یہ سنت سب کے ذمے سے اُتر جاتی ہے اور اِعتکاف کرنے والوں کو ثواب ملتا ہے۔ (شامی)

اِعتکافِ مسنون کے مسائل

اِعتکافِ مسنون میں داخل ہونے کا طریقہ

رمضان المبارک کی بیس تاریخ کو عصر کے بعد غروبِ آفتاب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے آخری عشرے کے اعتکاف کی نیت کرکے مسجد میں داخل

ہوجائے اور جب شرعی طور سے عید کے چاند کا ثبوت ہوجائے، اعتکاف ختم کردے، اور یہ غروبِ آفتاب کے بعد ختم ہوجائے گا۔ (شامی)

مسئلہ:- اعتکافِ مسنون شروع کردینے کے بعد اس کو پورا کرنے کی پوری کوشش کرنی چاہئے، درمیان میں ترک نہ کرے۔ (شامی)

اِعتکافِ مسنون کی نیت

مسنون اِعتکاف کی نیت اتنی کافی ہے: ''اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے میں رمضان کے آخری عشرے کا مسنون اِعتکاف کرتا ہوں۔'' (عالمگیری)

اگر کوئی جگہ یا وقت یا کوئی کام مستثنیٰ کرنا ہو تو نیت کے وقت ہی مستثنیٰ کرلے، مثلاً کوئی ایسا بیمار ہے کہ اس کے پاس جانا ضروری ہے تو یوں نیت کرلے کہ میں اعتکافِ مسنون کرتا ہوں، مگر شرط یہ ہے کہ میں دورانِ اِعتکاف فلاں بیمار کی دیکھ بھال کے لئے جایا کروں گا، یا فلاں مجلسِ وعظ میں جایا کروں گا، یا جنازے کی نماز کے لئے باہر جایا کروں گا، تو پھر ان کاموں کے لئے حالتِ اِعتکاف میں چلے جانا جائز ہوگا اور اس کی بناء پر اِعتکاف میں کوئی خلل نہیں آئے گا۔

مسئلہ:- اِعتکاف کی نیت بیس تاریخ کے غروبِ آفتاب سے پہلے کرلینی چاہئے، خواہ مسجد میں داخل ہوتے وقت کرے یا مسجد میں داخل ہوجانے کے بعد کرے، لیکن اگر غروبِ آفتاب کے کچھ دیر بعد نیت کی تو یہ اِعتکاف مسنون نہ ہوگا، بلکہ مستحب ہوجائے گا، کیونکہ نیت کرنے سے پہلے عشرۂ اخیرہ کا کچھ وقت ایسا گزر گیا ہے جس میں اِعتکاف کی نیت نہ تھی، لہٰذا پورے عشرہ کا اِعتکاف نہیں ہوا، جبکہ یہی مسنون تھا۔ (امداد الفتاویٰ)

مسئلہ:- رمضان المبارک کے آخری عشرے کا اِعتکاف مسنون ہے، واجب نہیں، البتہ جس روز کا اِعتکاف کرنا شروع کردیا جائے اس روز کا اِعتکاف پورا

کرنا واجب ہو جاتا ہے، اور جوں جوں روزانہ شروع کرتا جائے گا، روزانہ اسی دن کا اِعتکاف واجب ہوتا جائے گا، پورے عشرے کی نیت کرلینے سے ایک دم پورے عشرے کا اِعتکاف کرنا واجب نہیں ہوتا۔ (شامی) اس مسئلے کی وضاحت کے لئے دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں:-

۱- مثال کے طور پر رمضان المبارک کا چاند دیکھ لینے سے پورے مہینے کے روزے فرض نہیں ہوتے، بلکہ جو دن آتا جائے گا اس دن کا روزہ فرض ہوتا چلا جائے گا، اگر درمیانِ رمضان میں ایک دو روزے چھوڑ دیئے یا روزہ توڑ دیا تو صرف انہی چھوڑے اور توڑے ہوئے ایام کی قضا یا قضا و کفارہ لازم آئے گا، تمام رمضان کے مہینے کی قضا لازم نہیں ہوگی، بالکل اسی طرح اِعتکافِ مسنون میں روزانہ غروبِ آفتاب ہوتے ہی اُس روز کا اِعتکاف کرنا واجب ہوتا چلا جائے گا۔

۲- دُوسری مثال یوں سمجھئے کہ نفل نماز کی ہر دو رکعت کو شفعہ کہتے ہیں اور نفل نماز میں ہر شفعہ مستقل ہوتا ہے، پہلا پیچھے والے شفعہ کے تابع نہیں ہوتا اور جونسا شفعہ شروع کردیا جائے تو اُسی شفعہ کو پورا کرنا واجب ہوتا ہے، مثلاً کسی نے رات کو آٹھ رکعت نفل کی نیت باندھی اور دو رکعت پر یا چار رکعت پر ہی سلام پھیر دیا تو اس کے ذمہ کوئی قضا نہیں آتی، ہاں جس شفعہ کو شروع کرکے توڑ دے گا تو اسی شفعہ کی قضا لازم ہوگی، اسی طرح اِعتکافِ مسنون کا ہر دن ایک شفعے کی طرح ہے، جتنے دن کا اِعتکاف کرلیا اس کا ثواب ملے گا، بقیہ ایام کا اِعتکاف کرنا واجب نہیں بلکہ مسنون ہے، بلاعذر ترکِ کردینے سے ترکِ سنت کا گناہ ہوگا اور اِعتکاف نفل ہوجائے گا۔ (درمختار)

نفلی اِعتکاف کے مسائل

نفلی اِعتکاف کی تشریح

اِعتکاف کی نیت سے کسی بھی مسجد میں رہنا خواہ یہ رہنا ایک لمحہ کے لئے ہو۔ (عالمگیری)

مسئلہ:- نفلی اِعتکاف ہر مسجد میں ہوسکتا ہے، خواہ وہاں نماز باجماعت کا انتظام ہو یا نہ ہو۔ (بحرالرائق)
مسئلہ:- نفلی اِعتکاف کی کوئی مقدار مقرّر نہیں، ایک منٹ کا بھی ہوسکتا ہے، بلکہ مسجد کی اگلی صف سے چلتے وقت نیت کر لینے سے دروازے تک آنے کا یا مسجد کے ایک دروازے سے گزر کر دُوسرے دروازے سے نکلنے تک کا بھی اِعتکاف ہوسکتا ہے۔ (بحرالرائق)

نفلی اِعتکاف کی نیت

نفلی اِعتکاف کی نیت اس طرح کرلی جائے کہ: ''اے اللہ! جتنی دیر میں اس مسجد میں رہوں گا، اِعتکاف کی نیت کرتا ہوں'' اور فقط دِل میں ارادہ کرلینا بھی کافی ہے، زبان سے کہنا ضروری نہیں ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی کیسی رحمت ہے کہ جب بھی مسجد میں جانا ہو، نماز کا وقت ہو یا نہ ہو، رمضان شریف کا مہینہ ہو یا نہ ہو، کوئی دُوسرا مہینہ ہو، نفلی اِعتکاف کی نیت کرلیا کریں تو دُوسری نیتوں کے ساتھ اِعتکاف کا ثواب بھی مل جایا کرے۔ (بحرالرائق)
مسئلہ:- نفلی اِعتکاف کے لئے روزہ سے ہونا بھی ضروری نہیں، روزے بلا روزے سب طرح ہوسکتا ہے۔ (بحرالرائق)
مسئلہ:- کسی شخص نے نفلی اِعتکاف کا وقت مقرّر کرلیا مثلاً ایک دن، دو دن، تین دن، ایک رات یا ایک دن، ایک گھنٹہ، دو گھنٹے تو بہتر یہی ہے کہ اس کو پورا کرے، لیکن اگر درمیان میں سے اُٹھ کر چلا جائے تو یہ اِعتکاف ختم ہوجائے گا، اس کو اِعتکاف توڑنا نہیں کہیں گے، اور نہ بقیہ اِعتکاف کی قضا واجب ہے، جتنا اِعتکاف کرلیا اتنا ثواب پالیا۔ (شامی)
مسئلہ:- کسی کو یہ اشکال ہو کہ نفل کو شروع کردینے سے اس کو پورا کرنا

واجب ہوجاتا ہے، سو اس کے متعلق فقہائے عظام رحمہم اللہ نے یہ لکھا ہے کہ جتنا وقت اِعتکاف میں آ گیا وہی واجب ہوا تھا، اور جو وقت باقی ہے اس میں اِعتکاف شروع ہی نہیں ہوا، لہٰذا وہ واجب بھی نہیں ہوا اور قضا بھی نہیں ہے۔ (شامی)

مسئلہ:- مسجد میں داخل ہوتے وقت نفلی اعتکاف کی نیت کرنا یاد نہ رہا تو بعد میں جب یاد آئے نیت کرسکتا ہے، الغرض مسجد سے باہر ہونے سے پہلے پہلے جب یاد آجائے نیت کرلے، اتنا ثواب مل جائے گا۔ (مراقی الفلاح)

مسئلہ:- نفلی اِعتکاف میں بار بار اُٹھ کر چلے جانا اور آجانا بھی جائز ہے۔

توجہ فرمائیں

نفلی اِعتکاف مشتاقانِ شبِ قدر کے لئے کیسا بے بہا تحفہ ہے، اگر رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا مکمل اِعتکاف نہ ہوسکے تو کم از کم رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں کو جن میں شبِ قدر ہوتی ہے، مغرب سے پہلے بہ نیتِ اِعتکاف مسجد میں داخل ہوجائے تو رات بھر اِعتکاف میں گزرے، شبِ قدر بھی مل جائے اور اِعتکاف کا ثواب بھی ملے، نیز معتکف کو سو رہنے میں بھی عبادت کا ثواب ہوتا ہے، گویا سوتے جاگتے ہر حال میں معتکف عبادت کرنے والا شمار ہو تو شبِ قدر ملنے کی کس قدر قوی اُمید ہے، بڑی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکت ہے، اسی لئے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مبارک ماہ کے متعلق خطبے میں اس طرح ارشاد فرمایا:-

يَآ أَيُّهَا النَّاسُ! قَدْ أَظَلَّكُمْ شَهْرٌ مُّبَارَكٌ.

اے لوگو! تم پر ایک بہت برکت والے مہینے نے سایہ ڈالا ہے۔

جو وقت اب تک غفلت میں اور اس آسان سی عبادت سے محروم رہے، کتنا بڑا نقصان ہوا، سال بھر میں کتنی راتیں دُنیوی مشاغل میں جاگ کر گزار دیتے ہیں، تو کیا آخرت کے لئے ہی مشکل ہے، مشکل کچھ نہیں، ہاں مشکل سمجھ رکھا ہے، آسان سمجھ

لیں تو پھر کچھ مشکل نہیں، حضرت مجذوبؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

جو آسان سمجھو تو ہے عشق آساں

جو دُشوار سمجھو تو دُشواریاں ہیں

اب آخر میں اِعتکاف کے مقامات کی تفصیل اور ان کے اَحکام کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، لہٰذا اُنہیں لکھا جاتا ہے۔

اِعتکاف کے مقامات

اِعتکاف کی سب سے افضل جگہ

سب سے افضل اِعتکاف وہ ہے جو مسجدِ بیت اللہ میں کیا جائے، اس کے بعد مسجدِ نبوی میں (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام)، اس کے بعد (ملکِ شام میں) مسجدِ اقصیٰ یعنی بیت المقدس میں، پھر وہ مسجد جس میں جمعہ ہوتا ہو، پھر محلے کی وہ مسجد جس میں نمازی زیادہ آتے ہوں، اور اگر محلے میں جامع مسجد بھی ہے لیکن پنج وقتہ نمازی کم آتے ہیں، دُوسری مسجد جہاں جمعہ نہیں ہوتا اس میں نمازی زیادہ ہوتے ہیں تو اس صورت میں جامع مسجد ہی میں اِعتکاف افضل ہے، کیونکہ جمعہ کے لئے باہر نہ جانا پڑے گا، ہاں اگر محلے میں دو جامع مسجدیں ہوں تو جس میں نمازی زیادہ آتے ہوں وہ افضل ہے۔ (بدائع الصنائع وشامی)

صاحبِ بدائع الصنائع نے اس افضلیت پر دو حدیثیں ذکر کی ہیں، پہلی روایت یہ ہے:-

۱- حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''آدمی کو اپنے گھر میں نماز پڑھنے سے ایک نماز کا ثواب ہوتا ہے اور اپنے محلے کی مسجد میں پڑھنے سے پچیّس گنا ثواب ہوتا ہے، جامع مسجد میں پانچ سو نمازوں کے برابر ثواب ہوتا ہے، مسجدِ اقصیٰ میں (ایک ہزار کا، اور اس روایت

میں ہے) پچاس ہزار کا، اور مسجدِ نبوی میں پچاس ہزار نمازوں کا، اور مسجدِ بیت اللہ میں ایک لاکھ نمازوں کے برابر ثواب ہوتا ہے۔'' (جمع الفوائد)

دُوسری روایت یہ ہے:-

۲- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سیّدِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میری اس مسجد (نبوی) میں نماز پڑھنا دُوسری مسجدوں میں نماز پڑھنے سے ہزار گنا ثواب رکھتی ہے سوائے مسجدِ حرام کے، اور میری اس مسجد میں ایک جمعہ پڑھنا سوائے مسجدِ حرام کے باقی تمام مساجد سے ہزار جمعے پڑھنے سے افضل ہے، اسی طرح اس میری مسجد میں ایک رمضان شریف گزارنا دُوسری تمام مساجد سے سوائے مسجدِ حرام کے ہزار رمضان المبارک گزارنے سے افضل ہے۔'' (الترغیب)

اِن روایات سے یہ معلوم ہوا کہ بیت اللہ کی مسجدِ حرام میں اِعتکاف کرنے سے ایک لاکھ اِعتکافوں کے برابر اور مسجدِ نبوی میں پچاس ہزار اِعتکافوں کے برابر، اور مسجدِ اقصیٰ میں ایک ہزار اِعتکافوں کا، اور جامع مسجد میں پانچ سو اِعتکاف کرنے کا، اور محلے کی مسجد میں جہاں جمعہ نہ ہوتا ہو پچیّس اِعتکاف کرنے کے برابر ثواب ملتا ہے۔ (بدائع)

جامع مسجد کس کو کہتے ہیں؟

بادشاہوں کے زمانے میں شہر میں ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا تھا، جہاں بادشاہ جمعہ کی نماز ادا کرتا تھا اور اسی کو جامع مسجد شمار کرتے تھے، اور دراصل قاعدہ بھی یہی چاہتا ہے کہ ایک ہی جگہ جمعہ پڑھا جائے یا بڑے شہروں کے ایک علاقے میں جو سب سے بڑی مسجد ہو وہاں جمعہ ادا کیا جائے، کیونکہ جمعہ کو اسی لئے ''جمعہ'' کہتے ہیں لأنّہ جامع الجماعات کہ مختلف مسجدوں کے لوگ ایک مسجد میں جمع ہوکر نمازِ جمعہ ادا کریں، آج کل ہر ہر مسجد میں جمعہ ہونے لگ گیا ہے، اگر محلے میں تین مسجدیں ہیں تو

تینوں میں جمعہ ہوتا ہے، اگرچہ یہ جائز ہے مگر مزاجِ شریعت کے خلاف ہے، بہتر وہی ہے جو اُوپر مذکور ہوا۔

مسئلہ یہ عرض کرنا ہے کہ جس جامع مسجد کا اِعتکاف کے بیان میں ذکر آیا ہے، اس سے مراد صرف شاہی مسجد نہیں بلکہ اس جامع مسجد سے مراد وہ مسجد ہے جہاں جمعہ ادا کیا جاتا ہو، کیونکہ از رُوئے شرع شہر کی متعدّد مسجدوں میں جمعہ قائم کرنا جائز ہے، لہٰذا جامع مسجدیں بھی متعدّد ہوئیں، اور ہر جامع مسجد میں پانچ سو اِعتکاف کا ثواب ہوگا، نیز بڑی مسجد جہاں نمازی زیادہ آتے ہوں اگر وہاں جمعہ نہ ہوتا ہو وہ حکماً جامع مسجد ہے، لہٰذا اس میں بھی وہی ثواب ہوگا، واللہ اعلم۔ (بدائع)

محلے کی مسجد میں اِعتکاف کرنا بہتر ہے!

حقوق کے اعتبار سے اپنے محلے کی مسجد ہی کا زیادہ حق ہے کہ اسی میں اِعتکاف کیا جائے، کیونکہ علامہ شامیؒ نے اِعتکاف کو تراویح باجماعت سے تشبیہ دی ہے، تو جس طرح محلے کی مسجد میں محلے والوں کے ذمہ تراویح کی جماعت قائم کرنا سنت علی الکفایہ ہے، اگر تمام محلے والے تراویح کی جماعت ترک کردیں تو ترکِ سنت کے سبب گنہگار ہوں گے، اسی طرح بڑے شہر کے ہر بڑے محلے میں بالکل کوئی اِعتکاف نہ کرے تو سب اہلِ محلّہ سنت کے تارک ہوں گے، اور جو شخص محلے میں سے اِعتکاف کرلے گا تو وہ اپنے اعتکاف کا ثواب بھی پالے گا اور اہلِ محلّہ کو ترکِ سنت کے وبال سے بچانے کا بھی اس کو الگ سے ثواب ملے گا، کیونکہ اس کے اعتکاف کرلینے سے سب گناہ سے بچ گئے، لہٰذا اس وجہ سے اپنے محلے والوں کا زیادہ حق ہے کہ ان کو گناہ سے بچایا جائے، بہ نسبت دُوسرے محلے والوں کے، ان پر اِعتکاف کرنا جدا سنت علی الکفایہ ہے، لہٰذا اپنے محلے ہی کی مسجد میں اِعتکاف کرنا بہتر ہے۔

(عالمگیری و جامع الرموز)

اِعتکاف گاہ کے مسائل

معتکف کو اِعتکاف میں بیٹھنے سے پہلے یہ دیکھ لینا چاہئے کہ مجھ کو اِعتکاف کی دونوں قسموں، مسنون اور مستحب میں سے کون سا اِعتکاف کرنا ہے، اور وہ اِعتکاف جس میں، میں بیٹھنا چاہتا ہوں دُرست ہوتا ہے یا نہیں۔

مسئلہ:- اِعتکافِ مسنون کے لئے ایسی مسجد ہونا ضروری ہے جہاں باقاعدہ پانچوں وقت نماز باجماعت ہوتی ہو۔ (بدائع)

مسئلہ:- جس مسجد میں تین چار وقتوں کی باقاعدہ جماعت ہوتی ہے، کسی ایک وقت نہیں ہوتی، تو ایسی مسجد میں اِعتکافِ مسنون دُرست نہیں ہوگا، صرف نفلی اِعتکاف ہوسکتا ہے۔ (بدائع)

مسئلہ:- مرد کے لئے ہر قسم کے اِعتکاف کے لئے مسجد کا ہونا ضروری ہے، اگر مرد گھر میں اِعتکاف کرے گا تو اُس کا اِعتکاف دُرست نہ ہوگا۔ (بدائع)

مسئلہ:- جو مسجد آبادی سے علیحدہ قبرستان میں یا پہاڑ یا جنگل میں ہو وہاں اکثر جماعت کا انتظام نہیں ہوتا، وہاں صرف نفلی اِعتکاف ہوسکتا ہے، مسنون اِعتکاف دُرست نہ ہوگا۔ (حاشیہ شرنبلالی)

مسئلہ:- جامع مسجد کی افضلیت اور اِعتکاف کی دُرستی اسی صورت میں ہے کہ وہاں پانچوں وقت نماز باجماعت ہوتی ہو، ورنہ جس مسجد میں پانچوں وقت باقاعدہ جماعت ہوتی ہو وہیں اِعتکاف کرنا چاہئے۔ (شامی)

مسئلہ:- مسجد کی چھت مسجد ہی کے حکم میں ہوتی ہے، اس لئے معتکف مسجد کی چھت پر آجاسکتا ہے، بشرطیکہ چھت کا زینہ مسجد کے اندر ہو، اگر زینہ مسجد سے باہر ہو تو پھر زینے پر جانا جائز نہیں۔ (بحر الرائق)

معتکف کے لئے مسجد کی حدود

مسئلہ:- تمام احاطۂ مسجد عرفاً ''مسجد'' ہی کہلاتا ہے، لیکن اعتکاف کے بیان میں جہاں ''مسجد'' کا لفظ آتا ہے اس سے مراد وہی جگہ ہوتی ہے جہاں تک سجدہ کرنے اور نماز پڑھنے کے لئے مقرّر کی گئی ہے، یعنی مسجد کا اندرونی حصہ اور صحن۔ اس کو یوں سمجھ لیں کہ جس جگہ آپ وضو نہیں کرسکتے اور جنابت کی حالت میں وہاں نہیں جاسکتے وہ جگہ مراد ہے، عموماً جہاں تک مسجد کا صحن کہلاتا ہے وہاں تک مسجد کی حدود ہوا کرتی ہے۔ (بحرالرائق)

مسئلہ:- مسجد کے صحن کے علاوہ جتنی جگہ مصالحِ مسجد کے لئے مقرّر کی گئی ہے، مثلاً وضو کرنے کی جگہ، وضو کی ٹوٹیاں، نالیاں، وضو کے لئے بیٹھنے کی جگہ، غسل خانے، اِمام یا مؤذّن کا حجرہ، جنازہ گاہ اور وہ دالان جو نماز پڑھنے کے علاوہ کسی دُوسری نیت سے بنائے ہوئے ہوں، اسی طرح سہ دریاں، تہ خانے، بچوں کی تعلیم گاہ، مسجد کا صدر دروازہ یا دُوسرا کوئی دروازہ، جہاں تک جوتے پہنے پہنے آجاتے ہیں، اور ان سب کی چھتیں، کوئی افتادہ پلاٹ، اسی طرح کی وہ تمام جگہ جو مسجد کی کسی مصلحت کے لئے یا نمازیوں کے آرام کے لئے بنائی گئی ہو، خاص سجدہ کرنے کے لئے نہ بنائی گئی ہو، اگرچہ یہ مسجد کے احاطے کے اندر ہی ہو لیکن معتکف کے لئے یہ مسجد کے حکم میں نہیں ہوتیں، ان سب جگہوں پر معتکف کو جانا جائز نہیں، اِلَّا یہ کہ وہاں شریعت نے ضرورۃً جانے کی اجازت دی ہو، جیسے وضو کرنے، پیشاب، پاخانے، غسلِ جنابت کے لئے چلے جانا یہ بقدرِ ضرورت، جائز ہے۔ (ردّ المحتار)

مسئلہ:- صحنِ مسجد میں جو حوض بنا ہوا ہوتا ہے، وہاں بھی وضو کرنے تو جاسکتا ہے لیکن دُوسرے کسی کام مثلاً کھانا کھانے کے بعد ہاتھ دھونے، کلی کرنے، کھانے کے برتن دھونے کے لئے جانا جائز نہیں، یہی حکم ہر وضو کی جگہ جانے کا ہے۔ (جامع الرموز)

مسئلہ:- عیدگاہ اور جنازہ گاہ میں اِعتکاف کرنا دُرست نہیں۔ (جامع الرموز)

مسئلہ:- مسجد کی وہ دیواریں جن پر مسجد کی عمارت قائم ہے، مسجد ہی کے حکم میں ہوتی ہیں، اس لئے اس دیوار میں کوئی محراب، طاقچہ، الماری یا کھڑکیاں بنی ہوئی ہوں یا لاؤڈ اسپیکر لگا ہوا ہو تو ان مقامات پر معتکف حالتِ اِعتکاف میں آجاسکتا ہے۔ (بحرالرائق)

مسئلہ:- جو دیوار علیحدہ بنی ہوئی ہو یا اس کے متعلق شبہ ہو کہ معلوم نہیں بانیٔ مسجد نے اس کو مسجد میں شامل کیا ہے یا نہیں، یا دیوار نہ ہو بلکہ دُوسری کوئی ایسی جگہ ہو جس کے متعلق شبہ ہو کہ معلوم نہیں یہ مسجد میں شامل ہے یا نہیں، تو جب تک تحقیق نہ کرلے کہ یہ مسجد میں شامل ہے اس وقت تک وہاں جانا جائز نہیں۔ (امداد الفتاویٰ)

مسئلہ:- مسجد کے اندر مئذنہ (یعنی اَذان دینے کی جگہ مینارہ وغیرہ) بنا ہوا ہے تو معتکف مؤذّن کو خواہ اس کو اَذان دینے پر مقرّر کیا ہوا ہو یا مقرّر کیا ہوا نہ ہو، ہر حال میں اَذان دینے کے لئے اس مئذنہ پر جانا جائز ہے، خواہ مئذنہ کا دروازہ مسجد کے اندر سے ہو یا باہر سے ہو۔ (بدائع)

مسئلہ:- اَذان کے علاوہ اور کسی غرض سے مثلاً کھانا کھانے، لیٹنے بیٹھنے، ہوا خوری کے لئے معتکف مؤذّن وغیر مؤذّن کسی کو بھی حالتِ اِعتکاف میں مئذنہ میں جانا جائز نہیں، معتکف مؤذّن کو بھی فوراً واپس آجانا چاہئے، اور اگر مئذنہ اور اس کا زینہ دونوں مسجد کے اندر ہوں تو سب کے لئے جانا جائز ہے۔ (ردّ المحتار)

مسئلہ:- مذکورہ مسئلے میں مئذنہ پر جانے کا جو حکم لکھا گیا ہے، یہ اِعتکافِ مسنون اور اِعتکافِ واجب کے لئے ہے، نفل اِعتکاف والے کے لئے کوئی ممانعت نہیں، وہ آجاسکتا ہے۔ (عالمگیری)

کئی منزلہ مسجد کا حکم

مسئلہ:- جو مسجد کئی منزلہ ہو تو اس کی ہر منزل میں اعتکاف ہوسکتا ہے، اور کسی ایک منزل میں اعتکاف کرلینے کے بعد، اس کی دوسری تیسری منزل پر بھی معتکف جاسکتا ہے بشرطیکہ آنے جانے کا زینہ مسجد کے اندر ہی ہو، حدِ مسجد سے باہر نہ ہو۔ اگر مسجد کی حد سے دو چار سیڑھیاں بھی باہر ہوجاتی ہوں تو بھی جانا جائز نہیں ہے، ہاں اگر زینہ مسجد سے باہر ہوکر جاتا ہو اور اُوپر جانا ضروری ہو تو اس کی ایک صورت یہ ہے کہ اعتکاف میں بیٹھنے کے وقت جب اعتکاف کی نیت کرے اسی وقت نیت میں شرط لگالے کہ میں فلاں زینے سے اُوپر جایا کروں گا، تو شرط کرلینے سے اُس زینے سے اُوپر چلے جانا جائز ہوجائے گا، اسے استثناء کرنا بھی کہتے ہیں، یعنی نیت میں اس زینے کو اعتکاف سے مستثنیٰ یعنی علیحدہ کرلے کہ یہ میرے اعتکاف میں شامل نہیں ہے۔ (شامی)

مسئلہ:- ایک صورت یہ ہے کہ مسجد دو منزلہ ہے، معتکف نے اُوپر والی منزل میں اعتکاف کرنے کی نیت کی ہے تو وہ زینہ بلا استثناء کئے خود ہی اعتکاف سے حکماً مستثنیٰ ہوجائے گا، کیونکہ اُوپر کی منزل میں بہرحال اس کو اسی زینے سے جانا پڑے گا تو یہ نیت میں خود بخود آگیا اور مستثنیٰ ہوگیا۔ (شامی)

مسئلہ:- حاجاتِ شرعیہ مثلاً جمعہ کی نماز کے لئے جانا اور حاجاتِ طبعیہ جیسے پیشاب پاخانہ اور غسلِ جنابت کے لئے جانا یہ خود بخود مستثنیٰ ہوجاتے ہیں، ان کو مستثنیٰ کرنے کی ضرورت نہیں، یعنی یہ ضرورت نہیں کہ اعتکاف کرتے وقت آپ یہ بھی نیت کریں کہ میں جمعہ اور پیشاب کے لئے جایا کروں گا، ان کی شریعت نے خود اجازت دے دی ہے، لہٰذا یہ خود بخود مستثنیٰ ہوجاتے ہیں۔ (جامع الرموز)

مسئلہ:- معتکف کو دن یا رات میں احتلام ہوجائے تو اس سے اعتکاف

میں کوئی فرق نہیں آتا، معتکف کو چاہئے کہ آنکھ کھلتے ہی پہلے تیمّم کرے یا تو پہلے ہی سے ایک کچی یا پکی اینٹ رکھ لی جائے، ورنہ بدرجۂ مجبوری مسجد کے صحن یا دیوار پر تیمّم کر کے غسل کے لئے جائے۔ (بدائع)

غسل کا انتظام خود بھی کرسکتا ہے، دُوسرا کوئی کردے تو یہ بھی جائز ہے، مثلاً پانی کا بھرنا، پانی ڈالنے کے لئے لوٹا یا کوئی برتن لانا، اگر دُوسرا کوئی انتظام کر رہا ہو تو اتنی دیر معتکف تیمّم کے ساتھ مسجد میں رہے، پھر نہا کر کپڑے پہن کر مسجد میں آجائے۔

مسئلہ:- گرمی کی بناء پر ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے مسجد سے باہر غسل کے لئے جانا جائز نہیں۔

مسئلہ:- غسل جمعہ کے لئے بھی معتکف کو مسجد سے باہر جانا جائز نہیں، البتہ جمعہ سے پہلے ضرورتِ شرعیہ یا طبعیہ مثلاً جمعہ پڑھنے یا پیشاب و پاخانے کے لئے باہر گیا تو واپسی میں غسلِ جمعہ کرسکتا ہے، جلدی غسل کر کے مسجد میں آجائے، کیونکہ غسلِ جمعہ مسنون عبادت ہے، اور ایسی صورت میں ہر عبادت ادا کی جاسکتی ہے۔ (امداد الفتاویٰ)

مسئلہ:- معتکف کو ہر نماز کے لئے، فرض ہو، واجب ہو، سنت ہو، نفل ہو، تلاوتِ قرآن مجید کرنا ہو، سجدۂ تلاوت کرنا ہو، نماز قضا کرنی ہو، ان سب کے لئے جس وقت چاہے وضو کرنے کے لئے باہر چلے جانا جائز ہے، کیونکہ ان سب کے لئے وضو کرنا شرط ہے، البتہ جن صورتوں میں وضو کرنا شرط نہ ہو بلکہ مستحب ہو جیسے وضو پر وضو کرنا، یا ذکرِ الٰہی کے واسطے وضو کرنا ہو تو وضو کرنے کے لئے باہر نہ جائے، مسجد سے باہر جانے سے مراد وہ جگہ بھی ہے جہاں مسجد میں وضو کیا کرتے ہیں۔ (شامی)

مسئلہ:- معتکف کا بدن یا کپڑے ناپاک ہوجائیں تو خود بھی مسجد سے باہر جا کر دھوسکتا ہے، کیونکہ ناپاکی اور ناپاک چیز سے مسجد کو بچانا واجب ہے۔ (شامی)

مسئلہ:- مسجد میں وضو کا پانی ختم ہوجائے تو جہاں سے جلدی لاسکتا ہے وہاں جا کر پانی لاسکتا ہے، اور اگر گھر جانا پڑے تو وہاں بھی جانا جائز ہے، خواہ وہیں

وضو کر کے آجائے یا مسجد میں آکر نالی پر وضو کرے، درمیان میں بلاضرورت کہیں توقف نہ کرے۔ (جامع الرموز)

مسئلہ:- سردیوں میں احتلام ہوجائے اور ٹھنڈے پانی سے ضرر کا اندیشہ ہو تو معتکف تیمّم کر کے مسجد میں رہے، اور گھر خبر کردے تاکہ پانی گرم ہوجائے، اگر حجام کے یہاں گرم حمام کا انتظام ہوتو قریب والی دُکان پر بھی غسل کر کے فوراً چلا آئے، یہ بھی دُرست ہے، اگر ہوسکے تو حمام والے کو اپنے آنے کی اطلاع کردے۔ (جامع الرموز)

(ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ)

از مثنوی مولانا رُوم رحمۃ اللہ علیہ

آں شنیدی تو کہ در ہندوستاں

دید دانائے گروہِ داستاں

یہ واقعہ یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ ہندوستان کی ایک نقل ہے چند احباب مل کر شکار کے لئے نکلے۔

فائدہ:- شکار کھیلنا شرعاً جائز ہے، لیکن اس میں انہماک مضر ہے، کیونکہ پھر یہ لہو ولعب کی حد میں آجاتا ہے، شکاری کو نماز روزے اور اَحکامِ خداوندی سے جب غفلت ہونے لگے تو روک دیا جائے گا: "وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ، وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ، لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ" دُنیا کی زندگی محض کھیل کود ہے، اور بلاشبہ دارِ آخرت ہی زندگی ہے، کاش یہ لوگ جان لیں۔

تشریح:- یہ شکاری لوگ ایسے جنگل میں جا نکلے جہاں ہاتھی کثرت سے تھے، اور ہاتھی کے بچے بہت خوبصورت ہوتے ہیں، شکاری کو شکار مل جائے تو وہ آگا پیچھا کم سوچتا ہے، ایک عقل مند آدمی ان کو سمجھانے آیا اور اس نے کہا تم ناواقف ہو دیکھنا ہاتھی کے بچے کا شکار نہ کرنا، کیونکہ تم نے اگر اس کو کھالیا تو ہتھنی کسی کو نہ چھوڑے گی۔

فائدہ:- جب کوئی گرفتارِ بلا ہو تو ناصح کو چاہئے کہ اپنی نصیحت سے گریز نہ کرے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ" ، نیکی کا حکم کر اور بُرائی سے منع کر اور (اس راہ میں

جو) تجھ کو مصیبت آئے تو اس پر صبر کر، بے شک یہ تیرے عزم والے کاموں میں ہے۔

جس کو نصیحت کی جائے اور نصیحت کرنے والا مخلص ہو تو اس کی نصیحت مان لینی چاہئے، بالخصوص جب وہ آخرت کے لئے نصیحت کر رہا ہو، اس سے دُشمنی کرنا تو بہت ہی بُری بات ہے، اس لئے حدیثِ قدسی میں آیا ہے: "**من عادی لی ولیًا فقد اذنته بالحرب**" جس شخص نے میرے کسی ولی سے دُشمنی کی میں اس کو جنگ کا اعلان کرتا ہوں، پھر یہ سارے اللہ کے بندے بمنزلہ اللہ کی عیال کے ہیں جو ان کو نفع پہنچائے وہ اللہ کا محبوب بندہ ہے اور جو ان سے بلا وجہ شرعی بغض کرے اور ان کو ایذاء پہنچائے وہ بندہ عنداللہ مبغوض ہے، حدیث شریف میں ہے: "**الخلق عیال اللہ واحبهم الی اللہ انفعهم لعیاله، وابغضهم الی اللہ اذاهم لعیاله**" اور مسلمانوں کو ایذاء دینا تو ایمان کے کمال کی کمی کی علامت ہے: "**المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده**" (حدیث) کامل مسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ ہوں، کسی کا تمسخر کرنا، اس کی نصیحت پر ان کی مخالفت کرنا یہ ایذاء پہنچانا ہے، ناصحین میں سب سے اشرف انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں، پھر ان کے صحیح نائبین ہوتے ہیں، ماقبل اُمتوں نے جب اللہ کے نبیوں کا تمسخر کیا، ان کی تعلیم کا مذاق اُڑایا، بالآخر ان کی بددُعا کا انجام سامنے آیا اور ہلاک ہوگئے۔ قرآنِ کریم میں ہے: "**وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ وَبِالَّيْلِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ**" اور تم (ملک شام کی طرف) ان بستیوں پر سے صبح اور رات کو گزرتے ہو (تو عبرت کی نظر سے دیکھو) کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

تشریح:- اتفاق سے ان شکاریوں کے سامنے ہاتھی کے بچے کھیلتے ہوئے آئے، ان شکاریوں کو کھانے کی حرص تھی، حرص نے ان کو اندھا کر دیا، کہنے لگے کہ ان کے تو کباب بڑے لذیذ بنائے جائیں گے، ان کو گھیر ادو۔

فائدہ:- حرص آدمی کو اندھا کر دیتی ہے، حریص آدمی مارا مارا پھرتا ہے،

صرف موہوم نفع پر تھک کے چور ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ تو صرف حسرت کے کچھ حاصل نہیں ہوتا، جیسے ریچھ کا رقص لاحاصل و بے فائدہ، ہاں! اگر تو اپنی خودرائی و خود بینی اور شہرت کی حرص نکال دینے پر رقص کرے تو جائز ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تجھے قبر اور حشر کے عذاب سے آگاہ کرتے ہیں، مگر دُنیا کا حریص ان کی نصیحت نہیں سنتا، تو مردار ہاتھی کھانے کی فکر میں ہے، اور وہ تجھ کو منع کرتے ہیں کہ یہ حرام ہے اور پھر عذاب سے ڈراتے ہیں کہ قبر عالمِ برزخ کی ایک کوٹھڑی ہے، عالمِ برزخ کے سامنے دُنیا کچھ نہیں ہے، وہ تجھے عالمِ برزخ کا آرام دینا چاہتے ہیں تو اس تنگ و تاریک دُنیا کے پیچھے ان کی بات نہیں مانتا، دُنیا تو عالمِ برزخ کے سامنے ایسی ہے جیسے دُنیا اور تیری ماں کا پیٹ۔

کہیں جہانے چیست بس تاریک و تنگ

ہست بیروں عالمے بے بود و رنگ

جیسے ماں کے پیٹ میں بچہ حرص سے خون کھاتا ہے اور اُسے عالمِ دُنیا کا یقین نہیں آتا کہ اتنا بڑا عالم بھی کہیں ہوسکتا ہے، بالکل اسی طرح جیسے سمندر کا مینڈک کہیں کنویں میں گر گیا، کنویں کے مینڈک نے سمندر نہیں دیکھا تھا، جب سمندر کے مینڈک نے اس کے سوال پر سمندر کی وسعت بیان کی اُسے یقین ہی نہیں آیا اور کہنے لگا کہ تو جھوٹ بولتا ہے، بھلا اس سارے کنویں سے بھی سمندر بڑا ہوسکتا ہے؟ اسی طرح دُنیا ایک کنویں کی طرح ہے اور عالمِ برزخ سمندر کی طرح ہے، پھر عالمِ آخرت اس کے مقابلے میں سمندر کی طرح ہے۔

تشریح:- اس عقل مند نے ان شکاریوں سے کہا کہ تم کباب کر کے ہاتھی کے بچے کا گوشت نہ کھاؤ ورنہ ہاتھی آئے گا اور ایک ایک کو سونگھے گا، اُسے بو آجاتی ہے۔

فائدہ:- تو بھی لوگوں کی غیبت کر کے مردار کا گوشت نہ کھا، اللہ تعالیٰ منع کرتا ہے: "وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا، اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّأْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا

فَکَرِھْتُمُوْهُ، وَاتَّقُوا اللّٰهَ، اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ"۔

اس غیبت کے بوگیر قبر کے منکر نکیر ہیں، وہ سونگھ لیں گے۔

وائے آن افسوسے کش بوئے گیر
باشد اندر گور منکر یا نکیر

تو ان کے گرز سے کیسے بچے گا، مردہ دیکھتا ہے کہ یہ تلوار مار رہا ہے مگر سوائے اس کے اور کوئی نہ دیکھے گا، اسی طرح یہ حرص نظر نہیں آتی مگر فرشتے بے ہنگام مرغ کی طرح اسے پہچانتے اور ذبح کر دیتے ہیں، عمر ایک ہمیانی ہے اسے بے جا صرف نہ کر، دُنیا کا زیادہ حریص نہ بن، دِین میں کوشش وسعی کر۔

در تمامی کارہا چندیں مکوش
جز بکارے کہ بود در دیں بکوش

قبر والا مکان بنا اور سنوار، یہاں کے اطلس کچھ کام نہ آویں گے۔

تشریح:- ناصح نے نصیحت کی اپنا ذمہ ادا کیا اور چل دیا، ان شکاریوں نے حرصِ شکم سے تنگ آ کر ایک موٹے تازے فیل زادے کو شکار کیا اور اس کے کباب بنا کر خوب سیر ہو کر کھائے، ان میں سے ایک آدمی ایسا تھا جسے ناصح کی نصیحت یاد تھی، وہ بھوکا رہا مگر کھایا نہیں، پیٹ بھرا اور نیند نے دبایا سب سو گئے، مگر بھوکا آدمی نہ سویا، ایک ہاتھی آیا، اس نے سب سے پہلے اسی بھوکے کو سونگھا اور کچھ نہ کہا، اس کے بعد ہر ایک کو سونگھا چیرا اور اُٹھا کے پٹکا دے مارا اور اس طرح سب مر گئے، ہاتھی کے بچے کا خون کیا کیا نتیجہ سامنے آیا۔

اے لوگوں کے خون پینے والے! یہ خون آخر حملہ کرے گا۔

اے خورندہ خونِ خلق از رہ بگرد
تا بنار و خون ایشانت نبرد

سود، رشوت، تاوان، جرمانہ، کبر و حرص ان سب کی بو آسمان کو جاتی ہے، یہ

لوگوں کا مال نظر آتا ہے، یہ دراصل خون ہے، یہ ان کا خون پسینہ ہے۔

مالِ ایشاں خونِ ایشاں داں یقین
زانکہ مال از زور آئید در یمین

بھلا اس بدبو کے ساتھ تو حق تعالیٰ سے دُعا کرتا ہے اور قبول نہ ہونے پر شکوہ بھی کرتا ہے، تیرے دُعا کے لفظ بڑھیا مگر معانی سے خالی نہیں، دُعا کا باطن اِخلاص کے ساتھ اچھا ہو چاہے الفاظ ایسے ہی ہوں۔

دیکھو! حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کہ عربی زبان ان کی مادری زبان نہ تھی، مگر دِل کے اچھے تھے اس لئے مقبولِ بارگاہ تھے۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: ایسے منہ سے دُعا نہ کرو جس نے گناہ کیا ہو، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: باری تعالیٰ ایسا منہ کہاں سے آئے؟ ارشاد فرمایا کہ: دُوسرے کا منہ تیرے گناہ سے پاک ہے، تو تیرے لئے تیرے گناہوں سے پاک منہ دُعا کرے تو قبول ہوگی، یعنی اخوان الصفا، خلوص والوں سے دُعا کا طالب ہو اس لئے کہ ان کا منہ تیرے منہ کے گناہوں سے پاک ہے اور دُعا کے الفاظ بھی پاک، تو یہ دو پاک مل کر ناپاکی کو نکال دیں گے کیونکہ ضد سے ضد بھاگتی ہے، رات سے دن اور دن سے رات، خلوص کے ساتھ اللہ کا نام لے اور یہ توفیق بھی اس کی جانب سے جان۔ ایک جاہل عابد کی حکایت ہے کہ وہ رات بھر اللہ اللہ کیا کرتے دو سال ہوگئے، تو شیطان نے دھوکا دیا اس طرح کہ وہ رات کو یادِ الٰہی میں مصروف تھے، شیطان پہنچا اور کہنے لگا کہ تو دو سال سے اللہ اللہ کہہ رہا ہے کبھی اللہ نے بھی لبیک عبدی کہا ہے؟ تو آواز آئی کہ ہاں بندے میں نے قبول کرلیا، اس نے کہا: نہیں، تو شیطان کہنے لگا پھر اُٹھا اس مصلّے کی سو بھی جا جب وہ قبول ہی نہیں کرتے، ہاں یہی نہیں کہتے خواہ مخواہ محنت سے کیا فائدہ؟ جاہل پٹی میں آگیا اور لیٹ گیا، مگر کسی سعی خالی نہیں چھوڑتے اللہ تعالیٰ نے کسی فرشتے کو بھیجا وہ آیا عابد کو جگایا اور پوچھا کہ میاں

اس حجرے سے اللہ اللہ کی آواز آیا کرتی تھی آج کیا بات ہے؟ اس عابد نے وہی شیطانی والی پٹی ظاہر کی، اس فرشتے نے کہا: میاں عابد! یہ بتاؤ کہ یہ اللہ اللہ تم کرتے ہو یا وہ کراتے ہیں؟ کہنے لگا: نہیں، سب اسی کی توفیق سے ہوتا ہے، فرشتے نے کہا: بندۂ خدا! جب ایک دفعہ تم نے اس کا نام لیا پھر دوبارہ اس نے اجازت دی تب تیری زبان اللہ بولتی ہے اور پہلا قبول کر لیتے ہیں تب ہی تو دوبارہ اجازت دیتے ہیں، یہ بار بار زبان کو اجازت دینا ان کے ہاں کرنا ہے تم کوئی پیغمبر ہو کہ تم سے بات کریں گے، یہ تمہارا اللہ اللہ کرانا ان کا قبول کرنا ہے، یہ سب ان ہی کی توفیق سے تو ہے، تب وہ سیدھا ہوا۔

اور جن کا نام لینا ان کو پسند نہیں ان کے قلب ولسان پر قفل لگا دیتے ہیں، جیسے فرعون تھا اُسے کتنا مال و ملک دیا مگر ایک دن بھی سر میں درد تک نہ ہوا، تاکہ کہیں یہ ہمارا نام لے لے، کیونکہ اللہ کا نام لینا صرف اس کے دوستوں کا حصہ ہے، اور اسی کی توفیق سے لیتا ہے، تو صبر وحزم سے کام لیتا رہ، تیرے چاروں طرف شیاطین اور اِنس وجن برسرِ پیکار ہیں، تجھے ہر گھڑی اپنی طرف بلاتے ہیں اور خدا کی یاد سے الگ کرتے ہیں، چوب ولقمہ شیریں لئے ہوئے ترے کان میں طرح طرح سے جادو پھونکتے ہیں، حزم و ہوشیاری کی بات یہ ہے کہ جب چربِ ناجائز لقمہ تیرے سامنے لاویں تو کہہ دے کہ میں اس وقت معدہ کا علاج کر رہا ہوں یا کوئی بہانہ کر دے کہ (میرے اللہ نے) دعوت کر رکھی ہے وہ دعوت ضرور آئے گی اس کا نہ کھانا ناشکری ہوگا، وہ صیاد ہیں دانہ ڈال کر تجھے پھنسانا چاہتے ہیں، اس لئے حزم و ہوشیاری سے کام لے یوں تو سوچ کہ یہ مینڈھا یا دُنبہ میدان میں کسی نے بلاوجہ باندھ دیا ہے یا اس سے کسی کو شکار کرنا ہے، اپنی دولت کون ضائع کرتا ہے، حزم سے کام لینا دِین داری ہے میدان تو صاف ہے پھر دانہ ایک جگہ کیسا بکھرا ہوا ہے، سوچ کہیں اسی لقمے کے نیچے جال نہ ہو کہ پھنس جائے اور عذاب میں گرفتار ہو جائے، یا سمجھ سے کام لے یا

پھر کسی سمجھ والے کے پیچھے چل، اگر اندھا ہے تو ایک ایک قدم سوچ کر رکھ کہیں ٹھوکر نہ لگ جائے یا سوانکھے کو ساتھ لے اور اس کے سہارے چل، ایسا نہ ہو کہ دھوئیں سے بھاگے اور آگ میں گرے، لقمے کے لئے ہاتھ بڑھائے اور سانپ ڈس لے، فرّ مِن المطر ووقع تحت المیزاب ، بارش سے بچنے کو بھاگا اور پرنالے کے نیچے کھڑا ہوگیا۔ حدیث شریف میں ہے: "ان من حزم الانسان سوء الظن" بدگمان ہوکر بچے رہنا انسان کی تجربہ کاری اور ہوشیاری کی بات ہے، اور یہ سوچ بچار آخرت کے بارے میں زیادہ ہونی چاہئے، ہر وہ کام جس کے کرنے سے کل تکلیف ہو اسے آج ہی ترک کردے، یہی تقویٰ اور پرہیزگاری ہے، آخرت کے راستے میں شیطان نے جگہ جگہ جال لگائے ہوئے ہیں، ذرا ہوشیاری سے چل کہیں راہِ آخرت کھوٹی نہ ہوجائے ؎

صد ہزاراں دام و دانہ است ایخدا

ماچوں مرغانِ حریص بے نوا

حرصِ مال اور حرصِ جاہ کو پاس نہ آنے دو کہ یہ دِین کو مونڈنے والی بلائیں ہیں، اور جو کچھ ہے وہ اس کی عنایت اور مہربانی سمجھئے ہے، سب ظاہر و باطن اوّل و آخر ان ہی کا معاملہ وہی ہیں ان ہی سے دِل لگا، "هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ"۔

اس دُنیا کو سارے اعضا تو دے رکھے ہیں، آنکھ، کان، ہاتھ، پیر سب کارِ دُنیا میں منہمک رہتے ہیں، ایک قلب ہے جو یادِ الٰہی کے لئے ہے جہاں وہ آتے ہیں اُسے تو ان ہی کے لئے رکھو، اس میں دُنیا آئی اور کشتی اُلٹی ہوئی، یہ قلب میرے رَبّ کے لئے ہے اور تو اے دُنیا! تجھے سارا جسم دیا ہوا ہے، کیا یہ قلب بھی دے دُوں؟ اس میں تو میرے رَبّ رہیں گے، ان کی یاد رہے گی، اور جب قلب جو بدن کا بادشاہ ہے ان کی یاد کا محل ہوگا تو سارے اعضاء ان کے حکم کے ماتحت ہوجائیں گے، حزم اور ہوشیاری سے کام لو، واللہ الموفق والمعین۔

ح:- ایک گنوار کسی شہری آدمی کے پاس آکر ٹھہرا کرتا تھا اور ہفتے عشرے تک کھاتا پیتا اور اپنا کام بھی کرلیا کرتا، اس کی ایک عادت تھی کہ جب بھی وہ واپس اپنے گاؤں کو لوٹتا تو شہری دوست کو دعوت دیا کرتا کہ: ''آپ بھی کبھی میرے گاؤں میں آئیں اور بچوں سمیت آئیں، وہاں کی آب و ہوا صحت بخش ہے، سرسبز لہلہاتے کھیت ہیں اور میرے یہاں گھور ڈانگر بھی بہتیرے ہیں، گھی، دُودھ، لسی خوب حاضر کروں گا، آپ ضرور آنا۔'' ایک مرتبہ وہ خوب سر ہوا، شہری کے بچے بولے کہ ابا جان! یہ اتنی بار کہہ چکا ہے تم چلو ہم بھی چلیں، سیر کریں اور کھائیں پئیں گے، باپ بولا: اِنّ من الحزم سوء الظن، سمجھ داری کی بات یہی ہے کہ بدگمان ہوکر بچا رہے۔ سو کیا خبر ہے اب تو دوستی ہے، اس کے گھر جاکر اس کی یا ہماری طبیعت کے خلاف کوئی بات پیش آجائے اور دوستی ہی ختم ہوجائے، کوئی ضروری کام تو درپیش ہے نہیں اس لئے بلاوجہ کسی کے گھر جانا خطرے سے خالی نہیں ہے، پھر خدا نے سب کچھ دے رکھا ہے، اس کا شکر کرو، کھاؤ پیؤ، اور بیٹا کسی کے مال پر نظر نہ دوڑاؤ، اپنے گھر کی چوکھٹ ہی اچھی ہے، کتے کو دیکھو وہ تو مار کھاتا ہے مگر اپنے مالک کا دروازہ نہیں چھوڑتا بلکہ جو اپنے مالک کا دروازہ چھوڑ کر نکل آتا ہے تو ہر کتا اسے بھونکتا ہے، جہاں جاتا ہے ہر مقام کا کتا اس سے لڑتا ہے کہ جا اپنے مالک کے دروازے پر جا، یہاں کیوں مارا مارا پھرتا ہے ؎

چون سگان ہم مرسگان را ناصح اند
کہ دل اندر خانۂ اول بہ بند
می گزندش کاے سگ طاغی برو
بادلِ نعمتت باغی مشو!

فائدہ:- تو بھی اس مالکِ حقیقی کا دروازہ پکڑلے اور اس سے وفا کی اُمید باندھ اور اس آیت میں غور کر:-

وَمَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ.

اللہ تعالیٰ سے زیادہ اپنے وعدوں کو پورا کرنے والا کون ہے؟

دیکھ دُنیا میں تیری ماں نے تجھ کو کس کس طرح پالا، تکلیفیں اُٹھائیں، اسی لئے سب سے زیادہ حق ماں کا ہے، مگر سوچ تو سہی کہ اس ماں میں یہ مامتا کس نے پیدا کی؟ ان پستانوں میں دُودھ کس نے بھرا؟ کیا وہ لائقِ محبت نہیں ہے؟ ؎

پس حقِ حق سابق از مادر بود
ہر کہ آن حق نداند خربود
آنکہ مادر آفرید و ضرع و شیر
باپدر کردش قرین آں خود بگیر

پس حق تعالیٰ کا حق ماں کے حق سے مقدّم ہے، جو حق تعالیٰ کو نہ جانے تو وہ گدھا ہے، جس نے تیری ماں کو پیدا کیا، پستان اور اس میں دُودھ پیدا کیا، تیرے والد کو تیرا دیکھ بھال کرنے والا بنایا تو اس کا بھی حق سمجھ اور اس کی عبادت کر وہ تیرے ساتھ ہے، اب سے نہیں تیرے پیدا ہونے سے پہلے سے ہے، حضرت آدم علیہ السلام کی صلب میں تیری حفاظت کی، حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان میں تیری نگہبانی کی:-

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ. وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ. وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ. اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ. (یٰسٓ:۴۱ تا ۴۴)

ترجمہ:- اور ایک نشانی ان کے لئے یہ ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو ایک بھری کشتی میں اُٹھایا اور ان کے لئے ایسی اور چیزیں پیدا کیں جن پر یہ سوار ہوتے ہیں اور اگر ہم چاہتے تو ان کو غرق

کر دیتے پس نہ ان کی چیخ سنائی دیتی اور نہ وہ بچ سکتے تھے، مگر ہماری ہی رحمت سے اور ایک مدّتِ مقرّرہ تک نفع پہنچانے کے لئے (ایسا کیا)۔

تو بے وفاؤں پر فدا ہوتا ہے اور وفادار سے بچتا پھرتا ہے، تو اس کے ماسوا کا احسان اُٹھاتا ہے اور حق تعالیٰ سے بدگمانی کرتا ہے، ایک دن ہوگا کہ ہم پوچھ لیں گے کہ وہ تیرے یارِ غار کہاں گئے؟ تو نے کبھی سوچا کہ قارون کا کیا انجام ہوا؟ سوچ! جو باوفا ہے ہمہ وقت وہ تیرے ساتھ ہے، اسی کے ساتھ ہو جا: "وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ" اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو۔ اس باری تعالیٰ سے اِعراض اور پہلوتہی نہ کر، سن! "وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى" اور جو میرے ذکر سے اِعراض کرے گا پس بلاشبہ اس کے لئے زندگی تنگ و تلخ کر دوں گا، اور ہم اس کو قیامت کے روز نابینا اُٹھائیں گے۔ ناشکری کرنا اچھا نہیں ہے، کیا تو نے اہلِ سبا کا واقعہ نہیں سنا، جب انہوں نے ناشکری کی تو کیا انجام ہوا، اس واقعہ میں تو بڑی عبرت اور نشانی موجود ہے:-

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِیْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ، جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ، كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ، بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ. فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَیْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَیْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ. ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا، وَهَلْ نُجٰزِیْ اِلَّا الْكَفُوْرَ. (سبا:۱۵ تا ۱۷)

ترجمہ:- بلاشبہ قومِ سبا اور اس کے مسکن میں بڑی نشانی ہے، ان کے دونوں جانب دائیں اور بائیں باغات تھے، ان کو حکم تھا کہ اپنے ربّ کی پیدا کی ہوئی روزی کھاؤ اور اس مالک کا شکر کرو،

تمہارا شہر پاکیزہ ہے اور رَبّ بخشنے والا ہے، پس (ان لوگوں نے خدا کے حکم سے) اِعراض کیا (اس کے نتیجے میں) ہم نے ان کے عرم (جو ایک پانی کا بند تھا اس) کو (توڑ دیا)، اس کے بہاؤ نے (تمام بستیوں اور باغات کو نیست و نابود کر دیا اور) ان کے (شاداب) دونوں جانب کے باغوں کی جگہ ایسے بے رونق درخت اُگا دیئے، کہنے کو باغ مگر کسیلے مزے والے پیڑ اور جھاؤ کے درخت اور تھوڑے بہت جھڑ بیری کے درخت رہ گئے، یہ ہم نے ان کو بدلہ دیا ان کی ناشکری کا، اور ہم ناشکری کرنے والوں ہی کو ایسا بدلہ دیا کرتے ہیں۔

ان لوگوں کی ناشکری اس درجہ تک پہنچ گئی تھی کہ یہ سرسبز و شاداب باغات جن میں قسم قسم کے میوے لگتے تھے، ان باغوں میں کوٹھیاں تھیں، عیش میں آ گئے، خدا کو بھول گئے، اس کے پیغمبروں کی نافرمانی کی اور کہنے لگے کہ ہم کو ایسے سفر نہیں چاہئیں کہ ہر تین میل پر سرائے ہو اور مفت کھانا بسترا ملے، ہر میل پر کنواں ہو، دو رویہ میوے دار درخت ہوں، دُھوپ تو آنی چاہئے، سفر میں کچھ دُوری ہو جائے، تھکیں، دُھوپ لگے، یعنی خیر کی جگہ شر مانگنے لگے، اور کیا ناشکری ہوتی؟ کہنے لگے:-

رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ، اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ. (سبا:۱۹)

انسان کا یہ حال ہے، گرمی ہو تو جاڑے کا طالب، جاڑا ہو تو گرمی کا طالب، عیش میں تنگی، اور تنگی میں عیش کا خواہاں، مالک کے دیئے ہوئے کسی ایک حال پر راضی نہیں، مال آئے تو مال اتنا کیوں آ رہا ہے، کہاں رکھوں؟ واہ رے انسان! ''قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ'' انسان ہلاک ہو جائے، کس قدر یہ رَبّ کا ناشکرا ہے، ''اِنَّ

اُلاِنۡسَانَ لِرَبِّهٖ لَکَنُوۡدٌ" بے شک انسان اپنے رَبّ کا ناشکرا ہے۔

اہلِ سبا نے تنعّم کی جگہ تعب مانگا، ناصحوں کو قتل کی دھمکی دی، سچ ہے جب قضا آتی ہے آنکھ اندھی ہو جاتی ہے ؎

گفت اذا جاء القضا ضاق الفضا

تحجب الابصار اذا جاء القضا

چشم بستہ می شود وقتِ قضا

تا نہ بیند چشم کحل چشم را

جب قضا آتی ہے میدان تنگ ہو جاتا ہے، آنکھ اندھی ہو جاتی ہے، راستہ ہوتا ہے مگر دِکھائی نہیں دیتا، جیسے آنکھ میں سرمہ لگا ہوتا ہے مگر آنکھ نہیں دیکھتی۔

قضا اور اس کا فیصلہ آیا ہے تو اسی سے دُعا کرو جس کا یہ فیصلہ آیا ہے، اس لئے کہ اس کے سوا اور کوئی اُسے نہیں ٹال سکتا۔

جب تو جنگل میں اکیلا ہو اور بھیڑیا حملہ کرنے کو گرد اُڑا رہا ہو تو اسی اللہ بچانے والے کو پکار، اور جان لے کہ اس گرد و غبار میں بھیڑیا مستور ہے، بس اس کی رحمت سے بچے گا جس نے اس بھیڑیے کو پیدا کیا ہے۔

اگر تو بھیڑیے کی گرد سے واقف نہیں ہے تو اس جنگل میں کیوں گیا؟ بکریوں کے ریوڑ کو چلتا ہوا دیکھ کہ جو کنارے پر ہوتی ہے وہ بیچ میں گھس گھس کے چلتی ہے، ہر ایک کا یہی حال ہے، کیونکہ بھیڑیا کنارے والی بکری کو اُٹھا کر لے جاتا ہے، تو بھی جماعتِ حقہ کے ساتھ ملا رہ، ورنہ شیطان جو بھیڑیا ہے اُچک لے گا، جب تجھے اس نفس و شیطان کا اثر معلوم ہو فوراً مناجات کر، اور جاننے والا جب تجھے آگاہی دے کہ اس طرف بھیڑیا ہے تو اس کی بات پر عمل کر، ہاں! یہ دیکھ لے کہ یہ بتانے والا سچا ہے یا جھوٹا، جب وہ مخلص اور سچا ہے تو اَب تقریر نہ کر کہ "ہم تمہاری بات کیوں مانیں، ہم کو سب علم ہے، ہم کیوں کسی کے تابع ہوں، ہم بھی بہت رستے دیکھے ہوئے

ہیں، اچھا تم مت جانا، ہم دیکھ لیں گے کیا ہوتا ہے" پھر نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہوگا کہ بھیڑیا آئے گا اور اُٹھا کر لے جائے گا یا پھاڑ کھائے گا۔

تجھے راہ رو، راہ کی اُونچ نیچ سے واقف کرا رہا ہے اور تو اس کی بات کا مذاق اُڑتا ہے؟

ح:- جب بچوں نے زیادہ زور دیا تو باپ بیچارے کا عزم پتلا ہوگیا، یہ اولاد بھی فتنہ ہے۔

ف:- "اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ" مال کی طرح اولاد بھی آزمائش ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الولد مُبْخِلَةٌ مُجْبِنَةٌ" اولاد بخیل اور بزدل کرنے والی ہے، جہاں اللہ کا راستہ ایسا آیا جہاں جان یا مال کا سوال ہے فوراً اولاد دامن پکڑ لیتی ہے کہ ان کو کون پالے گا، یہ کیا اور کہاں سے کھائیں گے، اس طرح جیسے یہی ان کی جان و مال و رزق کا خالق ہے کہ اس کے بغیر ان کا پلنا محال ہے۔

ح:- شہری کے بچے بولے: ابا! چلو وہاں گاؤں میں ہم کھیلیں گے اور خوب کھائیں گے۔

ف:- یہی یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا تھا: "اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ" اباجان! اس یوسفؑ کو کل ہمارے ساتھ بھیج دو یہ کھائے گا اور کھیلے گا، یہ غذا کا معاملہ بھی عجیب ہے، یہ بھی خدا سے ہٹا دیتی ہے۔

مدینہ منوّرہ کے ابتدائی وقت میں ایسا ہوا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، اتفاق سے اسی وقت اناج بیچنے والوں نے فروختگی کی اطلاع کے لئے ٹین بجا دیا، ضرورت سب کو تھی اس لئے کچھ صحابہ کرامؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ پڑھتے چھوڑ کر گندم کی خریداری کے لئے مسجد سے باہر آگئے، اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اُتاریں: "وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا نِ انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا .... الخ" اور جب یہ کسی تجارت یا لہو کو دیکھتے ہیں تو اسی کی طرف جھک جاتے

ہیں اور آپ کو کھڑا چھوڑ جاتے ہیں، اے نبی! ان سے کہہ دو کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ تجارت اور لہوٗ سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ بہترین روزی دینے والا ہے۔

وہ تو گندم کو فروغ اور قوت بخشتا ہے، اگر تو اس پر توکل کرے گا تو کیا تجھے محروم کردے گا؟ ''وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهُ''۔

ح:- الغرض بچوں کے سر ہونے پر شہری نے بہت حیلے کئے مگر سب غیر مفید، قضا اور اس کے فیصلے کے آگے کسی کی نہیں چلتی ؎

گر شوت ذراتِ عالم حیلہ پیچ
باقضائے آسماں ہیچ اند و ہیچ
ہرچہ آید زآسماں سوئے زمیں
نے مفر دارد نہ چارہ نے کمیں

جب زمین آسمان سے آئے ہوئے سب حکم سہتی ہے تو تو بھی بھیا مٹی سے پیدا ہوا ہے: ''وَاللهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ'' تو تُو بھی مٹی کی طرح ہوجا! مٹی کی خاصیت عجز و بے چارگی ہے، تو عاجزی اور فرماں برداری اختیار کر۔

کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

ح:- اس شہری کی کوئی بات نہ چلی تو غم ہوگیا، اُسے تردّد ہوگیا کہ اب کیا کروں؟

ف:- دراصل اس تردّد کا نام ہی غم ہے، ایسا کروں یا نہ کروں، بس یہی غم ہے، جس کو تردّد ہے وہی غمگین ہے، اور جو مطمئن ہے وہ خوش رہتا ہے، بس کسی راہ جاننے والے کے پیچھے ہولیتا ہے اور اطمینان سے چلتا رہتا ہے اور مقصود پالیتا ہے، جیسے نافہ کا متلاشی آہو کے کھوج دیکھتا ہے ان کے ساتھ ساتھ چلتا ہے اور پالیتا ہے، اسی طرح تو بھی نیکوں کا کھوج لگا، پائے گا، پھر آگ و دریا پر چلے گا تو خوف نہ ہوگا، خوف تو اسی کو ہوتا ہے جسے خوفِ خدا نہ ہو۔

ح:- وہ شہری مجبور ہوگیا اور بچوں کو لے کر گاؤں کی طرف چلا، بچے خیال کرتے چلے کہ وہ گنوار اب ہمارے لئے سارا باغ مباح کردے گا، خوب کھائیں گے اور پھل پھولوں سے دامن بھر کر گھر بھی لائیں گے، "سَافِرُوْا تَغْتَنِمُوْا" کہتے ہوئے چلے۔

ف:- ان بچوں نے گنوار کی بات پر توکل کرلیا، جیسے ہم اپنی دُکان پر توکل کرلیا کرتے ہیں اور دُودھ نہ نکلے تو روتے ہیں، حالانکہ روزی میرے اللہ کے ہاتھ میں ہے:-

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللهِ رِزْقُهَا.

نہیں ہے چلنے والا کوئی جانور مگر اللہ کے ذمہ ہے اس کی روزی۔

ح:- ان بچوں کو صرف گنوار کے کہہ دینے سے گاؤں کی ہوا سے اتنی محبت ہوگئی تھی جیسے قیس کو لیلیٰ کے کتے سے تھی، فریفتہ تھے، حالانکہ ساری دُنیا ہی موہوم اور نا قابلِ اعتبار ہے، ان کو گاؤں معلوم نہ تھا کیونکہ پہلے کبھی گئے ہی نہ تھے، یوں ہی گاؤں در گاؤں پھرتے رہے۔

ف:- بے اُستادے کا یہی حال ہوتا ہے، بے پیرا مشکل سے راہ پاتا ہے، تو راہ رو ہے راہبر کو ساتھ لے پھر چل۔

ح:- بڑی پریشانی اُٹھانے کے بعد وہ گاؤں ملا، اس گاؤں والے کو علم ہوا تو دو دن تک تو منہ چھپائے رکھا کہ یہ بلا کہاں سے آئی ہے، کہیں میرے باغ کا میوہ نہ کھالیں، بڑی مشکل سے گھر ملا، مگر گھر والوں نے دروازہ بند کرلیا، پانچ روز وہاں پڑے رہے، گنوار جب ملا تو اسے سلام کیا، اپنا تعارف کرایا، گنوار بولا کہ: مجھے اپنی ہستی ہی کا ہوش نہیں ہے، یادِ الٰہی میں ایسا غرق ہوا ہوں کہ کسی کی پہچان باقی نہیں رہی، تم کو کیسے پہچانوں کہ تم کون ہو؟

شہری بولا یہی قیامت کا نقشہ ہے: "يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ" وہ دن ایسا ہوگا کہ آدمی اپنے بھائی، ماں اور باپ اور بیوی اور بیٹوں

کو دیکھ کر بھاگے گا (کہ کہیں یہ کوئی نیکی نہ مانگ لے)۔

ح:- شہری نے کہا: اچھا بھائی! گھر میں جگہ نہیں ہے تو کوئی اور جگہ ہم کو بتادے وہاں ہم دَم لے لیں، گنوار نے کہا کہ: ایک جگہ ہے تو سہی مگر وہاں بھیڑیا آجاتا ہے، تو اگر تمہارے پاس تیر کمان ہوں تو وہاں چلے جاؤ، پاسبانی کرنی ہوگی۔ شہری نے کہا: اچھا میاں! ہم کو تیر کمان ہی دے دے کہ رات گزارلیں، بالآخر وہاں جانا پڑا اور کمینے کی دوستی دیکھی، رات بھر یہی کہتے رہے کہ ہم نے طمع کی تھی اس کا انجام سامنے آیا۔ اس لئے کہا کہ دُنیادار بے وفا سے بھاگ وہ تو غولِ بیابانی ہے تجھے آواز دے کر بلالے گا اور کپڑے اُتارے گا اور ہلاک کردے گا، بے وفا کی دوستی اچھی نہیں ہے، اپنے اللہ کے سوا کسی پر تکیہ نہ کر، کیونکہ وہ ایسے لوگوں سے محبت کرتا ہے "فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ، اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَوَکِّلِیْنَ"۔

ح:- رات کو بھیڑیے دِکھائی دیئے اور مچھروں نے ستایا اور وہ بے وفا بھی اسی ڈَر سے کہ کہیں رات کو پھل نہ توڑ لیں، ساتھ ہی لگا رہا، شہری کی ریح آواز سے کہیں نکل گئی تو گنوار سمجھا کہ شاید میرے گدھے کو مار دیا، یہ اس کی آواز ہے، اور ان کے سر ہوگیا، شہری بولا: تو تو کہتا تھا کہ مجھے اپنے آپے کی خبر نہیں، تو نے اس خر کو اور اس کی آواز کو کیسے پہچان لیا؟ تیری یہ یادِ الٰہی سب ریاکاری ہے، ریاکار کا یہی حال ہوتا ہے امتحان آیا اور فیل ہوا، ارے وہ گوز کی آواز تھی تو نے خر سمجھا، ہر مدعی پر امتحان آکر پڑتا ہے اور رُسوا ہوجاتا ہے، اگر درزی ہونے کا دعویٰ ہے تو اس سے اچکن سلوا کر دیکھ! اگر شجاعت کا دعویٰ ہے تو زرہ پہن کر دِکھا! تو جنید و بایزید ہونے کا دعویٰ کرتا ہے مگر دُنیاوی حرص وطمع میں گھرا ہوا ہے، تو راہرو ہے یا راہزن ہے، عاشقِ خدا کا دعویٰ اور عاشقِ دُنیا، یہ تیرا کردار ہے، نفس و شیطان تیرے دوست ہیں، جس طرح اس گنوار نے کہہ دیا کہ میں تم کو نہیں پہچانتا، کیا قیامت میں فرشتوں سے اس طرح کہے گا کہ میں عاشقِ بے خود ہوں، مجھ سے کیا حساب پوچھتے ہو، آدمی کو چاہئے کہ اپنی

ہی جون میں رہے ورنہ گیدڑ والا حال ہوگا!

گیدڑ کی حکایت

شہر کے باہر ایک نیل گر رہتا تھا، اس نے نیل گھولنے کا ایک گول گاڑا ہوا تھا، رات کو ایک گیدڑ آیا اور اس گول میں گر گیا، اس کا تمام بدن نیلا ہوگیا، رات تو اسے پتہ نہ لگا مگر جب دُھوپ نکلی اور گیدڑ نے اپنا رنگ دیکھا تو خیال ہی بدل گیا، یعنی اپنا گیدڑ ہونا بھول گیا اور سوچنے لگا کہ معلوم نہیں اب میں کیا ہوگیا ہوں؟ اور باقی گیدڑوں سے الگ چلا گیا، ان کو حقیر سمجھنے لگا، اس نے تو اپنی ذات ہی بدل لی، جب گیدڑوں نے اس کا یہ کبر دیکھا تو پوچھا: آخر تو کیا ہوگیا؟ کہنے لگا کہ: میں طاؤس ہوں، تم میری گردن نہیں دیکھتے ہو، مور جیسی ہے۔

ف:- آدمی کو بھی کبھی ذرا دُنیا کی ہوا لگی اور اس نے نسب سے چھلانگ لگائی، فقیر سے شاہ صاحب اور شاہ صاحب سے سیّد صاحب، اور اصل سیّد میں نہایت تواضع و خاکساری ہوتی ہے، یہ بنے ہوئے سیّد، کبرزادے بن جاتے ہیں، کوئی کچھ بنتا ہے کوئی کچھ، اپنے باپ کے علاوہ اور کسی کی طرف نسبت کرنا نازیبا حرکت ہے، اس اُونچ نیچ میں کیا ہے، یہ تو صرف جان پہچان کے لئے ہیں ورنہ اصل عنداللہ تقویٰ پر دار و مدار ہے: "وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ" ہم نے تم کو قبائل و خاندان تمہارے جان پہچان کے لئے بنایا ہے، بلاشبہ تم میں خدا کے نزدیک زیادہ باعزّت وہی ہے جو متقی ہے۔

ح:- جب یہ نیلا گیدڑ برادری والوں سے نفرت کرنے لگا تو سب نے اکھٹے ہوکر اُسے بلایا اور کہا کہ اگر تو مور ہے تو دعوے کی دلیل چاہئے، ہمیں مور کی طرح ناچ کر دِکھا یا اس کی سی آواز نکال، بس اپنا سا منہ لے کر رہ گیا، نہ یہ ہوسکا، نہ وہ ہوسکا۔

ف:- ذرا سا رنگ آیا اور آپے سے باہر ہوجانا اچھا نہیں، ہمیشہ اپنے پیمانے کے اندر رہنا اچھا ہے، ورنہ جب کوئی وقت آتا ہے رُسوا ہونا پڑتا ہے۔

ح:- گیدڑوں نے صلاح کی کہ اس کے قریب جاکر اپنی آواز میں بولو، چنانچہ یہ سب گئے، اس کے پاس کھڑے ہوکر سب نے ہچی ہچی کرنا شروع کیا پہلے تو یہ نیلا گیدڑ ذرا سنبھلا مگر فطری بات کہاں جاتی ہے، لٹلٹی آہی گئی اور ان کی طرح پکارنا شروع کیا، فوراً دُوسرے گیدڑ بولے: کہو بیٹا! یہ مور کی آواز ہے یا گیدڑ بول رہا ہے، ذرا سی نیلی وردی ملی تو ذات ہی بدل ڈالی، پھر تیرا تو کمال بھی نہیں، پھر فخر کرنا اور ابنائے وطن سے نفرت کرنا نخوت و نازیبا باتیں ہیں، جیسا خدا نے بنادیا اسی میں بنا رہ اور یہ تو خیر ایک وصف حاصل ہوگیا، اس پر فخر کرلیا، بعض دفعہ آدمی ایسی بات پر فخر جتاتا ہے جو حاصل بھی نہیں، یعنی کوئی وجہ نہیں مگر بڑا بننے کا خبط سوار ہے۔

ح:- ایک پہلوان کو کہیں سے دُنبے کی تازی کھال ہاتھ لگ گئی، بس جی اس کو پونچھ پانچھ کر چکنائی سے مونچھوں کو تاؤ دیا، بال چکنے کئے اور مال داروں میں آبیٹھا اور ڈینگیں مارنے لگا کہ میرے پاس گھی کے اتنے کنستر پڑے ہیں، اتنا آٹا بیکار پڑا تھا، وہ آج ہی تقسیم کیا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اور حال یہ کہ پیٹ بھوک کی شکایت کر رہا تھا، مگر شیخی بگھارنے کا بھی مرض پردہ ڈالتا ہے، بجائے اس شیخی کے اگر کہہ دیتا کہ میں کھانا کھاؤں گا تو مل جاتا۔

ح:- اتفاق کی بات کہ وہ کھال جس میں چکنائی تھی، کتا لے گیا، گھر والوں نے تلاش کیا نہ ملی، تو اُس پہلوان کا بیٹا اسی مجلس میں پہنچا جہاں باپ ڈینگ مارتا تھا اور کہنے لگا کہ: ابا جی! جس کھال میں سے تم نے تیل لگایا تھا وہ تو کتا لے گیا، ملتی نہیں ہے، اب سب نے سنا اور پہلوان کی طرف دیکھا، اس کی گردن جھک گئی۔

ف:- کمال کوئی ہو بھی تو عطائے الٰہی ہے، فخر کرنے کی کیا بات ہے، اور پھر اپنا کوئی کمال بھی نہ ہو چہ جائیکہ اس کمال کی ضد ہو، جیسے مال داری کا فخر کرے اور

مفلس ہوتو یہ فخر تو شرعاً وعقلاً ہر طرح مذموم ہے۔

اسی طرح فرعون بھی گیدڑ کی طرح خدائی کا دعویٰ کر بیٹھا، گڈریے کا لڑکا کہاں سے کہاں پہنچا، بجائے شکر و اطاعت کے دعوائے رُبوبیت کرنے لگا، آخر اس کا انجام دیکھا کہ غرق ہوگیا، وہ حکومت کی خواہش میں اندھا بنا ہوا تھا، سچ ہے خواہش انسان کو اندھا کردیتی ہے، سالک کو چاہئے کہ شہوت پر قابو رکھے ورنہ یہ شہوت انسان کو اندھا کردیتی ہے۔

ح:- ایک جنگلی دُنبہ پہاڑ پر تھا، شکاری نے تاکا اور دُنبہ پہاڑوں میں بھاگتا رہا، اتفاق سے اُسے دُنبی نظر آگئی اور شہوت سے بے قابو ہوکر نیچے اُتر آیا، وہاں صیاد تھے، پکڑلیا۔

ف:- شہوت نے اسے اندھا کیا، صیاد و شیطان تاک میں ہیں مگر شہوت کا بندہ اپنی شہوت کے پورا کرنے میں کچھ نہیں سوچتا، انجام اس کا خراب ہے، تیرا نفس بھی تو فرعون کی طرح ہے، وہ سرکش ہو رہا ہے اور تو اس سے مغلوب ہو رہا ہے، فرق یہ ہے کہ فرعون کے پاس فرعونیت کے اسباب موجود تھے، تیرے نفس کے پاس وہ اسباب نہیں ہیں ورنہ یہ نفس کیا کم ہے، بھاڑ اس لئے ٹھنڈا ہے کہ اس میں جھونکنے کے لئے کوڑا نہیں ہے ؎

گلخن نفس ترا خاشاک نیست
ورنہ چوں فرعون او شعلہ زنیست

نفس کی دیکھ بھال کرو، یہ معاصی میں چالاک ہے، شیطان اس کا معین ہے، دونوں مل کر راہِ مستقیم سے ہٹانے میں سرچوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور آپ غافل ہیں، غفلت کی زندگی اچھی نہیں، فکرِ آخرت چاہئے!

(ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی شوال المکرّم ۱۳۹۹ھ - ستمبر ۱۹۷۹ء)

منتخب اَشعار

حضرت حکیم الاُمت قدس اللہ سرہٗ نے اپنے مواعظ میں اشعار موقع موقع پر ارشاد فرمائے ہیں اور وہ اپنی جگہ نگینے کی طرح ہیں، مگر جب وہ یاد ہوجائیں تو ہر آدمی اپنے ذوق کے مطابق انہیں پڑھ لیا کرے تو مزید ہدایت کا سبب اور تسلی کا باعث ہوتے ہیں، ان کو یکجا کرنے کے لئے تھوڑے تھوڑے محل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کئے گئے ہیں تاکہ ایسے مواقع پر آدمی ان کو پڑھ کر نصیحت حاصل کرے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کبھی کبھی اللہ کے دِین پر چلنے والے کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اللہ جل شانہ کی محبت شدید ہوجاتی ہے، جی چاہتا ہے کہ اسی عملِ صالح میں لگا رہے اور کئے جائے، دُنیا کے کاموں سے بھی بے رغبتی ہوجاتی ہے، اسے ''بسط'' کہتے ہیں، اور کبھی یہ حال ہوتا ہے کہ جیسے دِل خالی ہوگیا ہے، بلکہ اعمالِ صالحہ میں جی نہیں لگتا، کرنے میں بوجھ معلوم ہوتا ہے کہ اسے چھوڑ بھاگو، یہ ''قبض'' ہے، دونوں حالتوں میں اپنا کام دِل یا بے دِلی سے کئے جاؤ، یہ سب کو پیش آتا ہے ؎

(قبض وبسط)

آگئے پہلو میں راحت ہوگئی
چل دیئے اُٹھ کر قیامت ہوگئی

پہلے مصرعہ میں بسط ہے، اور دُوسرے مصرعہ میں قبض کا بیان ہے۔

(بیانِ قبض)

یاس ہی اب دِل کی فطرت ہوگئی
آرزو جو کی وہ حسرت ہوگئی

یہ حال بھی قبض میں پیش آتا ہے۔

(تسلیم)

قبض آئے تو تسلیم وتفویض اس کا علاج ہے۔

(تفویض)

قید کر صیاد یا اب ذبح کر
جانِ بلبل گل کی نکہت ہوگئی
لاکھ جھڑکو اب کہاں پھرتا ہے دِل
ہوگئی اب تو محبت ہوگئی

اور یہ سوچو کہ یہ حال کس نے بھیجا ہے، سوچ اور شکر کر کہ تو ان کو یاد ہے، وہ تجھے یاد کرتے ہیں کہ دیکھو بھاگتا ہے یا رہتا ہے۔

(شکرِ تفویض)

خاک میں کس نے ملایا یہ تو دیکھ
شکر کی مٹی سوارت ہوگئی

یہ دُنیا کی پریشانیاں، محبت کی چھیڑ چھاڑ سمجھ، وہ داغ پہ داغ دے کر ایک طرف کرنا چاہتے ہیں، ایک کا ہوجا اور پیر پھیلا کر سوجا۔

(بیانِ عشق)

دِل میں داغوں کی یہ کثرت ہوگئی
رُونما اِک شانِ وحدت ہوگئی

جب یہ دُنیا مع تمناؤں کے چھوٹ جانے والی ہے تو اسے خیر باد کہو اور حق

تعالیٰ سے عرض کرو ؎

(شوقِ دیدار)

ہر تمنا دِل سے رُخصت ہوگئی
اب تو آجا، اب تو خلوَت ہوگئی

اب دِل و جان سے ایک ہی کا ذکر وتذکرہ رہے، یہی مطلوب ہے۔

(انقطاع وتبتّل)

اب تو میں ہوں اور شغلِ یادِ دوست
سارے جھگڑوں سے فراغت ہوگئی

خدا کی یاد نصیب ہوئی تو دُنیوی عزّت اور مال پر نگاہ ہی نہ رہی، فانی پر نگاہ ہوتی کیسے!

(آثارِ عشق)

عشق میں ذِلت بھی عزّت ہوگئی
لی فقیری، بادشاہت ہوگئی

یادِ الٰہی کا مشغول ہفت اقلیم کے بادشاہ سے بھی زیادہ بےفکر اور سکون میں ہوتا ہے۔

مہربانِ من ذرا دُھن اور دھیان سے اطاعت کرکے تو دیکھو، کیا ملتا ہے ؎

کرچکے رندی بس اب مجذوبؔ ہم
ایک چلّو میں یہ حالت ہوگئی

عشق کی تو خاصیت یہ ہے ؎

اے دوست اگر جاں طلبی، جاں بتو بخشم
از جاں چہ عزیزست، بگو، آں بتو بخشم

(اے دوست! اگر جان مانگتے ہو تو جان حاضر ہے، اور آپ کے حکم کے

سامنے جان کیا عزیز ہوتی، بلکہ آپ جو مانگیں، وہ حاضر ہے۔)

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے پہلے تو یہ عرض کیا کہ یارسول اللہ! سوائے میری جان کے آپ سب سے زیادہ محبوب ہیں، فرمایا: نہیں! پھر عرض کیا کہ آپ میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں، تب فرمایا: ہاں اے عمرؓ!

جان بھی دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

جس کو اپنی جان، مال، عزّت پیاری ہو کس نے مجبور کیا تھا کہ ان کی محبت کا دعویٰ کرے، محبوب مستغنی ہوا کرتا ہے، "اَنُلْزِمُکُمُوْھَا وَاَنْتُمْ لَھَا کَارِھُوْنَ"۔

ہاں وہ نہیں وفا پرست، جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو جان و دِل عزیز، ان کی گلی میں جائے کیوں

مگر عشق و محبت والے کو محبوب سے مستغنی ہوجانا، جائے تعجب ہی نہیں بلکہ بعید ہے، یہ فرزند و زن ان کی راہ میں رُکاوٹ بن کر آئیں اور عاشق محبوب کو چھوڑ کر ان کی بات اُونچی کرے، یہ لائق نہیں ہے۔

اے کہ صبرت نیست از دُنیائے دُوں
صبر چوں داری زنعم الماھدون
اے کہ صبرت نیست از فرزند و زَن
صبر چوں داری زرَبِّ ذُوالمِنن

خدا کو اور اس کی راہ کو تو چھوڑ بیٹھا مگر یہ دُنیائے دُوں اور فرزند و زَن کے ان کے مرضی کے خلاف حکم کرنے پر صبر نہ کرسکا اور غلط کام کر گزرا، کیا یہی محبت ہے؟ لگا رہتا، لگا رہ، حکم عدولی نہ کر، انجام خدا کے ہاتھ میں ہے۔

سودا قمارِ عشق میں شیریں سے کوہ کن
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے رُوسیاہ! تجھ سے تو یہ بھی نہ ہوسکا

جس نے دُنیا بنائی اس کی آخرت میں کمی رہ گئی، اور جس نے آخرت سنواری اس سے دُنیا رہ گئی، مگر تو آخرت والا بن، چاہے لوگ دُنیا کے نکمے ہونے کا طعنہ دیں ؎

عشق نے غالبؔ نکما کردیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں کے نیچے پامال ہوجا، اسی میں خیر ہے، یوں کہہ ؎

نکل جائے جاں، تیرے قدموں کے نیچے
یہی دِل کی حسرت، یہی آرزو ہے

اور یہ حالت ہو ؎

سر بوقتِ ذبح اپنا ان کے زیرِ پائے ہے
کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

اور جان چلی جائے تب بھی سستے چھوٹے، قیمت بہت ملے گی ؎

متاعِ جان، جان دینے پر بھی سستی ہے

جو کچھ وہ دیتے ہیں، وہ نہ گمان میں، نہ خیال میں آسکتی ہے ؎

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد
آنکہ در ہمت نیاید آں دہد

(آدھی جان لے کر سو جان بخش دیتے ہیں، بلکہ جو وہم وخیال میں نہ آسکے وہ دے دیتے ہیں۔)

مگر مہربانم! محبت وہی ہے جو عمل پر آمادہ کرے، ورنہ سب جھوٹ ہے:

اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعٌ

بلاشبہ محبت کرنے والا اپنے محبوب کا مطیع وفرماں بردار ہوتا ہے۔

قدم باید اندر طریقت نہ دم
کہ وصلے ندارد دمِ بے قدم

طریقت میں عمل چاہئے، دعویٰ کی ضرورت نہیں ہے، عمل کے بغیر صرف زبانی دعوے سے وصل نہیں ہوگا ۔

کار کن کار بگزار از گفتار
اندریں رہ کار باید کار!

کام کرو، گفتگو چھوڑو، اس راہ میں صرف کام کی پوچھ پاچھ ہے۔

کام کرتے وقت ملامت سے نہ ڈرو، لا یخافون لومۃ لائم ہوجاؤ ۔

نسازد عشق را کنج سلامت
خوشا رُسوائے کوئے ملامت

عشق میں سلامتی تا کہ کوئی کچھ نہ کہے، سازگار نہیں ہوگا، بلکہ محبوب کے کوچے کی ملامت مل جائے تو خوش ہوجا کہ عاشقوں میں نام درج ہوگیا۔

بس دُنیا اور اس کی ملامت سے مستغنی ہوکر رہو پھر دیکھو ان کا کس طرح تصوّر سمائے گا کہ پھر ساری دُنیا ہی ہیچ ہے ۔

سوئے جناں بھی آنکھ اُٹھانا ہے بارِ دِل
گردن جھکائے دیکھ رہا ہوں بہارِ دِل

پھر تو جنت کی طرف خیال کرنا بھی بار ہوجائے گا کہ وہ بھی غیر اللہ ہے۔

بس ایک سامنے اور ایک ہی سے مناجات رہے ۔

سُرور قدمش بروں ہر بار چہ خوش باشد
رازِ دِل خود گفتن یا بار چہ خوش باشد

(ان کے تصوّر کا سرور ہر بار کیا مزیدار ہوگا، اپنے دِل کی بات ان سے کہنا، ان کے ساتھ بات کرلینا کیا خوش وقت ہوگا۔)

مگر اس راہ میں رہزن بہت ہیں، سب سے بڑا دُشمن یہ اِبلیس طرح طرح کی تدبیریں کرتا ہے، راہ سے بیزار کرتا ہے، مگر دوست ہر وقت وحیٔ الٰہی سامنے رکھنا تب راہ طے ہوگی ؎

در راہِ عشق وسوسۂ دہر من بسے ست
ہشداد گوش را بہ پیام سروش دار!

خدا کے حکم کے سامنے سر بسجود تابع فرماں ہوکر رہ، یہی نیاز مندی ہے ؎

بہر قتلم چوں کشد تیغ نہم سر بسجود
او بنازے عجبے، من بنیازے عجبے
نشود نصیب دُشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی ربیع الاوّل ۱۴۰۰ھ - فروری ۱۹۸۰ء)

نسبت

صوفیائے کرام کی اصطلاح میں!

کہا کرتے ہیں کہ ہمارا فلاں سے تعلق ہے، اس پر سننے والا کہتا ہے کہ تم تعلق تو جتاتے ہو مگر میرے خیال میں تم میں ان میں کوئی مناسبت تو ہے نہیں۔ یہ کیا چیز ہے؟ کہا کرتے ہیں فلاں جگہ نسبت ہوگئی ہے، مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کے مل بیٹھنے کا انتظام ہوگیا ہے کہ یہ دونوں اپنی زندگی میں مل بیٹھیں۔

مقصد یہ ہے کہ نسبت ہو یا مناسبت ہو، یہ جانبین سے ہوا کرتی ہے، جب تم اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں چاہتے، ان کا ذکر زبان پر لانا پسند نہیں کرتے تو تم کو نسبت کہاں؟ اور اَحکامِ الٰہی پر عمل کرنے سے پروردگار راضی ہوتے ہیں اس بندے کو محبوب رکھتے ہیں گویا اطاعت وعبادت سے اللہ تعالیٰ کو اس بندے سے رضا و محبت کا تعلق ہوجاتا ہے، اسے ثواب دیتے ہیں، رحمت و مغفرت فرماتے ہیں، اس طرح جانبین سے تعلق ہوجانے کو نسبت مع اللہ کہا کرتے ہیں، بندہ اللہ کو یاد کرے اور اطاعت کرے اور وہ مہربانی فرمادیں۔

نسبت مع اللہ کے وجود سے دِل میں ایک نور پیدا ہوجاتا ہے جس کے ہٹ جانے پر یہ حالت ہوجاتی ہے ؎

بر دِلِ سالک ہزاراں غم بود
گر زباغِ دِل خلالے کم بود

اگر سالک کے دِل پر سے اس نورِ الٰہی کا ایک تنکا بھی کم ہوجائے تو اُسے

ہزاروں غم ہوجاتے ہیں اور غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جب گناہ ہوجانے سے حق تعالیٰ کے ناراض ہونے کا تصوّر دِل میں آتا ہے کہ وہ ناراض ہوگئے ہیں تو اس کی تلخی سے غم چھا جاتا ہے۔

بہت لوگ اپنے آپ کو صاحبِ نسبت سمجھتے ہیں حالانکہ وہ دھوکے میں ہیں، کیونکہ یہ لوگ صرف ملکۂ یادداشت کو نسبت سمجھتے ہیں یعنی کسی وقت حق تعالیٰ کی یاد سے ذہول نہ ہو، غفلت نہ ہو، مگر یہ غلط ہے، ذہول نہ ہونا اور ذکر جاری رکھنا تو مشقِ سے بھی ہوسکتا ہے، ایک جاہل بھی اگر خدا کے نام کی مشق کرے تو اسے یہی ملکۂ یادداشت حاصل ہوجائے گا، مگر کیا وہ اس سے صاحبِ نسبت ہوجائے گا، ہرگز نہیں کیونکہ فسق کے ساتھ نسبت مع اللہ جمع نہیں ہوسکتی، یاد رکھئے! ملکۂ یادداشت عین نسبت نہیں ہے، ہاں! معینِ نسبت ہوسکتی ہے، ہاں! ملکۂ یادداشت اطاعت و امتثالِ اَوامر کے ساتھ جمع ہوجائے تو بہت جلد نسبت قلب میں فائز ہوجاتی ہے۔

نسبت کی حقیقت

نسبت کی حقیقت وہی ہے جو کتابوں میں لکھی ہے یعنی علاقۂ معنویہ بین الطرفین، یعنی نسبت ایک لگاؤ اور تعلق کا نام ہے، جو دوطرفوں میں ہوتا ہے کہ بندے کو خدائے تعالیٰ سے تعلق ہو اور خدائے تعالیٰ کو بندے سے تعلق ہو، اور یہ دوامِ ذکر اور کثرتِ طاعت سے ہوتا ہے، صرف ایک بات یعنی طاعت نہ ہو صرف کثرتِ ذکر ہو جس سے ملکۂ یادداشت پیدا ہوجائے نسبت مع اللہ حاصل نہیں ہوسکتی۔

اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص نے کسی طالبِ علم سے پوچھا تھا کہ آج کل کس شغل میں ہو؟ کہنے لگا: شہزادی سے نکاح کی فکر میں ہوں، پوچھا: کیا کچھ اس کا سامان ہوگیا؟ کہا: ہاں! آدھا سامنا تو ہوگیا، آدھا باقی ہے، پوچھا: یہ کیونکر؟ کہا: نکاح طرفین سے ہوتا ہے، یعنی دونوں طرف راضی ہوں سو میں تو راضی ہوں اُدھر کا

راضی ہونا باقی ہے، اس لئے آدھا سامان تو ہوگیا۔

اب سننے والے اس طالبِ علم کو احمق کہیں گے کہ یہ بھی کوئی سامان ہے کہ میں راضی ہوں۔ مگر اس سے زیادہ محقق کو اس سالک پر ہنسی آتی ہے کیونکہ طالبِ علم نے تو اپنی رضا کو آدھا کہا تھا، یہ حضرت اپنے ملکۂ یادداشت کو پورا سامان سمجھتے ہیں اور اس پر اکتفا کر کے نازاں ہیں کہ ہم صاحبِ نسبت ہیں، یہ تو ایسا ہی ہے کہ نکاح کی رضا سے یہ سمجھنے لگے کہ میرا نکاح ہوگیا یا صاحبِ اولاد ہوگیا۔

یاد رکھو! خدائے تعالیٰ کو بندے سے تعلق جس کی حقیقت رضا ہے محض ذکر کی مشق سے نہیں ہوتا بلکہ ذکر و طاعت دونوں کے مجتمع ہونے سے ان کو تعلق ہوتا ہے۔

اور اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ ذکر ہی سے بندے کے ساتھ تعلق ہوجاتا ہے تو پھر یہ کہا جائے گا کہ ذکر صرف زبان سے اللہ اللہ کرنے یا اشغال و مراقبات کر لینے کا نام نہیں بلکہ ذکر نام ہے اطاعت کا کہ ذکر بھی اُس میں داخل ہے، کیونکہ "فَاذْكُرُوْنِیْ" کا یہ بھی ایک فرد ہے، جیسا کہ حصن حصین میں ہے: "کل مطیع اللہ فھو ذاکر" جو بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والا ہے پس وہ ذاکر ہے۔ سو اللہ کا ذکر تسبیح و تحمید و تہلیل ہی میں منحصر نہیں بلکہ جو شخص جس کام میں بھی حق تعالیٰ کی اطاعت بجا لا رہا ہے وہ اس وقت ذاکر ہی ہے، اس لئے مفسرین نے کہا ہے: "اذکرونی بالطاعۃ اذکرکم بالأجر والرحمۃ"۔

خوب سمجھ لو! جو شخص ملکۂ یادداشت کے ساتھ ہے مگر اَوامر و نواہی یعنی اَحکامِ الٰہی میں کوتاہی کرتا ہے اس نے ذکر کی بھی تکمیل نہیں کی، کیونکہ ذکر نام ہے طاعت کا اور یہ مطیع نہیں، سو اگر ذکر کی تکمیل بھی ہوگئی تو اس سے بندے کا حق تعالیٰ سے تعلق نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے اطاعت کی بھی ضرورت ہے، جب اطاعت مفقود ہے تو اسے حق تعالیٰ سے تعلق نہیں اور جب تعلق نہیں تو نسبت بھی حاصل نہیں کیونکہ نسبت تو دونوں جانب سے ہوتی ہے۔

سو اپنے آپ کو واصل کہنا زبان سے تو آسان ہے، مگر حقیقت میں واصل ہونا بہت دُشوار اور نادر ہے، رہا یہ سوال کہ یہ نسبت کیسے معلوم ہو؟ تو یہ کرنے سے، ذوق سے معلوم ہوتی ہے، لکھنے میں نہیں آسکتی، تقویٰ اختیار کرو اور دیکھ لو۔

پرسید کسے کہ عاشقی چیست
گفتم کو چو ماشوی بدانی

کسی نے ایک عاشق سے پوچھا کہ میاں! عاشقی کسے کہتے ہیں؟ کہنے لگا کہ: جب ہم جیسے ہوجاؤ گے جان لوگے۔ اُمورِ ذوقیہ کی کیفیت سمجھ میں نہیں آسکتی، جس نے آم نہ کھایا ہو، تم اُسے کہو کہ آم میٹھا ہوتا ہے، وہ کہے گا: جیسے گُڑ، تم کہوگے: نہیں، وہ کہے گا: جیسے چینی، تم کہوگے: نہیں، وہ کہے گا: تو جیسے انگور، انار، تم کہوگے: نہیں، وہ اصرار کرے گا کہ پھر تم بتلاؤ کیسا ہوتا ہے؟ تم یہی کہوگے کہ کھا کر دیکھ لو خود معلوم ہوجائے گا، اور کھالینے کے بعد وہ بھی بیان کرنے پر قادر نہ ہوگا، تو جس چیز کا ذوق سے تعلق ہے وہ الفاظ میں نہیں آسکتے۔

ایک ترکی امیر کا قصہ ہے کہ اس کی مجلس میں ایک گویّا غزل پڑھ رہا تھا، جس میں ''نمی دانم، نمی دانم'' بار بار آرہا تھا، مثلاً:

گلی یا سوسنی یا سرو یا ماہی نمی دانم
ازیں آشفتہ بیدل چہ می خواہم نمی دانم

یعنی اے محبوبہ! تو پھول ہے، یا سوسن ہے یا سرو ہے یا چاند ہے، میں نہیں جانتا، وغیرہ وغیرہ، وہ تُرک شراب پیئے ہوئے تھا، ایک دو شعر تو سنے جب اس نے بار بار یہ ''نمی دانم، نمی دانم'' کا اعادہ کیا تو اس نے ایک گھونسہ مارا کہ: ''ایں نمی دانی چہ گوئی آنچہ میدانی بگو'' یعنی جس بات کو نہیں جانتا اسے بار بار کیوں دہراتا ہے، جو جانتا ہے وہ کہہ۔ ترکی نے شعر کی یہ قدر کی، بات کیا تھی، اسے شعر کا ذوق نہیں تھا، ورنہ مست ہوجاتا، سو بھیا! کثرتِ ذکر اور دوامِ طاعت وتقویٰ اختیار کرو خود بخود اِن شاء اللہ

نسبت مع اللہ پیدا ہو جائے گی اور معلوم ہو جائے گی۔

الغرض نسبت جانبین سے ہوتی ہے، "رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ"، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، تو یہ دونوں طرف سے ہوگی، صرف ایک طرف سے ہونا کافی نہیں، اسی طرح جو لوگ محض ملکۂ یادداشت بہم پہنچا کر اپنے کو مقبول سمجھتے ہیں مگر اتباعِ شرع نہ ہونے کی وجہ سے یہ گمان باطل ہے کیونکہ حاصل یہ ہوا کہ ہم تو راضی ہیں مگر اللہ میاں راضی نہیں، خوب سمجھ لو! اللہ کے راضی ہونے کا معیار صرف ان کے اَحکام کا اِتباع ہے، اگر اسی حالت میں موت آ گئی تو سب کھل جائے گا کہ یہ پسند نہ ہونے کی وجہ سے کیسا خوار ہوگا، بقول سعدی علیہ الرحمۃ ؎

چوں در چشم شاہد نیاید زرت

زر و خاک یکساں نماید زرت

آپ نے لاکھ روپے محبوب کے پاس بھیجے کہ وہ خوش ہوگا، مگر معلوم ہوا کہ وہ خوش نہیں ہے، بلکہ اس نے روپے واپس کر دیئے، جب محبوب کو پسند نہیں تو مٹی اور سونا برابر ہے، اسی طرح جب اللہ میاں ہی راضی نہیں تو اس تعلق کو کیا کرو گے؟ تعلق وہی ہے جو دونوں جانب سے ہو اور یہ اِتباعِ شریعت سے ہوا کرتا ہے، تو اَب آپ سمجھے کہ شریعت کتنی اہم چیز ہے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: "ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا" اچھا یہاں "ثُمَّ" کیوں لائے ہیں "ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ" پر، بات یہ ہے کہ اس سے قبل یوں فرمایا ہے: "وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ. وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ، فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ، اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ" یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکمت اور نبوّت دی تھی اور ہم نے ان کو نفیس نفیس کھانے کی چیزیں دی تھیں اور ہم نے ان کو دُنیا جہان والوں پر فوقیت دی اور ہم نے ان کو دِین کے بارے میں کھلی کھلی

دلیلیں دیں سوانہوں نے علم آنے کے بعد آپس کی ضداضدی سے باہم اختلاف کیا، آپ کا رَبّ قیامت کے روز ان کا ان اُمور میں فیصلہ کرے گا جن میں یہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں: "ثُمَّ جَعَلْنٰکَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ" یعنی پہلے بنی اسرائیل کو کتاب وغیرہ دی تھی پھر اس کے بعد ہم نے تم کو دِین کے ایک خاص طریقے پر کردیا، "من الامر" میں "مِنْ" بیانیہ ہے، یعنی وہ اَمر دِین ہے پس اس کا اِتباع کیجئے اور جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اِتباعِ شریعت کا حکم ہوا تو پھر اور کون ہے جو اس سے اپنے کو آزاد سمجھے، "وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ" اور ان جاہلوں کی خواہشوں کا اِتباع نہ کیجئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شریعت کے مقابلے میں اس کے خلاف خواہشیں ہیں وہ ہوائے نفسانی ہیں اس لئے وہ عمل کے قابل نہیں، صرف وہ خواہشات قابلِ عمل ہیں جو شریعت کے موافق ہیں ان پر کاربند ہونا چاہئے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والے ہیں۔

(ماہنامہ "البلاغ" کراچی ربیع الثانی و جمادی الاولی ۱۴۰۰ھ - مارچ واپریل ۱۹۸۰ء)

تہذیبِ مغرب کی تقلید
قرآن وسنت کی روشنی میں

اہلِ مغرب کی عریانیت وفیشن اور اسبابِ تعیش کی نقل اُتارنا، جسے یوں کہیے ان کی مشابہت پر دِل جھکا دینا ہم اہلِ اسلام کو ایسا بھایا ہے کہ جس رنگ میں وہ آجائیں وہ رنگ ہم کو پیارا اور مرغوب ہوجاتا ہے، اخلاق، تہذیب وتمدن میں بعض کا جی چاہتا ہے کہ میں اہلِ مغرب یورپین بن جاؤں، آخر یہ تشابہ کہاں تک؟ کیا ایک کلمہ پڑھ کر اس کا اقرار کرنے والے کے لئے یہ زیبا ہے یا مسلمانوں کو ان کا مذہب اسلام اس کی اجازت دیتا ہے، یا پھر اسلام بھی اپنے اندر کوئی اخلاق وتمدّن رکھتا ہے، سوچئے!

جس وقت کوئی بھی کلمہ طیبہ کا اقرار کرلیتا ہے کہ خدا میرا معبودِ واحد ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میرے رسول ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اب مجھ پر میری حکومت نہیں رہی، بلکہ اب عمر بھر ان دونوں کی حکمرانی ہوگی، جب قرآن مجید خدا کا فرمان ہے، اس قرآن میں اپنی مرضی اور خواہشات کی اِتباع کرنے کو روک دیا گیا ہے اور ہر قوم غیر مسلم کی اِتباع سے منع کیا ہے، ارشاد ہے:-

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ

کیا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشات کو خدا بنالیا ہے کہ خدا کی طرح وہ اپنی تمام خواہشات اور مرضی کی تابعداری کرتا ہے۔

ارشاد ہے:-

وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ. (المائدۃ:۷۷)

ترجمہ:-تم لوگ اس قوم کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو پہلے ہی گمراہ ہو چکے ہیں اور بہتوں کو گمراہ بنادیا ہے اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ "مَغضُوبُ عَلَیهِمْ" جیسے یہود، اور "ضَآلِّین" جیسے نصاریٰ، ان کے طریقوں اور ان کی مشابہت سے روکیں اور "مُنعَم عَلَیهِم" کی راہ پر چلیں، جس کی ہر رکعتِ نماز میں ہم خدا سے دُعا کرتے ہیں۔

اسلام میں اگر ظاہری تشبہ اور یکسانیت سے روکا گیا ہے تو اس میں کوئی اندھا مخالفانہ جذبہ یا بغض و عداوت نہیں ہے اور نہ اس میں کسی قومی اور نسلی احساسِ برتری اور عصبیت کو دخل ہے، بلکہ اس کی وجہ یہی ہے کہ ظاہر کی مناسبت وموافقت کا اثر ظاہر ہی تک نہیں رہتا بلکہ وہ انسان کے قلب و دِل اور نگاہ تک سرایت کرجاتا ہے، پھر رگ و ریشے میں پیوست ہوجاتا ہے، اور یہ ہم نوائی جب ظاہر کو گندہ (بے حیا) کرتی ہے تو باطن بھی آلودہ ہوکر رہتا ہے، اور دِل کی گندگی اسلام کسی طرح برداشت نہیں کرتا، کیونکہ انسان کی اصلاح کا ذریعہ قلب ہی تو ہے، کفر وشرک اور دہریت یا آزاد ہوجانا کہ جو مرضی آئے کرے، بےعمل زندگی، سب دِل کے لئے مضر اور آخرت کے لئے نقصان دہ ہیں اور جب دِل ہی بیمار ہوگیا تو پھر جسم کی خیر نہیں کیونکہ جب جڑ ہی سوکھ گئی تو درخت لاکھ ہرا بھرا ہو مگر وہ سوکھ کر رہے گا، اس میں سوکھیا لگ چکا ہے۔

اور اس غیر اقوام کے تشبہ سے ہٹانے والی یہ حدیث مشہور ومعروف ہے جس کو ابوداؤد نے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:-

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ.

یہ قوی ہے، اور اس کے رجال صحیحین کے درجے کے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

جس شخص نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ (ایک طرح سے) ان ہی میں سے ہے۔

اسی طرح ابوداؤد میں حضرت رُکانہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق ٹوپی پر عمامہ باندھنے میں ہے (یعنی ہم ٹوپی پر اور مشرکین بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھتے ہیں)۔

گویا لباس میں بھی اپنا شعار اسلامی رکھیں، غیر اقوام کی ہیئت بھی اختیار نہ کریں، ان کے تشابہ سے بھی بچیں۔

بخاری میں روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا کہ یہود عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا: ایک دن پہلے یا پیچھے اور روزہ رکھ کر ان کی مخالفت کرو (اور ان کی مشابہت سے بچو)۔

اور ایمان بالرسول کا مطلب یہی ہے کہ آدمی عادت وعبادت میں اپنے اُوپر ہر کسی کو چھوڑ کر صرف شریعت کا اتباع کرے گا۔

برادرم! اس مشابہت سے روکنا اس قدر اہم ہے کہ مزاروں پر حاضری کی مشابہت تک سے روکا گیا ہے، چنانچہ مسلم بن جندب بن عبداللہ بجلیؓ کی روایت میں ہے: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وصال سے پہلے پانچ چیزیں سنی ہیں: ایک یہ کہ میں براءت کرتا ہوں کہ تم میں سے کسی کو دوست بناؤں کیونکہ اللہ نے مجھے اپنی دوستی سے نوازا ہے، جیسا کہ ابراہیم کو خلیل کا شرف بخشا تھا، اگر میں دوست بناتا تو ابوبکر کو دوست بناتا، تم سے پہلی اُمتیں انبیاء وصالحین کی قبروں کو درگاہ اور مسجد بنالیتی تھیں، تم ایسا نہ کرنا۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:-

قَاتَلَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِھِمْ مَسَاجِدَ.

خدا ان یہود و نصاریٰ کو ہلاک کرے انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

ابوداؤد میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”نہ میں سرخ لباس استعمال کرتا ہوں اور نہ زَرد کپڑے پہنتا ہوں، اور نہ ہی گریبان میں ریشم لگا ہوا گرتہ پہنتا ہوں۔“

اسی طرح ناخن سے ذبح کرنا حبشیوں کا طریقہ تھا، سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناخن سے ذبح کرنے کو منع کردیا، اس میں تشابہ سے ممانعت کی گئی ہے کہ جب اسلام میں ایک طریقہ موجود ہے تو دُوسروں کی راہ پر چلنا اور ان کی مشابہت کرنا فعلِ ذبح میں جائز نہیں، خواہ جانور کا دَمِ مسفوح خارج ہی ہوجائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جاہلی عرب مزدلفہ سے آفتاب نکل آنے پر چلتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ آفتاب نکلنے سے ذرا پہلے چل پڑو۔ اسی طرح اہلِ جاہلیت عرفات سے غروبِ آفتاب سے پہلے ہی چل پڑتے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آفتاب غروب ہوجانے کے بعد کو حکم فرمایا، اور فرمایا: ”وخالف ھدینا ھدی المشرکین“ یعنی ہماری سنت مشرکین کی سنت کے خلاف ہے، اس میں طریقۂ عبادت میں مشابہت سے روکا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زَرد لباس پہنتے دیکھا تو فرمایا: یہ کفار کا لباس ہے، اسے مت پہنو، ”اِنَّ ھٰذہ من ثیاب الکفّارِ لا تلبسھا“۔ (مسلم)

اسی طرح سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال کو منع فرمایا کہ یہ دُنیا میں

کافروں کے لئے ہیں اور آخرت میں مؤمنوں کے لئے ہیں۔

صحیحین میں ابوعثمان نہدی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ خط نقل کیا ہے جو انہوں نے آذربیجان کے کمانڈر عتبہ بن فرقد کو لکھا تھا کہ:-

> مالِ غنیمت نہ تمہاری ماں کا ہے، نہ تمہارے باپ کا ہے، جو تم کھاتے ہو وہی مسلمانوں کو کھلاؤ، تنعّم اور مشرکین کی مشابہت اختیار نہ کرنا، نہ ریشم پہننا اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف چار اُنگل ہی کی اجازت دے دی ہے۔

ابنِ سیرینؒ کہتے ہیں: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک گھر میں تانبے، پیتل کے برتن دیکھے (جو اس زمانے میں غیر مسلم لوگ برتتے تھے) تو داخل نہ ہوئے اور فرمایا: ''کسی قوم کی مشابہت اس قوم کا فرد بن جانا ہے'' آج ہم یورپ کے ہر طرز کو اپنانے کو فخر سمجھتے ہیں۔

جس گھر میں سونے چاندی کے برتن ہوتے یا دعوت میں نشہ یا کوئی منکر ہوتا تو اِمام احمد بن حنبلؒ نہیں ٹھہرتے تھے، ایک دفعہ فرمایا: ''ذی المجوس، ذی المجوس'' یہ تو مجوسیوں کا طریقہ ہے۔

یوم الشک میں روزہ رکھنا اس لئے مکروہ ہے کہ نصاریٰ کے کمی بیشی کر لینے کی مشابہت ہوتی ہے، بعد الفجر والعصر نماز اسی لئے مکروہ ہے کہ اس وقت مشرکین آفتاب کو پوجتے ہیں، اور آفتاب کے پجاریوں سے مشابہت ہوجاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بائیں ہاتھ سے کھانے پینے کو منع فرمایا کہ یہ شیطان کا عمل ہے، یعنی شیطان کے ساتھ مشابہت ہوجاتی ہے، جیسے وہ کھاتا پیتا ہے تم بھی اسی طرح کھاؤ، یہ غلط ہے، شیطان کی مشابہت اختیار نہ کرو۔ بہرحال عبادات، رہن سہن، لباس و طعام اور شکل وصورت میں اسلامی دستور کے مطابق رہنا ضروری ہے، دیگر اقوام کی مشابہت پیدا کرنا ممنوع ہے۔

اسلام نے جن حدود کے اندر دُوسرے مذاہب کی تہذیب سے روکا ہے وہ صرف اس لئے کہ عقلی اور اخلاقی اعتبار سے انسان کے لئے سود مند نہیں بلکہ مخرّب الاخلاق ہیں اور دِینِ کامل میں ایک نقص ہونا لازم آتا ہے، اسلام کی انفرادیت پرحرف آتا ہے، معلوم ہوا کہ یہ مخالفت تعصب کی بناء پرنہیں ہے بلکہ فلاحِ انسانیت کی بناء پر ہے۔ دُوسرے مذاہب کی جامعیت ختم ہوچکی ہے، اس لئے ان کے حدود مشتبہ ہوگئے، پھراس بے یقینی کا نام رواداری رکھ لیا، بھلا اسلام جیسا مکمل اور منظم دِین ایسے مشکوک تہذیب وتمدّن کو کیسے گوارا کرسکتا ہے جن کی صحیح راہ ختم ہوچکی ہے۔

رہا یہ سوال کہ بعض چیزیں اہلِ کتاب کی قرآن میں آتی ہیں، ان کو کیوں کیا جاتا ہے؟

سو جواب یہ ہے کہ اہلِ کتاب کے مسائل کی تین قسمیں ہیں، ایک یہ کہ ہمارے یہاں مشروع ہو اور ان کے یہاں بھی ہو، یا وہ صحیح عمل کرتے چلے آتے ہوں۔ دُوسری وہ جو مشروع ہوں لیکن بعد میں قرآن نے انہیں منسوخ کردیا ہو۔ تیسری وہ جومشروع نہ ہو بلکہ ایجادِ بندہ ہو اور بدعت ہو، پھر یہ تینوں صورتیں عبادات میں ہوں گی یا عادات میں، تو کل نوؔ ہوئیں، سو پہلی شکل کہ جس پر شریعتِ اسلام اور وہ دونوں متفق ہوں، جیسے صومِ عاشورہ تو ان کی صفات میں ضرور فرق ہوگا، جیسے دسویں کے ساتھ نویں کا ملاکر رکھنا، یا تعجیلِ اِفطار اور تأخیرِ سحور، وغیرہ۔

تدفین دونوں میں مشترک ہے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اللحدُ لنا والشقُّ لغیرنا.

یہ فرق کردیا، اسی طرح ان میں حائضہ سے علیحدگی تھی، مگر اسلام نے ایک اعتدال پیدا کردیا، یہ فرق مشابہت سے ہٹانے کے لئے ہے۔

دُوسری قسم جو منسوخ ہے، جیسے یوم السبت کا روزہ یا بدعت، سو ان میں موافقت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، بہرحال بدعت اور مشابہت سے پرہیز دِین کا

تقاضا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا. (الکہف:۱۱۰)

ترجمہ:- جو اپنے رَبّ سے ملنا چاہے، وہ نیک عمل کرے اور اپنے رَبّ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے کہ: جب تک کوئی عمل خالص خدا کے لئے اور سنت کے مطابق نہ ہو، مقبول نہیں۔

ہم اہلِ اسلام کو غیر مسلموں کے طور وطریق کی بجائے اپنے اسلامی طور و طریق کو اپنانا اور رواج دینا چاہئے اور ہر شعبۂ زندگی انفرادی و اجتماعی کسی قسم کی ہو سب کو اسلام کی حدود کے اندر رہ کرنا چاہئے۔ حدودِ شرعیہ سے باہر نکل کر دُوسری اقوام کی خواہشات کی رونق سے مرعوب نہ ہونا چاہئے، سادہ زندگی ہی زیبا ہے، تعیش اور لادِینی ترقی سے ایک مسلمان کو دُنیا یا آخرت میں نقصان کا سخت اندیشہ ہے، دِین پر رہ کر بھی انسان ترقی کرسکتا ہے، مسلمان اپنے مذہب پر چل کر ہی ترقی حاصل کرسکتا ہے، یہ خیال ہی غلط ہے کہ اسلام ترقی سے مانع ہے، اسلام ترقی کو نہیں روکتا، بلکہ غلط اعتقاد اور مخرّبِ اخلاق اور مخرّبِ معاشرہ تمام اُمور کا سدِ باب کرنا چاہتا ہے، ذرا سوچو! اور سیدھی راہ پر چلنے کی کوشش کرو، وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ!

(ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی جمادی الثانیہ ۱۴۰۰ھ - مئی ۱۹۸۰ء)

باہمی جھگڑوں میں راہِ نجات

ارشادِ خداوندی:-

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا. (النساء:۶۵)

ترجمہ:- سوقسم ہے تیرے رَبّ کی! یہ شیطان کو حَکَم بنانے والے اس وقت تک مؤمن نہیں ہوں گے جب تک یہ تمام اپنے باہمی جھگڑوں میں آپؐ ہی کو منصف نہ بنائیں، پھر جو فیصلہ آپؐ کردیں اس پر اپنے دِلوں میں کوئی گرانی محسوس نہ کریں اور پوری طرح آپؐ کے فیصلے کوتسلیم کرلیں۔

ایک مکمل ضابطہ

اس آیت میں ایک مکمل ضابطہ ارشاد فرمایا ہے اور اس کو قسم کھا کر مؤکد کیا ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ طاغوت کو حَکَم بنانے والے اور اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے اس وقت تک خدا کے نزدیک مسلمان نہیں ہوسکتے اور ان کا ایمان خدا کے نزدیک اس وقت تک معتبر نہیں ہوسکتا جب تک یہ لوگ اس اَمر کی پابندی نہ کریں کہ آپس کا کوئی جھگڑا خواہ وہ جانی ہو یا مالی، یا اور کوئی چھوٹا بڑا قضیہ ہو اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حَکَم بنائیں اور اس کا فیصلہ آپ ہی سے کرائیں اور آپ کی لائی ہوئی شریعت اور اس قانونِ الٰہی کے مطابق اس کا فیصلہ طے کریں اور جو کچھ آپ طے

کردیں اس پر دِل تنگ نہ کریں یعنی دِل مطمئن ہوجائے، یہ خیال نہ کریں کہ آپ نے حق کے خلاف فیصلہ دیا ہے، یا فیصلے میں خیانت کی ہے، باقی وہ تنگی اور ضیق جو خلافِ طبع فیصلہ سن کر ہوتی ہے وہ ایک طبعی اور فطری بات ہے کہ اپنے خلاف فیصلہ سن کر طبیعت پر اثر ہوتا ہے، وہ یہاں مراد نہیں ہے، یہاں معاندانہ اور منکرانہ تنگی مراد ہے، یا شکوک و شبہ جو شکی دِلوں میں آتا ہے، مراد یہ ہے کہ اپنے اختیار سے بلاکسی ناگواری کے رغبت کے ساتھ ظاہراً اور باطناً اطاعت و فرماں برداری کے جذبے سے آپ کے فیصلے کو قبول کریں، جب تک یہ طریقہ اختیار نہ کریں گے یہ لوگ مؤمن نہ ہوں گے اور دربارِ خداوندی میں ان لوگوں کا شمار مؤمنوں میں نہیں ہوگا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ لائی ہوئی شریعت اور قانونِ الٰہی کی طرف رُجوع کرنا آپ ہی کے قائم مقام ہے، ترجمہ پھر سمجھ لو:-

> پھر قسم ہے آپؐ کے رَبّ کی! یہ لوگ ایمان دار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو یہ لوگ آپؐ سے تصفیہ نہ کرائیں، پھر اس تصفیے سے اپنے دِلوں میں تنگی نہ پائیں اور پورے طور پر تسلیم کرلیں۔

”فَلَا“ میں ”لَا“ کیسا؟

اس آیتِ کریمہ میں اللہ جل شانہ مضمون پر قسم کھانے سے پہلے ”لا“ لائے ہیں، جس کے معنی ہیں: یہ بات نہیں ہے، تو سوال یہ ہے کہ یہ نفی کیسی ہے؟ بات تو آئندہ کہنی ہے کہ ہر جھگڑے میں نبی علیہ السلام کو فیصلہ کرنے والا بناؤ اور اس پر قسم کھائی ہے، مگر پہلے یہ نفی کیسی ہے، پس نہیں قسم ہے تیرے رَبّ کی۔

سو آپ یوں سمجھئے کہ کسی بات کے دو رُخ ہوں اور مخاطب کو ایک رُخ پر لانا ہے کہ تم کو یہ رُخ اختیار کرنا ہے، تو ضروری ہے کہ پہلے رُخ کی نفی کردی جائے کہ

ادھر کا رُخ نہیں کرنا ہے، تاکہ مخاطب کا ذہن یکسو ہوجائے کہ اُدھر جانا نہیں ہے، اُدھر سے دِل فارغ ہوجائے پھر متکلم کے بتائے ہوئے رُخ کی طرف یکسو ہوکر عمل کرے، مگر سابق میں وہ غلط رُخ معلوم تھا جس میں یہ مبتلا تھا کہ وہ اپنے فیصلے طاغوت اور غیرنبی کی طرف لے جاتے تھے، لہٰذا اس کی نفی کرنا ضروری تھا اس لئے اس کی نفی کرنے کے لئے ''لا'' لائے ہیں، اب یہاں نفی تو ہے مگر منفی کا ذکر نہیں کیا گیا، مطلب یہ ہے کہ یہ بات نہیں ہے جو طریقہ ان منافقین نے نکال لیا ہے کہ باوجود دعوائے ایمان کے تصفیہ الی الطاغوت کو اختیار کرلیا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اِعراض کرلیا، یہ بات نہیں ہے بلکہ اگلی بات کی طرف آمادہ رہنا ہی ایمان ہے تو پہلے طاغوت کی طرف رُخ کرنے کو منع کرنا تھا اس لئے ''لا'' لائے کہ یہ رُخ ترک کرو، ایمان کی بات صرف نبی علیہ السلام کی طرف رُخ کرنا ہے، یہ بلاغت کا قاعدہ ہے تاکہ مخاطب کا ذہن یکسو ہوکر قبول کرلے۔ اس کے بعد چند اُصول قابلِ غور ہیں۔ اوّل یہ کہ اللہ پاک نے اس مضمون کو قسم کھاکر کیوں بیان کیا، دُوسرے اگر قسم کھانا ہی تھا تو اسمائے الٰہی تو اور بہت سے ہیں، ان میں سے صرف ''رَبّ'' کو کیوں اختیار کیا، تیسرے اس کی نسبت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کیوں کی ''وَرَبِّکَ''۔

پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ جو بات قابلِ اہتمام ہوتی ہے اسے نفس میں بٹھانا مقصود ہوتا ہے، اس کا طریقہ یہ قسم کھاکر کہنے کا ہے، کیونکہ قسم کھاکر کہنے سے بات ذہن میں بیٹھ جاتی ہے۔ دُوسرے اور تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرانا ہے، جیسا کہ ''لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللہِ'' میں ہے، تو پہلے ہی سے یہ اضافت کرنے سے اسی طرف اشارہ ہے کہ ان کی ذات ایسی ہی ہے جن کی طرف تم کو جھکانا ہے، ان کی طرف ہماری بھی نسبت ہے اور اضافت ہے۔

وجوہِ اطاعت

اور کسی کی اطاعت کی تین وجوہ ہوا کرتی ہیں، محبت، عظمت اور احسان، اپنے

محسن سے محبت ہوتی ہے اور محبت سے اطاعت آسان ہوجاتی ہے، محبت کا تقاضا یہی ہے کہ اپنے محبوب کی اطاعت کی جائے: "ان المحب لمن یحب مطیع" اور حکام کی اطاعت ان کی عظمت کی وجہ سے ہوتی ہے تو "فَلَا وَرَبِّکَ" میں ان تینوں اسبابِ اطاعت کی طرف اشارہ کرنا ہے، اس کو یوں سمجھو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مخلوق میں صفاتِ خداوندی کے مظہرِ اتم ہیں، لہٰذا آپؐ کی طرف اضافت کرنے سے آپؐ کی عظمت کی طرف اشارہ ہے یعنی ہم اپنی ذات کی اس حیثیت سے قسم کھاتے ہیں کہ ہم آپ کے مربّی ہیں، اس سے آپ کی عظمتِ شان معلوم ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واقع میں ذی شان ہیں، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؂

کریم السجایا شفیع الامم — نبی البرایا شفیع الامم
اِمامِ رُسل پیشوائے سبیل — امین خدا مہبط جبرئیل
شفیع الوریٰ خواجہ بعث و نشر — اِمام الہدیٰ صدر دیوانِ حشر
شبے دونشست از فلک برگزشت — بتمکین و جاہ از ملک درگذشت
خدایت ثنا گفت و تجبیل کرد — زمیں بوس قعد تو جبرئیل کرد
بلند آسماں پیش قدرت فجل — تو مخلوق و آدم ہنوز آب و گل
ترا عز لولاک تمکیں بس ست — ثنائے تو طٰہٰ و یٰسین بس ست
چہ وصفت کند سعدیؔ ناتمام — علیک السلام اے نبی والسلام

ترجمہ:- آپ کی تمام عادات و اطوار کریم اور باشرف ہیں، آپ ساری اُمتوں کے شفاعت کرنے والے ہیں کہ شفاعتِ کبریٰ اور مقامِ محمود آپ ہی کو عطا ہوگا، ساری کائنات کے آپ نبی ہیں اور ساری اُمتوں کے آپ شافع ہیں، تمام پیغمبروں کے اِمام ہیں، ہر راہِ خیر کے پیشوا ہیں، خدا کے امین ہیں قرآن بھی اللہ کی امانت ہے جو آپ کے سپرد کی گئی ہے، جبرائیل علیہ السلام جو

تمامی ملائکہ کے سردار ہیں آپ کی خدمت میں وحی لے کر آنے والے ہیں، مخلوقات کے شافع اور جس روز یہ مخلوق اپنی قبروں سے اُٹھے گی اور میدانِ حشر میں جمع ہوگی اس روز بھی آپ ہی سردار ہیں، ہدایت کے آپ امام ہیں اور حشر کی کچہری کے صدر ہیں، ایک رات جو براق پر بیٹھے تو آسمانوں سے گزر گئے، عزّت و جاہ اور شرف میں فرشتوں سے بھی آگے بڑھ گئے، خدا تعالیٰ نے آپ کی تعریف کی اور عزّت دی، آپ کی یہ عزّت کہ جبرائیل آپ کے قدم بوس ہوئے، یہ بلند آسمان بھی آپ کی قدر کے سامنے شرمندہ ہیں، آپ کا نور پیدا ہو چکا تھا جبکہ آدم علیہ السلام مٹی گارے کے پتلے کی شکل میں ہی تھے، جب خدائے پاک نے یہ کہہ دیا کہ اے نبی! اگر تجھے پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو زمین بناتا نہ آسمان پیدا کرتا، یہ کیا عزّت کم ہے اللہ نے آپ کو طٰہٰ اور یٰسین کا شرف بخشا، یہ ناتمام سعدیؔ آپ کا کیا وصف بیان کرے کہ کر ہی نہیں سکتا، بس اے نبی! آپ پر خدا کا سلام ہو والسلام۔

محبوبیت کا یہ عالم ہے کہ آپ کا خون مبارک پی جانے کو فخر سمجھا جاتا ہے کہ مجھے نبی علیہ السلام کا ایک قطرۂ جسم نصیب ہوگیا، چنانچہ جنگِ اُحد میں جب آپ کا دندان مبارک شہید ہوا تو حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے اس جگہ کو چوس لیا تاکہ آرام ملے، جس پر آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب تجھے دوزخ کی آگ نہ چھوئے گی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری کے جانور پر مجھے اپنے پیچھے سوار کرلیا تو میں نے آپ کی خاتمِ نبوّت دیکھی تو اسے بوسہ دیا، میں کیا بتاؤں کہ مشک کی خوشبو بھی اس کے سامنے کچھ نہ ہوگی۔ (شفا قاضی عیاضؒ) صفتِ احسان آپ جانتے ہیں، تربیت کرنا ایک احسان ہے،

اور جو مربّی ہوگا وہ محسن ہوا، تو "وَرَبِّکَ" کا مطلب یہ ہوا کہ قسم ہے آپ کے مربی کی، اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبع سلیم ہے تو آپ پر احسان ہوا تو ضرور آپ دُوسروں پر احسان فرمائیں گے، "هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَان" یعنی خدا نے آپ پر احسان کیا ہے تو آپ اس کی مخلوق پر احسان فرمائیں گے، اس حیثیت سے آپ مخلوق کے محسن ہوئے۔ یا یوں سمجھ لو کہ مخلوقات میں جو صفات پائی جاتی ہیں مثلاً علم، محبت، سخاوت، احسان، تربیت وغیرہ، یہ اس کی مخلوق میں اللہ کی صفاتِ حمیدہ کا ظل اور اسی کا پَرتو ہے، مثلاً کوئی آدمی کسی مجرم کو معاف کرتا ہے اور درگزر کرتا ہے تو اس میں اللہ کی صفتِ عفو کا پَرتو ہے جس کی وجہ سے یہ صادر ہوا اور اگر کوئی کسی کو کچھ دیتا ہے، سخاوت کرتا ہے تو اس پر اللہ کی صفتِ جوّادیت کا ظل ہے، ماں باپ جو بچوں کو پالتے ہیں ان میں یہ اسی کی صفتِ رُبوبیت کا ظل اور پَرتو ہے، اپنی اولاد کی حفاظت کرنا یہ اسی کی صفتِ رقیب کا پَرتو ہے اور صفتِ حفیظ یہ کام کرا رہی ہے۔ سو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تمام مخلوق میں صفاتِ الٰہیہ کے مظہرِ اَتم ہیں اور اَکمل ہیں اس لئے اللہ کی صفتِ احسان میں بھی اتم اور محسن ہوئے گویا ساری مخلوق میں سب سے زیادہ محسن مخلوق صرف آپ کی ذات ہے اور تربیت کا منشاء ہمیشہ محبت ہوتی ہے، تو "فَلَا وَرَبِّکَ" کے معنی ہوئے "فلا ومحبائی" گویا آپ خدا کے محبوب ہوئے تو مخلوق کے بھی محبوب ہوئے، اتنی بڑی شان کہ ساری مخلوق کے محبوب ہوں ان کی عظمتِ شان پر دلالت کر رہی ہے، سو آپ ہر طرح مخلوق کے محبوب و محسن ہوئے اور ان کے نزدیک ذیشان ہونے اور یہ تینوں باتیں اطاعت کی طرف داعی ہیں، اس لئے آپ واجب الاتباع اور مطاع ہوئے، الحاصل "فَلَا وَرَبِّکَ" سے اطاعت کی تسہیل ہے اس لئے کہ محسن اور محبِّ اعظم کی اطاعت کرنا اور جس کی ایسی شان ہو آسان ہوتی ہے بلکہ جی چاہتا ہے۔ آگے مقصود کا بیان ہے: قسم ہے تیرے پروردگار کی یہ ایمان دار نہ ہوں گے جب تک اپنے تمام جھگڑوں میں آپ کو حَکَم نہ بنائیں گے، مگر چونکہ حَکَم تو

آپ کو منافق مسلمان سب ہی بنالیتے تھے تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ یہاں ضابطے کی اطاعت کرلینا مقصود نہیں بلکہ حقیقی دِل سے اطاعت کرانا مقصود ہے۔

آپؐ کی تین شانیں:

آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تین صفات اور شانیں آئی ہیں، عظمت وجلال، محبوبیت اور محسنیت اس لئے آگے مقصود میں بھی تین چیزیں ہیں:-

اوّل: "یُحَکِّمُوْکَ"، دُوسرے: "لَا یَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا"، تیسرے: "وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا"۔ یہ تینوں مقصود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ ثلاثہ پر مرتب ہوتے ہیں، آپ کی عظمتِ شان پر "یحکموک" کیونکہ حَکَم اسی کو بناتے ہیں جس کی عظمت دِل میں ہو، اور "ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا" محبوبیت پر دال ہے کیونکہ جب حَکَم محبوب ہے اور محبّ صادق ہے تو اس کے فیصلوں پر عار و ننگ نہ ہوگی بلکہ فخر کرے گا، "وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا" احسنیت پر متفرع ہے کیونکہ عقلِ سلیم کا تقاضا یہ ہے کہ محسن کے ہر اَمر کو تسلیم کرلے چوں چرا نہ کرے۔

مگر تحکیم اور عدم وجدان جرح اور تسلیم ذو مراتب نہیں سو جس درجہ کی تحکیم اور عدم وجدان جرح اور تسلیم ہوگی اسی درجے کا وہ مؤمن ہوگا، اور مراتب تین ہیں، اوّل مرتبہ اعتقاد کا ہے اس میں تو سب مؤمن برابر ہیں کیونکہ ایمان سب میں موجود ہے اور یہ ادنیٰ درجہ ہے، اگر کسی میں یہ درجہ بھی نہ ہو کہ ایمان ہی کے لالے ہیں تو وہ مؤمن ہی نہیں ہے، دُوسرا مرتبہ عمل کا ہے کہ اُمورِ ثلاثہ پر عمل ہو یعنی اپنے متنازعہ فیہ مقدمات میں شریعت کی طرف رُجوع بھی ہو اور اس پر عمل بھی ہو، اگر طبعاً تنگی آجائے مگر عقلاً نہ ہو تو یہ اوسط درجہ ہے ایمان کا، تیسرا مرتبہ طبیعت کا ہے کہ یہ اُمورِ ثلاثہ طبعی ہوجائیں، حَکَم بنانے کے بعد تنگی نہ ہونا اور اسے تسلیم کرلینا جو بھی آپ فیصلہ دیں طبعی

بن جائے کہ طبیعت بھی اندر سے اطاعت کرے، یہ اعلیٰ درجہ ایمان کا ہے، اور ایمانِ کامل کے لئے ان کا یہ اعلیٰ درجہ ہی مطلوب ہے کہ ہر معاملے میں شریعت کو حَکَم بنائے اور اس حکم پر تنگی نہ ہو بلکہ اسے ٹھنڈے دِل سے تسلیم کرے اور جبکہ بظاہر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرمانہیں ہیں تو شریعتِ مطہرہ کے ہر حکم کو اور فیصلہ کو دِل سے مانے اور کسی حکم میں دِل تنگ نہ کرے اور ہر حکم شریعت ہی سے معلوم کرے تب وہ مؤمن ہوگا، خدائے پاک نے قسم کھا کر فرمادیا ہے۔

اللہ پاک ہم مسلمانوں کو شریعتِ مطہرہ کی اتباع و اطاعت کی توفیق عنایت فرمائے، آمین۔

(ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی رجب ۱۴۰۳ھ - اپریل ومئی ۱۹۸۳ء)

الصلوٰۃ معراج المؤمنین

نماز مؤمنوں کے لئے معراج ہے، یہ لفظ ''معراج'' جو ''مفتاح'' کے وزن پر ہے، اسمِ آلہ کا صیغہ ہے، جس کا ترجمہ ہوگا: ''آلۂ عروج'' ترقی کرنے کا ذریعہ، چڑھنے کا ذریعہ یا واسطہ جیسے سیڑھی اُوپر چڑھنے کا ذریعہ اور واسطہ ہوتی ہے۔

نماز سے بھی انسان عروج کرتا ہے، مثلاً بہیمیت سے ملکیت کی طرف، مادّیت سے تجرّد کی طرف، بُعد سے قربِ خداوندی کی طرف، غیوبت سے حضوری کی طرف۔

وضو اور غسل سے طہارتِ جسمانی کے ساتھ ساتھ، پیر، آنکھ، ناک کے گناہ نکل جاتے ہیں۔

ملائکہ جن کو طہارت سے محبت ہے، نجاست سے نفرت ہے، ان کو نمازی کے ساتھ تعلق ہوجاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ محبت فرماتے ہیں: ''فِیْہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَھَّرُوْا، وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُطَّھِّرِیْنَ'' یعنی قبا کی بستی والے طہارت کو محبوب رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ طہارت والوں سے محبت فرماتے ہیں۔ ''الطّھور شطر الایمان، اسباغ الوضوء علی المکارہ'' پاک صاف رہنا نصف ایمان ہے، اور اس طہارت کی تحصیل میں مالی اور جسمانی فدائیت اور قربانی کرنا محض اللہ کی رضاجوئی کے لئے ہے، نیز اس میں اخلاقِ خبیثہ مثلاً بخل وکسل کا ازالہ ہے، اور آئندہ کو ہم نشینی وہم کلامی کے لائق بنانے والی ہے۔

صلوٰۃ مثلاً توجہ الی القبلہ غفلت کو دُور کرنے اور بارگاہِ ذوالجلال کو قریب کرنے والی ہے، ''فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ'' اور تمام منہیات سے روک دینے والی

ہے، "اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡھٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ" اور منکرات اور ترکِ فواحش کا اثر قربِ خداوندی اور بُعدِ رذائل میں جو ہوگا وہ اظہر من الشّمس ہے، نماز کی قراءت اور اَدعیہ میں اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی اور تخاطب موجود ہے جس سے غفلت کا دُور ہونا اور توجہ الی اللہ ہونا لازم ہے۔ سو مؤمن حضورِ قلب کے ساتھ خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھے تو اس کا عروج حاصل ہونا ظاہر ہے بلکہ کوتاہی ہوجائے تب بھی نفع سے خالی نہیں، کیونکہ قراءتِ قرآن اور دُعائیں نیز دُرود شریف کی تأثیر سمجھنے پر موقوف نہیں، گلِ بنفشہ جان کر پیوے یا بغیر جانے بلغمی اسہال ہونا ضروری ہے، اسی طرح قراءت و ادعیہ قرآنی کی تأثیر بھی بلا سمجھے حاصل ہوتی ہیں، ہاں! درجے میں فرق ہوسکتا ہے، "من قرء حرفًا من کتاب اللہ فله حسنة والحسنة بعشر امثالها لا اقول الٓمّ حرف بل الف حرف ولام حرف ومیم حرف" گویا ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں، حدیث میں ہے کہ:-

> جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اسے لازم ہے کہ اپنے سامنے نہ تھوکے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے اور قبلے کے درمیان حائل ہوتا ہے یا اس کی رحمت متوجہ ہوتی ہے۔
>
> اسی طرح التفات کے متعلق آیا ہے:-
>
> جب تک بندہ نماز میں التفات نہیں کرتا، اس وقت تک اللہ تعالیٰ بندہ کی طرف متوجہ رہتا ہے، سو یہ توجہ اور قربِ خداوندی بندے کو نماز کی وجہ سے حاصل ہوئی۔

ارشاد ہوتا ہے: "قسمت الصلٰوۃ بینی و بین عبدی فاذا قال" (الحدیث) میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھوں آدھ تقسیم کردیا ہے، پس جب بندہ کہتا ہے: "الحمد للہ رب العٰلمین" تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "میرے بندے نے میری تعریف بیان کی۔"

زبان ہی کے بیس گناہ ہیں، کذب، کذبِ مباح ومضر۔

غیبت:- انسان اپنی آبرو کی خاطر مال بلکہ جان تک دے ڈالتا ہے تو کسی کی آبرو خراب کرنا غیبت ہے، اور یہ حق العبد ہے، اس کی ترکیب یہی ہے کہ کسی کا اچھا بُرا ذکر کیا ہی نہ جائے۔

یہ کہنا کہ حلال کا وجود ہی نہیں، غلط ہے، ہاں! تقویٰ بگھارنا پر عمل مشکل ہے، ورنہ مفتی جسے مباح کہہ دے اسے مباح سمجھو اور ہمت باندھو۔

برکت نہ ہو مگر اللہ میاں مل جائیں، یہ کیا کم ہے؟ ان کی رضا بہت بڑی چیز ہے۔

اِسراف:- صرف المال لغرض غیر محمود، اور غرض کئی طرح کی ہوتی ہے:-

رفع ضرورت:- یعنی ہر چیز کو اتنی مقدار میں اختیار کرنا کہ اس سے کم میں نہ ہو سکے، مثلاً لباس، اس کی ادنیٰ مقدار یہ ہے کہ ٹاٹ سے ستر چھپالے، دُوسری غرض آسائش ہے کہ رُوئی کے لحاف میں خوب زیادہ رُوئی بھروانا تاکہ آرام رہے، اس کی بھی اجازت ہے، پھر آرائش میں کبھی غرض تحدیث بالنعمت ہوتی ہے، یہ محمود ہے۔ ایک غرض یہ ہوتی ہے کہ محتاج لوگ دیکھیں تو وہ مجھ سے سوال کریں ان کی احتیاج دفع ہوجائے، یا عشاق کی غرض یہ کہ اللہ میاں کو اچھے لگیں یا اپنے ہی نفس کو لذّت وفرحت ہو اس میں بھی مضائقہ نہیں، اور اس میں ایک غرض ریاء ونمود مذموم ہے۔

ہماری نماز اور اُن کا کرم

اس کی مثال یوں دیجئے کہ ایک بادشاہ نے محض اپنی عنایت سے اپنے غلام کو دربار میں حاضری کی اجازت دی، بلکہ یوں کہئے کہ زبردستی طلب کیا، زبردستی بلائے ہوئے پا بہ زنجیر ہوکر دربار میں پہنچے اور کام ہم سے کیا ہے، بادشاہ کو ہم پر رحم آیا ہے، وہ چاہتا ہے کہ دربار میں کچھ گفتگو کی جائے تاکہ درباریوں اور رعایا میں ان کی

عزّت ہوجائے، ان صاحب نے اس بلاوے کی کیا مکافات کی، اوّل تو منہ پھیر لیا اور کانوں میں اُنگلیاں دے لیں، مگر بادشاہ مہربان ہے اس نے خادموں سے کہا کہ اس کی اُنگلیاں کانوں سے باہر نکال دو اور اس کے ہاتھ باندھ دو کہ پھر یہ کانوں میں نہ لے جائے، اور اس کا منہ ہماری طرف کردو۔ اور شفقت و رحمت کے الفاظ فرمانے لگے کہ ایک دفعہ تو اس کے کان میں پڑجائیں، مگر یہ تو قسم کھاکر چلے ہیں کہ اُلٹا ہی کریں گے اور آواز پڑتے ہی کانوں کی طرف اُنگلیاں بڑھائیں مگر ہاتھ بندھے ہوئے تھے تو اس خوف سے کہ کہیں محبوب کا کلام کان میں نہ پڑ جائے، جلدی سے اس جگہ سے بھاگے اور اصطبل میں کبھی گھوڑے کے پیچھے، کبھی گدھے کے پیچھے جاچھپے، الغرض گھنٹہ آدھ گھنٹہ یہی قصہ رہا یہ بھاگا کئے اور نوکر بلکہ خود بادشاہ ان کے پیچھے پھرا کئے، مگر انہوں نے وہی کیا جو شامتِ اعمال سے ہونا تھا، اب فرمایئے کہ یہ شخص کس سزا کا مستحق ہے؟ یہ تو اس قابل ہے کہ اگر اس نے عمر میں ایک بار بھی یہ حرکت کی ہے تو شاہی جرم میں اسے لے لیا جائے اور پھر کبھی دربار کی حاضری نصیب نہ ہو۔

اب آپ اپنے معاملے کو اللہ میاں کے ساتھ دیکھ لیجئے کہ ادھر سے تو حاضری کی اجازت بلکہ مؤذِن کے ذریعہ بلاوا اور فضل کے لئے تو ہر وقت حاضری کی اجازت مگر ہمیں توفیق نہیں کہ اس اجازت کو غنیمت سمجھیں مگر ہوا یہ کہ فرض نماز کا بلاوا آیا تو ہم نے منہ پھیر لیا، گویا جیسے معلوم نہیں کون بلا رہا ہے، کاہلی کے ساتھ گرتے پڑتے پہنچے، بُرا بھلا وضو کیا، زبردستی دیکھا دیکھی نماز کی نیت باندھی، باتیں کرتے کھڑے ہوئے تو ایسا منہ پھیرا کہ پتہ تک نہ چلا کہ کیا کلمات زبان سے ادا کئے، بے دِلی کے ساتھ آدابِ شاہی بجا لائے، اللہ میاں نے اس ہمارے منہ پھیرنے پر نظر نہ کی، کلمہ شروع کیا، حالانکہ حدیث سے ”الحمد للہ رب العٰلمین“ سے آخر تک ہر جملے پر اللہ تعالیٰ کا جواب دینا منقول ہے، مگر ذرا سی کان میں بھنک پڑتے ہی ایسے بھاگے کہ سیدھے گھر یا دُکان پر آکر دَم لیا، کبھی بیوی بچوں سے، کبھی گاہکوں سے

باتیں ہو رہی ہیں، کبھی بازار میں، اصطبل میں مشغول ہوگئے، مراد اس سے خیالات کی جولانی ہے، غرض یہی مسخرہ پن کرتے رہے، حتیٰ کہ بمشکل دربار کی حاضری ختم ہوئی، یعنی سلام پھیرا، بڑی خیر ہوئی بادشاہ کی ہم کلامی اور اس کے سمجھنے سے بچ گئے، وہ جانے مار ڈالتا یا کیا ہوتا، اچھا ہوا پتہ نہ چلا انہوں نے کیا کہا ہے۔

صاحبو! اس کی سزا تو یہی ہوتی کہ آئندہ ایسے آدمی کو دربار میں گھسنے نہ دیا جاتا اور حبسِ دوام کا حکم جاری ہوتا، مگر سنئے! اللہ میاں کی جانب سے کیا حکم جاری ہوا: ”وَ کَانَ سَعْیُکُمْ مَّشْکُوْرًا“ یہ تمہاری دوڑ دھوپ کی قدر کی جائے گی۔

مگر جس طرح اور جیسی ہم نے نماز پڑھی ہے اسے ہم خوب جانتے ہیں، اور جو وہاں ملائکہ حاضر تھے انہوں نے بھی خوب دیکھا، مگر اللہ تعالیٰ حاضرین کے سامنے شرم رکھنے کے لئے فرماتے ہیں: ”اُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ“ یعنی یہ تو بے وقوف ہے، اس نے اتنی گستاخیاں کیں مگر ہم اس کی حاضری لکھ لیتے ہیں اور اس کی بھی وہی عزت کی جائے گی اور بدلا دیا جائے گا جو باقاعدہ حاضر ہونے والے کے لئے ہے۔ یہ ان کا کتنا بڑا احسان ہے مگر ہم ایسے احسان فراموش ہیں کہ ایک دو دفعہ نہیں سینکڑوں بار بلکہ ہر دن میں پانچ بار یہی جفا کاری کرتے ہیں اور وہ کرم نوازی فرماتے ہیں کہ گناہ کی جگہ نیکی لکھ دیتے ہیں۔

(ماہنامہ ”البلاغ“ کراچی شعبان ۱۴۰۳ھ - مئی، جون ۱۹۸۳ء)

اِمامِ اعظم حضرت ابوحنیفہؒ
اوران کے علومِ حدیث پر ایک نظر

خلاصۂ مضمون

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضرت اِمامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تابعی ہیں، صحابہ کرامؓ سے ان کی ملاقات اور شرفِ زیارت حاصل ہے اور سماعِ حدیث بھی کیا ہے، ان کے اساتذۂ حدیث معلوم ہیں، ان کے حدیث کے شاگرد بھی جلیل القدر محدثین ہیں، ان کی اسنادیں موجود ہیں، اصحابِ صحاحِ ستہ حضرت اِمام بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابنِ ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ سب واسطے سے ان کے تلمیذ اور شاگرد ہیں، حضرت اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان جلیل القدر محدثین کے کسی نہ کسی واسطے سے شیخ ہوتے ہیں، جیسا کہ آپ اس مضمون میں دیکھیں گے۔ اِمام صاحبؒ کا تقویٰ اور ورع وعدالت خود ان کی اسنادات سے ظاہر و باہر ہے، ان کا تفقہ اظہر من الشّمس ہے، پورا فقہ ان کا مدوّن ہے، تقریباً ایک ہزار سال اسی فقہِ حنفی پر حکومت چلتی رہی ہے، ان کا اُصولِ استنباط بھی مدوّن ہے، ان کی ذاتِ گرامی محدثین اور ائمہ مجتہدین میں مُسلّم ہے، مگر بعض لوگ حدیث کی ہمہ دانی کا دعویٰ کرتے ہوئے حضرت اِمامِ اعظمؒ پر زبانِ طعن بلاوجہ دراز کرتے ہیں، اور چند بحثوں کے سوائے خود ان کو تمام زندگی کی جزئیات میں کسی نہ کسی فقہ کا سہارا لینا پڑتا ہے، جب خود کے اندر اجتہادِ مسائل کی قابلیت نہ ہوتو

سوائے تقلید کے کیا چارۂ کار ہے اور تقلید کا مطلب کچھ کا کچھ سمجھ کر بخیالِ خود غضبناک ہوتے ہیں، حالانکہ تقلید کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور ان کے اَحکام کی پیروی کرنے کے لئے کسی ایک اِمام سے دریافت کرکر کے چلتے رہنا اور یہ خدا کا حکم ہے کہ: "فَاسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" اگر تم نہیں جانتے ہو تو اہلِ ذکر سے پوچھ لیا کرو، یہ ائمہ دِین اہلِ ذکر ہیں، ان لوگوں نے جو قرآن و حدیث کو سمجھ کر مسائل لکھ دیئے ہیں جسے "فقہ" کہتے ہیں خدا اور رسول کا حکم سمجھ کر ہی اسے اختیار کرلیا جاتا ہے، بجائے اس کے کہ خود اپنی فہم پر اعتماد کریں دُوسرے کو اپنے سے زیادہ فہیم خیال کرکے ان سے پوچھ پوچھ کر "اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ" پر چلنے کا نام "تقلید" ہے، اس میں کیا شرک ہوگیا اور اِمام صاحب نے اگر خدا اور رسول کا حکم بتادیا تو کون سا غضب ہوگیا، خدا معترضین کو سمجھ دے۔

اَب تفصیل پڑھئے:-

آپ کا اسمِ گرامی نعمان ہے، کنیت ابوحنیفہ اور لقب اِمامِ اعظم ہے، آپ کا نسب نامہ یہ ہے: نعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ۔ آپ کے والد ماجد جن کا نام زوطی تھا حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے دستِ مبارک پر ایمان لائے اور انہوں نے ان کا اسلامی نام "ثابت" رکھا تھا، آپ قبیلہ تیم سے تعلق رکھتے تھے، آپ کے دادا کا نام ماہ اور لقب مرزبان تھا، یہ ملکِ فارس کے رہنے والے تھے۔

حنیفۃ مؤنث ہے حنیف کی، اور حنیف اس کو کہتے ہیں جو سب طرف سے ہٹ کر صرف ایک اللہ کا ہو رہے، اسی لئے اسلام کو دِینِ حنیف اور ملتِ اسلامیہ کو ملتِ حنیفیہ کہتے ہیں، اس اعتبار سے اِمام صاحب کو ابو الملۃ الحنیفۃ کہنے کی بجائے "ابوحنیفہ" کہنے لگے، ورنہ دراصل حنیفہ آپ کی بیٹی کوئی نہیں ہے۔

پیدائش آپ کی سنہ ۸۰ھ میں ہوئی اور وفات سنہ ۱۵۰ھ میں ہوئی۔

حلیہ:- میانہ قد، خوش رو، خوش لباس، عطر کا استعمال بکثرت، نیک صحبت،

ذی کرم، غم خوار، خوش بیان، شیریں آواز، بلند ہمت، داڑھی خوبصورت۔

آپؒ کوفہ کے رہنے والے ہیں۔

جب چھ سال کی عمر ہوئی سنہ ۸۶ھ تو یہ خلافتِ اُموی کے شباب کا زمانہ تھا، ولید بن عبدالملک سریر آرائے مملکت تھا، ولید نے فتوحات اور رفاہِ عام کے کام بہت اچھی طرح انجام دیئے اس کے دورِ حکومت حجاز، عراق، شام، افریقہ، ایشیائے کوچک، ترکستان، ایران، افغانستان اور ہندوستان میں ملتان تک پھیلا ہوا تھا۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں عراق فتح ہوا تو اس کا دارالخلافہ مدائن تھا، مگر حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سلمان فارسی اور حضرت حذیفۃ الیمان رضی اللہ عنہم نے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر کوفہ کا شہر آباد کیا، جس کے اندر سنہ ۱۷ھ میں چالیس ہزار آدمی آباد ہوئے۔

حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ کوفہ میں حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمار بن یاسر نیز صحابہ کی ایک جماعت آکر اُتری، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

کتاب الکنیٰ والاسماء کے صفحہ:۴ جلد اوّل پر لکھا ہے کہ کوفہ میں ایک ہزار پچاس صحابہ کرامؓ آئے جن میں پچاس بدری تھے، یہ سب یہاں فروکش ہوئے۔

(کذا فی فتح القدیر ص:۴۲، ۱۱۰)

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہاں کا معلّم بنا کر بھیجا تھا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ: آپ ہم کو قرآن پڑھاتے، تفسیر سکھاتے اور احادیثِ رسول اللہ بیان کرتے تھے، کتاب وسنت سے فتویٰ دیتے اور اجتہاد بھی فرماتے تھے، ان کے شاگردوں میں یہ بہت مشہور شاگرد ہیں: علقمہ، اسود، مسروق، عبیدہ بن حارث، عمرو بن شرحبیل اور وہاں کے علماء میں شعبی، شریح نخعی اور سعید بن جبیر مشہور ہیں۔ (فجر الاسلام ص:۱۸۴)

کوفہ علم کا ایک بہت بڑا مرکز تھا، علمِ حدیث کا بھی مرکز تھا، حضرت اِمام

بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بخاری شریف کے رُواۃ کو دیکھا جائے تو تین سو سے زیادہ کوفہ کے رہنے والے راوی ہیں۔

اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس علمی مرکز کوفہ میں پیدا ہوئے اور یہیں نشو ونما پائی، علمِ کلام چونکہ اُصولِ دِین سے متعلق ہے، اس لئے اِمام صاحب کو ابتداء میں اسی علم سے دِلچسپی تھی، چنانچہ اس علم میں آپ نے مہارتِ تامہ حاصل کی۔

(مناقب کردری ص:۶۴)

اسی وجہ سے اِمام صاحب خارجیوں سے مناظرہ کیا کرتے تھے، اس علمِ کلام کے بعد علمِ ادب، علم الشعر والقافیہ، علمِ قراءت کو باقاعدہ طور سے پڑھا۔

(مناقب صدر الائمہ ج:۱ ص:۶۱)

اس کے بعد علم الشرائع میں یدِطولیٰ حاصل کیا۔

اِمام صاحبؒ فرماتے ہیں: ایک روز بازار میں جاتے ہوئے حضرت اِمام شعبیؒ کے پاس سے میں گزرا تو انہوں نے مجھے بلایا اور پوچھا کہ: آپ کا علمی مشغلہ کیا ہے؟ جو میں نے سیکھا تھا عرض کردیا، انہوں نے فرمایا: تم ہونہار معلوم ہوتے ہو، تم علمی (یعنی خالص دِینی) مشغلہ اختیار کرو، مجھے تمہارے اندر بیداری نظر آتی ہے۔ اِمام صاحبؒ فرماتے ہیں: اس کے بعد سے میں اسی علم کا ہو رہا۔

اِمام صاحبؒ نے اِمام عاصمؒ کی قراءت کے مطابق قرآن مجید حفظ کیا اور مذاکرۂ حدیث کے حلقوں میں شرکت کی۔

سنہ۹۶ھ میں اِمام صاحبؒ نے پہلا حج کیا، حافظ عبدالبرؒ کی تصریح کے مطابق ایک صحابی حضرت عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ سے خود یہ ارشاد سنا: ”من تفقه فی الدین کفاه الله همه ورزقه من حیث لا یحتسب“۔

(جامع البیان میں یہ حدیث ہے)

سنہ۹۸ھ سے علمِ حدیث کا آغاز کیا اور سنہ۱۰۰ھ جس وقت آپ کی عمر بیس

سال تھی پوری طرح اس کے حصول میں لگ گئے اور سنہ۱۰۴ھ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

سب سے پہلے کوفہ میں اِمام شعبیؒ سے استفادہ کیا جیسا کہ کہا گیا: "وھو اکبر شیخ ابی حنیفة" (تذکرۃ الحفاظ ص:۷۵) اس میں اتنا کمال حاصل کیا کہ جرح و تعدیل کے اِمام یحییٰ بن سعید القطان کو کہنا پڑا:-

بخدا اِمام اعظم اللہ اور رسول کی باتوں کے اس دُنیا میں سب سے بڑے عالم ہیں۔　(ماتمس بہ الحاجہ ص:۱۰)

اِمامِ اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تابعی ہیں، تابعی اس کو کہتے ہیں جس نے بحالتِ ایمان کسی صحابی کی زیارت کی ہو۔

آخری صحابی:- آخری صحابی حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ ہیں، یہ جنگِ اُحد والے دن پیدا ہوئے، ۸ سال زمانۂ نبوّت پایا، کوفہ میں قیام کیا، حضرت علیؓ کے تمام مشاہد میں شریک ہوئے، حافظ ذہبی کی تصریح کے مطابق سنہ۱۱۰ھ میں وفات پائی اور ابنِ حجرؒ بھی یہی کہتے ہیں: "مات سنة عشر ومائة"۔ (تقریب التہذیب ص:۱۸۷)

اس وقت اِمامِ اعظمؒ کی عمر تیس[۳۰] سال تھی۔

اُوپر آپ پڑھ ہی چکے ہیں کہ سنہ۹۶ھ میں اِمام صاحبؒ نے پہلا حج کیا، اور دورانِ حج ایک صحابی حضرت عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ سے سماعِ حدیث کیا۔

ابنِ کثیرؒ کا کہنا ہے: "لانه ادرک الصحابة ورأ انس بن مالک" اِمام صاحبؒ نے صحابہ کو پایا اور حضرت انسؓ کو دیکھا ہے۔　(البدایۃ والنہایۃ ج:۱۰ ص:۱۰۷)

علامہ قسطلانی نے لکھا ہے: "ومن التابعین الحسن البصری وابن سیرین والشعبی وابن المسیّب وعطاء وابی حنیفة" یعنی اِمام ابوحنیفہؒ تابعی ہیں۔

(ارشاد الساری ج:۱ ص:۲۸۲)

حافظ ذہبی، عسقلانی، قسطلانی، دارقطنی یہ تو حفاظ ہیں، ابن الجوزی، خطیب بغدادی، ابنِ سعد، ابنِ خلکان، یافعی، ابنِ حجر مکی، شیخ جزری سب کی شہادت موجود ہیں

کہ اِمام صاحبؒ نے صحابہؓ کا زمانہ پایا ہے اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے۔

حافظ ابنِ کثیرؒ کہتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وفات بصرہ میں سنہ۹۳ھ میں ہوئی ہے تو اس وقت اِمام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عمر ۱۳ سال ہوئی ہے، اور اِمام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ان سے سماعِ حدیث بھی ثابت ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے "تبييض الصحيفة" میں یہ حدیث لکھی ہے: "ابو حنيفة عن انس بن مالك قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: طلب العلم فريضة على كل مسلم"۔

ابنِ سعد نے اور حافظ ابونعیم نے بھی تصریح کی ہے کہ اِمام صاحبؒ نے حضرت انس بن مالکؓ کو دیکھا ہے اور ان سے حدیث سنی ہے۔

حافظ عبدالبر نے تصریح کی ہے کہ اِمام صاحبؒ نے حضرت عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جس شخص نے اللہ کے دِین میں فقاہت بہم پہنچائی اللہ اس کے غم میں کافی ہوگا اور اس کو ایسی جگہ سے روزی پہنچائے گا کہ اس کو وہم وگمان بھی نہ ہوگا۔

(جامع بیان العلم وفضلہ ص:۴۵)

کوفہ کے آخری صحابہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ ہیں، ان کی تاریخِ وفات سنہ۸۹ھ ہے، اس وقت اِمام صاحبؒ کی عمر ۹ سال تھی، اِمام صاحبؒ نے ان کو دیکھا اور ان سے حدیث سنی ہے، اور صبی وبچے کی سماعِ حدیث کرنا محدثین کے یہاں قابلِ اعتبار ہے، چنانچہ اِمام بخاریؒ نے کتاب العلم میں ایک باب باندھا ہے: "متى يصح سماع الصغير" اس میں محمود بن الربیع کا پانچ سال میں سماعِ حدیث کرنا نقل کیا ہے، اس لئے پانچ سال کی عمر میں تحملِ حدیث کرنے پر اجماع ہے، "وهو الذى استقر عليه اهل الحديث"۔ (مقدمہ ابن الصلاح)

لہٰذا اِمام صاحبؒ کا حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے سماعِ حدیث کا انکارنہیں کیا جاسکتا۔ (شرح مسندِ اِمامِ اعظمؒ ص:۲۸۹)

اسی لئے صرف اِمامِ اعظمؒ ہی سے احادیث منقول ہیں اورکسی سے منقول نہیں۔

احادیات:- جس حدیث کوراوی نے خودصحابی سے سنا ہوایسی حدیثوں کو احادیات کہتے ہیں، اِمام صاحبؒ کی احادیات کی سند یہ ہیں:-

عن ابی حنیفة عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم.

عن ابی حنیفة عن عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم.

عن ابی حنیفة عن عبداللہ بن ابی اوفٰی رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم.

عن ابی حنیفة عن واثلة بن الاسقع رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم.

عن ابی حنیفة عن عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم.

عن ابی حنیفة عن عائشة بنت عجرة رضی اللہ عنھما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم.

(التعلیقات ص:۷، التانیب ص:۲۱)

یعنی چھ صحابیوں سے آپ کا سماعِ حدیث کرنا ثابت ہے، نیز ان اسنادوں سے ثابت ہوگیا کہ اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تابعی ہیں۔

اور ترمذی میں یہ حدیث ہے: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ایسے مسلمان کو آگ نہ چھوئے

گی جس نے (بحالتِ ایمان) مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والوں کو دیکھا۔

(ترمذی ص:۲۴۸)

اب حضرت اِمامِ اعظمؒ کو جو بُرا بھلا کہتے ہیں، خداوندا! غور کریں اور زبان روکیں۔

اِمامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذۂ حدیث یا صحابی ہیں یا تابعی ہیں یا تبع تابعی ہیں، یعنی قرونِ مشہود لہا بالخیر کے شیوخ ہیں، سفیان بن عیینہ کہتے ہیں: صحابہ کرامؓ کے بعد بڑے محدث دو ہیں، ایک اِمام شعبیؒ دُوسرے سفیان ثوریؒ۔

(تلقیح فہم لاہل الاثر ص:۲۳۶)

حضرت شعبیؒ نے پچاس صحابہ سے ملاقات کی ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج:۱ ص:۷۶)

اور حضرت اِمامِ اعظمؒ اِمام شعبیؒ کے تلامذہ شاگردوں میں سے ہیں، چنانچہ اِمام ذہبی کا قول گزر چکا ہے: "ھو اکبر شیخ لابی حنیفة" (ج:۱ ص:۷۵) تاریخ العرب میں ہے: "کان من ابرز الذین تخرجوا عن الشعبی الامام ابو حنیفة المشھور"۔

(تاریخ العرب ص:۲۱۱)

علامہ حصفکی نے مسندِ امام میں یہ سند کے ساتھ روایت لکھی ہے:-

ابو حنیفة عن الشعبی عن المغیرة بن شعبة قال: رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یمسح علی الخفین.

اس روایت کو حافظ طلحہ بن محمد، حافظ حسین بن محمد، حافظ ابوبکر بن عبدالباقی اور اِمام محمد نے کتاب الآثار میں لکھا ہے۔

علامہ ذہبی نے "عدد کثیر من التابعین" کہا ہے، کہ کثیر تعداد تابعین سے اِمام صاحبؒ نے روایت لی ہے۔

علامہ ابنِ حجر عسقلانی نے بخاری شریف کی شرح کرتے ہوئے مقدمہ بخاری میں اِمام بخاری علیہ الرحمۃ کے تابعین میں سے طبقۂ اُولیٰ کے اساتذہ شمار

کرائے ہیں، وہ یہ ہیں: مکی بن ابراہیم، ابو عاصم النبیل، عبیداللہ بن موسیٰ، ابونعیم بن دکین اور خلاد بن یحییٰ رحمہم اللہ۔

مگر آپ کو فخر ہوگا کہ یہ امام بخاریؒ کے جو اُستاذِ حدیث ہیں یہ حضرت امامِ اعظمؒ کے حدیث میں شاگرد ہیں، سوائے حضرت خالد بن یحییٰ کے، یعنی جو امام بخاریؒ کے اساتذہ ہیں وہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔ (مناقب ذہبی ص:۱۱،۱۲)

امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علمِ حدیث کے ایک شاگرد امام علی بن عاصم ہیں، امام واسطی نے ان کے متعلق کہا ہے کہ ان کے حلقۂ درس میں تیس ہزار سے زائد طلبہ کا ہجوم ہوتا تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج:۱ ص:۳۵۹)

اسی طرح امام صاحبؒ کے ایک شاگرد یزید بن ہارون ہیں جو فنِ حدیث کے مشہور امام ہیں ان کے درس میں بھی تقریباً ستر ہزار طلبہ کی حاضری ہوتی تھی۔

(تذکرۃ الحفاظ ج:۱ ص:۲۹۲)

آپ کے شاگرد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے سات حدیثیں سنی ہیں۔ (الانتقاء ص:۵۲)

امام علی بن عاصم جیسا مشہور محدث جن کے حلقۂ درس میں تیس ہزار طلبہ ہوتے تھے، امام صاحبؒ کے بارے میں لکھتا ہے: ”اگر امام صاحب کے علم کو دُوسروں کے علم کے مقابلے میں تولا جائے تو امام ابوحنیفہؒ ہی کا پلڑا بھاری رہے گا۔“

(مناقب امامِ اعظم للذہبی ص:۴)

امام ابو عاصم النبیل جن کی وفات سنہ۲۰۳ھ میں ہوئی ہے، امام بخاری ان کے شاگرد ہیں، ابوداؤد نے کہا ہے کہ ان کے ایک ہزار حدیثیں نوکِ زبان تھیں۔ (تذکرۃ الحفاظ) مگر علامہ صمیری کہتے ہیں کہ یہ امامِ اعظمؒ کے شاگرد ہیں۔

خود امامِ اعظمؒ حفاظِ حدیث میں سے تھے، دلیل یہ ہے کہ:-

کان ابو حنیفة من کبار حفاظ الحدیث. (تانیب ص:۱۵۶)

اور حافظِ حدیث اس کو کہتے ہیں جس کو مع سند ومتن کے ایک لاکھ حدیثیں زبانی یاد ہوں۔

اِمامِ اعظمؒ کے اساتذۂ حدیث کبار حفاظِ حدیث میں سے ہیں، امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اِمام صاحبؒ کے چھبیس[۲۶] اکابر مشائخِ حدیث شمار کئے ہیں اور کہا ہے: "واکبر شیوخه عطاء بن ابی رباح" (دول الاسلام ص:۴۷) حافظ ذہبی کہتے ہیں: "سمع الحديث من عطاء بمكة"۔ (مناقب ذہبی ص:۱۱)

اور یہ حضرت عطاء کیسے ہیں؟

وعطاء كان من سادات التابعين علمًا وفقهًا.

(تہذیب التہذیب ج:۷ ص:۳۰۳)

اصحابِ صحاحِ ستہ نے عطاء بن ابی رباح سے روایات لی ہیں۔

قاضی ابویوسفؒ بھی اِمامِ اعظمؒ کے واسطے سے عطاء سے روایت کرتے ہیں، مثلاً:-

عن ابي حنيفة عن عطاء عن ابن عمر انه قال: ليس في القُبلة وضوء.

یہ اُوپر والی روایت مؤطا اِمام محمد میں بھی آئی ہے۔

حضرت عطاءؒ خود کہتے ہیں: "ادركت مائتي صحابي" (تہذیب التہذیب ج:۷ ص:۳۰۳) یعنی حضرت عطاءؒ نے دوسو صحابہ کرامؓ کو پایا ہے۔

اِمامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اُستاذِ حدیث حضرت عمرو بن دینارؒ بھی ہیں، عمرو بن دینار بھی مشہور محدث ہیں، حضرت سفیان بن عیینہؒ نے تصریح کی ہے کہ ہمارے نزدیک عمرو بن دینارؒ سے زیادہ فقیہ اور زیادہ عالم اور زیادہ حافظ (حدیث) کوئی نہیں ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج:۱ ص:۱۰۷)

حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے اجلہ صحابہ کو ان کا اُستاذ بتایا ہے، حضرت شعبہؒ کا

تو کہنا ہے کہ میں نے عمرو بن دینارؒ جیسا شخص کوئی نہیں دیکھا۔

(تذکرۃ الحفاظ ج:۱ ص:۱۰۸)

یہ جلیل القدر تابعی محدث سب اِمام صاحب کے اُستاذِ حدیث ہیں۔

نیز عمرو بن دینارؒ اِمامِ اعظمؒ کے اُستاذ ہیں، چنانچہ کتاب الآثار میں یہ روایت موجود ہے:-

عن ابی حنیفة عن عمرو بن دینار عن جابر عن زید انه قال: اذا خیرت المرأة نفسها فقامت من مجلسها قبل ان تختار فلیس بشیء. (کتاب الآثار ص:۸۷)

اور سنئے! اِمامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے چار ہزار حدیثیں مروی ہیں، دو ہزار حضرت حماد سے اور دو ہزار باقی مشائخ سے۔ (مناقب موفق ج:۱ ص:۹۶) یہ تو اِمام صاحبؒ کے اساتذۂ حدیث ہوئے، اب اِمام صاحبؒ کے شاگردانِ حدیث کو دیکھ لیجئے، اِمام صاحب کے ایک شاگرد حضرت عبداللہ بن مبارکؒ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے متعلق خطیب بغدادی کا کہنا ہے: "سمعت عبدالله بن المبارک یقول: کتبت عن ابی حنیفة اربعمائة حدیث"۔ (تاریخ بغداد)

یعنی مشہور محدث خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مبارکؒ سے سنا وہ کہتے تھے کہ: میں نے اِمام ابوحنیفہؒ سے چار سو حدیثیں لکھی ہیں۔

حافظ حارثی نے متصل سند کے ساتھ اِمام حفص بن غیاث سے نقل کیا ہے، انہوں نے کہا ہے: "سمعت من ابی حنیفة حدیثًا کثیرًا" یعنی میں نے ابوحنیفہؒ سے بہت کثرت سے احادیث سنی ہیں۔ (مناقب موفق ج:۱ ص:۴۰) علامہ کردری شیخ الاسلام عبداللہ بن زید مقری کے بارے میں کہتے ہیں: "سمع من ابی حنیفة تسعمائة حدیث" کہ انہوں نے اِمام ابوحنیفہؒ سے نو سو حدیثوں کا سماع کیا ہے۔ (کردری ج:۲ ص:۲۳۱) حافظ عبدالبر نے حماد بن زید کے بارے میں لکھا ہے: "روی حماد بن زید

عن ابی حنیفة حدیثًا کثیرًا" یعنی حماد بن زید نے امام ابوحنیفہؒ سے بہت زیادہ حدیثیں روایت کی ہیں۔ (الانتقاء ص:۱۳۰) امام ذہبیؒ کہتے ہیں:"روی عنہ من المحدثین والفقھاء عدة لا یحصون" یعنی بے شمار فقہاء اور محدثین نے امام ابوحنیفہؒ سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ (مناقب ذہبی ص:۱۱) حافظ عبدالبرؒ نے یزید بن ہارون کے حوالے سے لکھا ہے:"ادرکت الف رجل فکتبت عن اکثرھم ما رأیت فیھم افقہ ولا اورع ولا اعلم من خمسة اولھم ابوحنیفة" یعنی میں نے ایک ہزار راویوں کو پایا ہے اور ان میں سے اکثر سے میں نے روایت لی ہے، مگر ان میں پانچ سے زیادہ کسی کو عالم وفقیہ نہیں پایا، ان پانچ میں سب سے اوّل ابوحنیفہ ہیں۔

(بیان العلم وفضلہ)

اِمام صاحبؒ کی احادیث جن کی اسنادیں اِمام صاحب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف صحابی کا واسطہ ہے گزر چکی ہیں، یعنی اِمام صاحبؒ نے براہِ راست خود صحابی سے اور صحابی نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، ان کو احادیات کہتے ہیں، اور اس طریقِ سند میں اِمام صاحب تمام اَئمہ میں ممتاز ہیں اور کسی اَئمہ مجتہدین میں ایسی علو سند موجود نہیں اور نہ اصحابِ صحاح کے پاس ہے۔

دُوسری ایسی روایات بھی اِمام صاحب سے آئی ہیں جن میں اِمام صاحبؒ اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان دو واسطے ہیں، یعنی اِمام صاحب نے تابعی سے سنا، انہوں نے صحابی سے، انہوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، ایسی اسناد کو ثنائیات کہتے ہیں، اور یہ ثنائیات مؤطا اِمام محمد میں موجود ہیں، مثلاً:-

ابو حنیفة عن ابی الزبیر عن جابر عن النبی صلی اللہ علیه وسلم.

ابو حنیفة عن نافع عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیه وسلم.

ابو حنیفة عن عبداللّٰہ بن بحینة قال سمعت ابا الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم.

ابو حنیفة عن عبدالرحمٰن عن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم.

ابو حنیفة عن عطیة عن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم.

ابو حنیفة عن شداد عن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم.

ابو حنیفة عن عطاء عن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم.

ابو حنیفة عن عاصم عن رجل من اصحابه عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم.

ابو حنیفة عن عوف عن رجل من اصحابه عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم.

ابو حنیفة عن محمد بن عبدالرحمٰن عن ابی امامة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم.

ابو حنیفة عن مسلم بن الاعور عن مالک بن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم.

ابو حنیفة عن محمد بن قیس عن ابی عامر انه کان یهدی للنبی صلی اللہ علیہ وسلم.

ان ثنائیات میں سوائے امام مالکؒ کے اور کوئی ہمسر امام صاحبؒ کا نہیں ہے۔

علوِ سند کے اعتبار سے تیسرے درجے پر وہ اسنادیں ہیں کہ جن میں تین تین راوی ہوں یعنی تبع تابعی پھر تابعی پھر صحابی پھر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم، اس قسم کی سندوں کو ثلاثیات کہتے ہیں۔

اِمامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ثلاثیات بھی مروی ہیں، مثلاً:-

عن ابی حنیفة عن بلال عن وهب عن جابر عن النبی صلی الله علیه وسلم.

عن ابی حنیفة عن ابی موسیٰ بن عائشة عن عبدالله عن جابر عن النبی صلی الله علیه وسلم.

عن ابی حنیفة عن عبدالله بن ابی نجیح عن عبدالله بن عمر عن النبی صلی الله علیه وسلم.

یہ ثلاثیات اِمام بخاریؒ سے مروی ہیں اور ابنِ ماجہ میں ایسی روایات موجود ہیں، سو اگر آپ دیکھیں گے اور تلاش کریں گے تو حضرت اِمام بخاریؒ کی ثلاثیات تقریباً اکیس ہیں، تفصیل ملاحظہ ہو:-

مکی بن ابراہیم کے واسطے سے ۱۱ ہیں۔

ابوعاصم النبیل کے واسطے سے ۵ ہیں۔

محمد بن عبداللہ انصاری کے واسطے سے ۳ ہیں۔

خلاد بن یحییٰ کے واسطے سے ۱ ہے۔

عصام بن خالد کے واسطے سے ۱ ہے۔ کل ۲۱ ہوئیں۔

ان میں سے اوّل کے دو مشائخ مکی بن ابراہیم اور ابو عاصم النبیل یہ اِمام بخاریؒ کے طبقۂ اُولیٰ کے مشائخ میں ہیں، مگر یہ دونوں مشائخِ حدیث اِمام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔

چنانچہ لکھا ہے کہ مکی ابن ابراہیم بلخی، بلخ کے اِمام ہیں، سنہ ۱۲۰ھ میں کوفہ

آئے اور امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں ملازمت اختیار کی اور آپ سے حدیث و فقہ کا سماع کیا اور بکثرت روایات کیں۔ (مناقب الامام ج:۱ ص:۲۰۳) اور ابو عاصم النبیل جن کی وفات سنہ۲۰۲ھ میں ہوئی ہے ابوداؤد نے کہا ہے کہ ان کی ایک ہزار حدیثیں نوکِ زبان تھیں۔ (تذکرۃ الحفاظ)

یہ امام بخاریؒ کے اُستاذ ہیں اور امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد فی الحدیث ہیں، جیسا کہ علامہ صمیری نے تصریح کی ہے، گویا امام صاحبؒ امام بخاریؒ کے اُستاذ الاستاذ ہوئے، خواہ ایک ہی حدیث میں ہوں یا زائد میں ہوں۔ اور ذرا غور فرمائیں امامِ اعظمؒ کے شاگردوں میں عبداللہ بن زیادؒ ہیں، ان کے شاگرد احمد بن حنبلؒ ہیں، اور ان کے شاگرد ہیں امام بخاریؒ۔ اسی طرح امام صاحبؒ کے ایک شاگرد ہیں ابراہیم بن طہمان اور ان کے شاگرد ہیں بخاری و مسلم و ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابنِ ماجہ۔ امام صاحبؒ کے ایک شاگرد ہیں عبداللہ بن یزید مقری، ان کے شاگرد ہیں امام احمد بن حنبلؒ، امام بخاریؒ۔ ایک شاگرد امام صاحبؒ کے عبداللہ بن مبارکؒ ہیں، ان کے شاگرد یحییٰ بن معینؒ ہیں، ان کے شاگرد امام بخاریؒ، مسلمؒ اور ابوداؤدؒ ہیں۔

امام صاحبؒ کے مشہور شاگرد قاضی ابویوسفؒ ہیں، ان کے شاگرد فی الحدیث امام احمد بن حنبلؒ ہیں، ان کے شاگرد امام بخاریؒ، مسلمؒ، ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، اور نسائیؒ ہیں۔

امام صاحبؒ کے ایک شاگرد ہیں مکی بن ابراہیمؒ، ان کے شاگرد ذہبیؒ اور ابوکریبؒ ہیں، ابوکریب کے شاگرد امام بخاریؒ، مسلمؒ، ابوداؤدؒ، ترمذیؒ اور ابنِ ماجہؒ ہیں۔

امام صاحبؒ کے ایک شاگرد حفص بن غیاثؒ ہیں، ان کے شاگرد اسحاق بن ابراہیمؒ ہیں، ان کے شاگرد بخاریؒ، مسلمؒ، ابوداؤدؒ اور ترمذیؒ ہیں۔

امام صاحبؒ کے ایک شاگرد وکیع بن الجراحؒ ہیں، ان کے شاگرد علی بن المدینیؒ ہیں، ان کے شاگرد امام بخاریؒ ہیں۔

اِمام صاحبؒ کے ایک شاگرد مسعر بن کدامؒ ہیں، ان کے شاگرد سفیان ثوریؒ ہیں، ان کے شاگرد اصحابِ ستہ اِمام بخاریؒ، مسلمؒ، ابوداوٗدؒ، نسائیؒ، ترمذیؒ اور ابنِ ماجہؒ ہیں۔

اِمام صاحب کے ایک شاگرد سفیان بن عیینہؒ ہیں، ان کے شاگرد شافعیؒ، حمیدیؒ اور بخاریؒ ہیں۔

اس سے ظاہر ہوگیا کہ اِمام صاحبؒ صحاحِ ستہ کے ائمہ کے اُستاذ اور شیخ الشیوخ ہیں، نیز جس روز اِمام ابوحنیفہؒ کی وفات ہوئی ہے، اس روز اِمام شافعیؒ پیدا ہوئے، اور اِمام شافعیؒ کی وفات کے وقت اِمام بخاریؒ کی عمر دس سال تھی، اور ابوداوٗدؒ صرف دو سال کے تھے، ابنِ ماجہؒ تو پیدا ابھی نہیں ہوئے تھے۔

مندرجہ ذیل نقشوں کو غور سے پڑھیں اور دیکھیں کہ اِمام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سب میں قریب تر ہیں، چنانچہ اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سنہ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ سنہ۹۵ھ میں پیدا ہوئے، تو اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے عمر میں ۱۵ سال بڑے ہوئے۔

اِمام شافعیؒ سنہ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے تو اِمام صاحبؒ عمر میں ان سے ۷۰ سال بڑے ہوئے۔

اِمام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے تو اِمام صاحبؒ عمر میں ان سے ۸۴ سال بڑے ہوئے۔

اِمام بخاری علیہ الرحمۃ سنہ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے تو اِمام صاحبؒ عمر میں اِمام بخاریؒ سے ۱۱۴ سال بڑے ہوئے۔

اِمام ابوداوٗد رحمۃ اللہ علیہ سنہ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے تو اِمام صاحبؒ عمر میں ان سے ۱۲۲ سال بڑے ہیں۔

اِمام نسائی رحمۃ اللہ علیہ سنہ۲۱۵ھ میں پیدا ہوئے تو اِمام صاحبؒ ان سے

۱۳۵ سال بڑے ہوئے۔

اِمام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ سنہ۲۰۹ میں پیدا ہوئے تو اِمام صاحبؒ ان سے ۱۲۹سال بڑے ہوئے۔

اِمام ابنِ ماجہ رحمۃ اللہ علیہ سنہ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے تو اِمام صاحبؒ ان سے ۱۲۹سال بڑے ہوئے۔

الغرض حضرت اِمامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ تمام ائمہ مجتہدین اور ائمہ محدثین اصحابِ ستہ سب سے عمر میں بڑے ہیں، اور زمانۂ نبوّت سے سب سے زیادہ قریب ہیں، حتیٰ کہ خود صحابہ کرامؓ سے بھی حدیث کا سماع کیا ہے، والصحابة کلهم عدول، اس لئے ان کو اَحادیث کی چھان بین یا تدوین، جرح وتعدیل کی ضرورت نہ ہوئی، وہ قوانینِ اسلام کو مدوّن کرنے اور مسائلِ فقہ کے اجتہاد میں لگ گئے، آخر ان کا یہ مکمل فقہ اسلامی اور اس کا پھیلاؤ جو انہوں نے اُصول مقرّر کر کے مدوّن کیا ہے، یہ شاہد نہیں ہے کہ ان کو قرآن وحدیث پر کتنا عبور تھا، یہ فقہِ حنفیہ ان کے محدث ہونے پر پورا شاہدِ عدل ہے، جو لوگ ان پر طعن وتشنیع کو رَوا رکھتے ہیں ذرا سوچیں ان کے سامنے اپنی استعداد پر نگاہ کر کے ان کے اس احسانِ عظیم کو جو اُمت پر کیا ہے دِل سے ان کا شکریہ ادا کریں، احسان مانیں اور اطمینان سے عمل کریں۔

اور دیکھئے! بعض باتیں فقہِ حنفیہ میں آپ کو غلط معلوم ہوتی ہیں تو اس سے فقہ کا انکار کرنا بالکل بے جا بات ہے کہ یہ سب کا سب ہی گمراہی ہے، کیا احادیث میں موضوعات نہیں ہیں؟ کیا موضوعات اور گھڑی ہوئی حدیثیں اور ان کی کتابیں نہیں ہیں؟ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ صحاحِ ستہ کی معتبر کتاب ابنِ ماجہ میں موضوع روایات موجود ہیں، تو کیا ان موضوعات کی وجہ سے تمام تر احادیث کا انکار کردیا جائے گا، جو موضوع روایات ہیں ان کو قابلِ عمل نہ سمجھ کر رہنے دیا جائے گا، پھر فقہ میں کوئی ایسی بات آگئی ہے تو صرف ان ہی کی تو آپ عمل سے خارج کریں گے، یا

سارا فقہ ہی بے کار اور بے سرا ہو جائے گا۔ فقہ کی عظمت دِل میں رکھیں، وہ تو اَحادیثِ رسول اللہ اور کتاب اللہ کی شرح ہے، جیسے کتاب اللہ کی شرح احادیث ہیں، اسی طرح ان کی شرح فقہ ہے، وہ کوئی الگ چیز نہیں ہے، پھر دیکھیں کیسے کیسے جلیل القدر ائمہ نے اجتہاد کیا ہے، جہاں احادیث میں تعارض نہ ہو، اُصولِ دِین کی بے غبار بات ہے اس میں کسی اِمام کی تقلید نہیں کی جاتی مگر جہاں تعارضات ہیں اور احادیث کی اسناد میں جرح وتعدیل ہے، رُواۃ کی بحث ہے، اسے بغیر علم وفہمِ ثاقب کے کون ہر ایک کو اپنے درجے پر رکھ کر ہر ایک تعارضِ حدیث کا جواب دے کر اور ایک صحیح بات نکال سکتا ہے، آج اس زمانے میں کہاں کسی کو اتنا علم ہے، آج یہ حال ہے کہ ایک حدیث معلوم ہے اور دس سے غافل ہے، "وَاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ" پکار کر کہہ رہی ہے کہ کسی منیب الی اللہ کے پیچھے پیچھے چلو۔

(ماہنامہ "البلاغ" کراچی جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ - فروری ۱۹۸۵ء)

شریعت کیا ہے؟

وہ اللہ اور اس کے رسول کے حکموں پر چلنا ہے، دلیل، اللہ پاک نے فرمایا ہے:-

ثُمَّ جَعَلْنٰکَ عَلٰی شَرِیْعَۃٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ. اِنَّهُمْ لَنْ یُّغْنُوْا عَنْکَ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا، وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ، وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ. هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًی وَّرَحْمَۃٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ.

(الجاثیہ: ۱۸ تا ۲۰)

اس آیت میں شریعت کا ذکر ہے اور اس پر چلنے کا حکم ہے، شریعت اللہ کی ایک نعمت ہے مگر ہم اسے مصیبت سمجھتے ہیں، اس لئے اس نعمت سے بچنے کی فکر کرتے ہیں، اس کے نام سے بھی گھبراتے ہیں، جہاں کسی نے شریعت کا نام لیا اور گھبرائے، نہ معلوم اب کون سی مصیبت نازل ہوگی، حالانکہ وہ تو نعمتِ الٰہی ہے۔ شریعت غذا بھی ہے اور دوا بھی ہے، یہ دونوں طرح سے نعمت ہے، دوا ان لوگوں کے لئے ہے جو چلنے کی سعی کرنے لگے ہیں، اور غذا ان کے لئے جو مجاہدہ کرکے مشاہدہ میں آگئے ہیں، اور مشاہدہ ایک دِل کے نور کا نام ہے جو عبادت کے بعد دِل میں آتا ہے، پھر چہرے پر شاہد ہوتا ہے، گویا اعمال کی ایک برکت ہے جو عمل کرنے کے بعد عمل کرنے والوں کو سکون سا محسوس ہوتا ہے، اسی کی تہجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دُعا کیا کرتے تھے:-

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَّفِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَّفِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَّفِیْ لَحْمِیْ نُوْرًا وَّفِیْ عَظَمِیْ نُوْرًا وَّفِیْ شَعْرِیْ نُوْرًا وَّفِیْ عَصَبِیْ نُوْرًا وَّفِیْ جَسَدِیْ نُوْرًا وَّاَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ مِنْ فَوْقِیْ نُوْرًا وَّمِنْ تَحْتِیْ نُوْرًا وَّعَنْ یَّمِیْنِیْ نُوْرًا وَّعَنْ شِمَالِیْ نُوْرًا اوسعی قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم.

اسی کو مولانا رُوم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے ؎

نور او در یمن و یسر وتحت و فوق
بر سر و جر گرد نم مانند طوق

نور ایک خاص کیفیت کا نام ہے، اور نور کیوں ہے؟ وہ اس لئے کہ نور کی تعریف یہ ہے: "وھو ظاھر لنفسہٖ مظھر لغیرہٖ" یعنی نور خود بھی ظاہر ہے اور دُوسرے کو ظاہر کرنے والا ہے، جیسے روشنی خود بھی ظاہر اور دُوسری اشیاء کو ظاہر کردینے والی ہے، مگر یہ ظاہری چمک دمک کا نام نہیں ہے، گویا یہ ایک کیفیت کا نام ہے جس سے حقائق منکشف ہوتے ہیں اور ظلمت دُور ہوجاتی ہے، قلوب مجلّٰی و مصفّٰی ہوجاتے ہیں، قلب کی کدورت وظلمت دُور ہوجاتی ہے، قلب کی ظلمت یہی شرک، کینہ، حسد، تکبر، بے جا غصہ اور معصیت یہ سب ظلمتیں ہیں، ان کو ختم کرکے دِل میں ایک نشاط آجاتا ہے، یہی نور ہے۔ یوں سمجھ لو کہ ایک تو عمل ہے، ایک اس کی رُوح ہے، نیک عمل کرنے کے بعد قلب میں ایک حلاوت اور راحت محسوس ہوتی ہے اور سکون نصیب ہوتا ہے، یہی عمل کی رُوح ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ رُوحِ عمل کس طرح پیدا ہوتی ہے؟ تو پہلے یہ سمجھ لو کہ چین نام ہے سکون کا اور سکون کہتے ہیں عدمِ حرکت کو اور جب چیز اپنے مرکز میں پہنچ جاتی ہے تو اسے حرکت نہیں ہوتی، کیونکہ اپنے مرکز میں پہنچنے کے لئے ہی حرکت ہوتی تھی، حرکت تو ذریعہ ہے، مثلاً ڈھیلا اُچھالو تو اسے حرکت ہوگی

اور اس کا اصل اور مرکز زمین ہے، جب وہ زمین پر آپڑے گا تو حرکت ختم ہوجائے گی اور اسے سکون ہوگا۔ اگر درمیان میں کوئی چیز حائل بھی ہوگی تو اسے بھی ہٹا کر مرکز کی طرف ہی رُخ کرے گا اور مرکز تک آنے تک بے چین رہے گا۔ اسی طرح تم پتھر اُٹھاؤ گے تو وہ بھاری معلوم ہوگا، یہ دراصل تقاضا ہے اس کا کہ تم مجھے میرے مرکز سے نہ اُٹھاؤ۔ اب سمجھو کہ قلب کا مرکز کیا ہے، اس کے دو درجے ہیں، ایک حسّی، ایک معنوی۔ مرکز محبوب ہوتا ہے اور محبوب مطلوب ہوتا ہے، جیسا کہ پتھر اور ڈھیلے کا مرکز زمین ہے تو یہی اس کا مطلوب ومحبوب ہے، اور قلب کو جس سے محبت ہوگی وہی اس کا مطلوب ومحبوب ہوگا اور وہی اس کا مرکز ہوگا، اور یہ ثابت ہوچکا ہے کہ قلب سے حق تعالیٰ جل شانہ کو محبت ہے، یا یوں کہو کہ قلب کا مرکز صرف ذاتِ حق ہے، لہٰذا اس کے چین وسکون کے لئے اس کو حق تعالیٰ کے ساتھ لگاؤ، خدا سے دِل لگاؤ گے اسے سکون آئے گا، اللہ پاک کا ارشاد ہے: ''وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللهِ، اَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ'' (الرعد:۲۸) پہلے تو آگاہ کیا کہ اطمینان یادِ الٰہی سے ہوتا ہے، مگر حصر نہیں کیا، اس لئے خیال ہوسکتا تھا کہ شاید اور کسی چیز سے بھی اطمینان ہوتا ہوگا، اس لئے پھر حصر کردیا کہ صرف خدا کے ذکر ہی سے چین آسکتا ہے اور کسی چیز سے نہیں، اور دو طرح حصر کیا، ایک تو لفظ ''الا'' لائے جو حصر کے لئے، دُوسرے بلاغت کا قاعدہ ہے ''تقدیم ماحقہ تأخیر'' حصر کا فائدہ دیتی ہے، اور کسی چیز میں سکون نہ پاؤ گے، مولانا رُومؒ فرماتے ہیں ؎

گر بر مزی بر امیدے راحتے
ہم ازاں جا پیش آید آفتے
ہیچ کنجے بے دد و بے دام نیست
بجز خلوت گاہ حق آرام نیست

تو ذاتِ حق مرکزِ قلب ہے، ان سے تعلق ہوگیا تو قلب کو سکون آئے گا، حرکت نہ

ہوگی، اگر دُنیاوی تدابیر کروگے تو مرکز نہ ہونے کی وجہ سے حرکت میں رہے گا اور سکون میسر نہ ہوگا۔

دیکھئے! اگر چھوٹے بڑے کئی دائرے ہوں اور ان کا مرکز ایک ہو، تم حرکت دوگے تو کم وبیش سب دائروں کو حرکت ہوگی، مگر دائروں کا مرکز ساکن ہوگا، سو قلب کا باطن یہی یادِ الٰہی ہے، اس میں لگ جاؤ پھر دُنیا بھر کے ہیر پھیر سب میں اطمینان پاؤگے اور اس کی علامت یہ ہے کہ تم کو دُنیا کی خوشی وغم ایک ہوجائے گا، ہر حال میں ''الحمدللہ'' ہی کہے گا کیونکہ نہ تو غم ہے نہ خوشی مطلوب ہے بلکہ ان کی رضا مقصود ہے، مارے یا کھلائے ؎

فرق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائے

یعنی جب رضائے الٰہی حاصل ہے تو مطلوب موجود ہے، پھر گھبرانے کی کیا بات ہے۔

چیست توحید آنکہ از غیر خدا
فرد آئی در خلا و در ملا

الغرض شریعت نعمت ہے، غذا ہے تو بالذات اور دوا ہے تو بالعرض مگر لوگوں کا حال یہ ہے کہ جہاں کسی نے شریعت کا نام لیا اور گھبرائے کہ اب کھانا پینا بند ہوگا، جیسے ایک چمار کا لڑکا تھا، ہوا نے اُڑا کر اسے راجہ کی چھت پر اُتار دیا، راجہ کی ایک لڑکی تھی، راجہ نے کہا کہ نصیب سے یہ میری لڑکی کے لئے آیا ہے، اس نے حکم دیا کہ اچھا اسے نہلاؤ، کپڑے پہناؤ، مگر وہ لڑکا جو کام کریں رونے لگا کہ جانے یہ کیا بلا ہو رہی ہے، وزیروں نے کہا: اسے جواہرات دِکھلاؤ شاید پسیج جائے، جواہرات دیکھ کر اور بھی رویا، پھر کہا کہ: اچھا لڑکی کو لاؤ، اسے سجا کر لایا گیا تو وہ اور چیخا چلّایا، آخر تنگ آکر اسے بھگا دیا، جب وہ گھر پہنچا تو اپنی ماں سے یہ سرگزشت سنانے لگا، کہنے لگا: میری

میا! وہ وہ تتے تتے پانی سے مجھے مارنا چاہتے تھے، پھر رگڑے دے کر مارنا چاہتے تھے، پھر کفن بھی لائے، پھر انگارے لائے کہ اس کو جلا دیں گے، پھر ایک ڈائن آئی وہ تو مجھے کھا جاتی، چمار کے لڑکے نے راجہ کی خاطر کی یہ گت بنائی، اسی طرح ہم بھی شریعت کو بس مصیبت سمجھتے ہیں حالانکہ وہ تو اوّل سے آخر تک حسین ہے ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگریست
کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا ایں جاست

اس کی جگہ ہم نے دُنیا کو محبوب بنایا ہے، جس کی یہ حالت ہے: ''بس قامت خوش کہ زیر چادر باشد تا چوں باز کنی مادر یادر باشد'' شریعت کا چہرہ دیکھنے کے لئے آنکھ نہ ہوتی ہوگی۔

جب کلمہ پڑھ لیا بس مؤمن ہوگئے اور محبت آگئی، ''قبلت النکاح'' کہنے کے بعد شریعت چپک گئی ہے، بعد اس شریعت کے اِتباع ہی میں چین مضمر ہے، اور صرف اِتباعِ شریعت کرو، احوال کے پیچھے نہ پڑو وہ کچھ بھی نہیں، اللہ اور اس کے رسولؐ کی تابعداری میں لگ جاؤ اور اس سے اللہ کی رضا مقصود جانو، واللہ اعلم بالصواب۔

''ثُمَّ'' حرفِ عطف ہے، اس سے ماقبل یہ نکالیں گے کہ اس سے قبل ہم نے بنی اسرائیل کو ایک کتاب اور شریعت دی تھی اس کے بعد ہم نے آپ کو ایک طریقہ پر کردیا، ''مِنَ الْاَمْرِ'' میں ''مِنْ'' بیانیہ ہے، یعنی وہ شریعت اَمرِ دِین ہے، کام ہے دِین کا، آپ اس پر چلئے۔ آگے فرمایا: ''ھٰذَا بَصَآئِرُ'' بصائر بصیرت کی جمع ہے، جس کے معنی باطنی روشنی کے ہیں، یعنی یہ شریعت باطن کو روشن کرنے والی ہے، ''وھُدًی'' اور سراپا ہدایت ہے کہ جو مقصود تھا پہنچا دیتی ہے، ''وَرَحْمَۃ'' اور یہ رحمت ہے جو مقصود ہے گویا شریعت ان تینوں چیزوں کا مجموعہ ہے اور راہ رو کو ان ہی تین باتوں کی ضرورت ہوتی ہے، ایک مقصود، دُوسرے اس کا راستہ، تیسرے بصر جس سے راستہ نظر آئے، ''ھٰذَا بَصَآئِرُ'' یہ آنکھیں ہیں اور ''ھدی'' یہ راستہ ہے، ''ورحمۃ'' اور رحمت ہے جو

مقصود ہے، اب سوال یہ ہوگا کہ بصائر جمع کیوں لائے اور "ھدی" مفرد کیوں لائے، سو بات یہ ہے کہ چلنے والوں کی آنکھیں ہر ایک کی الگ الگ ہوتی ہیں اس لئے جمع لائے اور راستہ ایک ہی ہے اس لئے اسے مفرد لائے اور وہ رحمت ہے لیکن ہر ایک کے لئے یا بس بلکہ "لِقَوْمٍ یُوْقِنُوْنَ" یعنی یقین رکھنے والوں کے لئے، اور یقین کے دو درجے ہیں، تقلیدی و تحقیقی، تقلیدی یہ ہے کہ بلا دلیل مان لے جیسے بچے کو کہیں کہ یہ الف ہے، با ہے، اس اتباع کی ہم میں کمی ہے، اس میں اپنے نفس کی پیروی نہ ہو، اس میں اپنی مرضی نہ ٹھونسو کہ غیر دِین کو بھی دِین بنانے لگو، مصلحتوں کو چھوڑو، خالص دِین پر عمل کرو، شریعت پر عمل کرنے کے لئے خوب تدبر و تفکر کرو، قرآن کو سمجھو پھر عمل کرو، ہم میں تفکر و تدبر اور تذکر کی کمی ہے، حالانکہ جگہ جگہ حکم ہے: "وَلِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ"، "کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ اِلَیْکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِہٖ وَلِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ"، "اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا"۔

"وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ، وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِہٖ"، "ھٰذَا" کا عامل اشیر ہے جو "ھٰذَا" سے مفہوم ہو رہا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ایک راستہ خدا کا ہے باقی بندوں کے ہیں، سو ایک قابلِ اتباع ہے باقی سب قابلِ ترک، اب معیار کیا ہے جس سے معلوم ہوجائے کہ یہ شریعت یعنی ان کا راستہ ہے یا نہیں؟ سو اس سے ماقبل کی آیت پڑھیں، اسے ملائیں وہ یہ ہے: "قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّکُمْ عَلَیْکُمْ اَلَّا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا" یعنی کہ آؤ تم میں تم کو بتلادوں کہ اللہ نے کیا حرام کیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ معیار اللہ کا بتلانا اس کا حکم ہے، وہی شریعت اور اَمرِ الٰہی ہے، اس طرح جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں یا کریں وہ بھی اَمرِ الٰہی کی طرح ہوگا، پھر "اَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ"، میں "صراط" کو اپنی طرف منسوب کیا، اس سے معلوم ہوا کہ یہی اسلام اللہ کا راستہ ہے، لہٰذا ہم کو اللہ کے راستے پر عمل کرنا چاہئے۔

(ماہنامہ "البلاغ" کراچی شعبان ۱۴۰۵ھ - مئی ۱۹۸۵ء)

افاداتِ عارفی

مطاعنا المکرّم ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات، برمکان ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب مدظلہم العالی، بتاریخ ۲۰رشوال المکرّم ۱۳۸۳ھ۔

فرمایا کہ:- میں نے حضرت مولانا حکیم الأمت علیہ الرحمۃ کو اپنے قبض اور تشویشات تحریر کی تھیں تو ان کے جواب میں تحریر فرمایا ؎

برصراطِ مستقیم اے دِل کسے گمراہ نیست

"اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمُ" ایک دُعا ہے، اس کے بعد "اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ" فرمادیا کہ جولوگ منعم علیہم ہیں ان کی راہ پر چلا، لہٰذا جو ایسا مرشد مل جائے اسی کے پیچھے ہوجائے، یہی صراطِ مستقیم ہے۔

صراطِ مستقیم کی ایک مثال دیا کرتا ہوں کہ ایک جنگل بیابان ہے، درندے، موذی جانور، گڑھے، خاردار درخت، اندھیرا بھی کڑک غرض ایک وحشت ناک منظر تصوّر کرو، لیکن بجلی کوندتی ہے تو ایک سیدھا راستہ نظر آنے لگتا ہے، اس پر ہم آئے تو معلوم ہوا کہ ہم سے آگے آگے کوئی دُوسرا شخص جارہا ہے، اس سے دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ اس شخص نے جواب دیا کہ میں اس راہ کو دیکھے ہوئے ہوں اور اکثر آیا جایا کرتا ہوں، خوب واقف کار ہوں، تو اَب اس کے مل جانے کے بعد دِل کا کیا حال ہوگا، کتنا غنیمت ہوگا اس کا مل جانا، پھر وہ شخص کہتا ہے کہ میرے پاس ٹارچ اور روشنی بھی ہے، ہر چیز کو دیکھ بھال کر کے چلوں گا، یہی حال مرشد کا ہے۔

فرمایا:- محبت، تواضع کے ساتھ بے تکلف ہوجانے کا نام ہے۔

فرمایا کہ:- ایک حالت وہ ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ ایسا ہو، یعنی گوارا مسرّت والی باتیں اور حالات، اور ایک وہ حالت ہے کہ ہم نہیں چاہتے لیکن حق تعالیٰ چاہتے ہیں کہ اس کو اس طرح رکھا جائے، گویا ایک حالت کو ہم چاہتے ہیں کہ ہٹ جائے اور حق تعالیٰ چاہتے ہیں کہ وہ حالت رہے، تو اَب تم ہی بتاؤ اچھی حالت کون سی ہوگی، جسے ہم چاہیں یا جسے خدا چاہے وہ حالت بہتر ہوگی؟ اسی لئے قبض میں وہ مقامات طے ہوجاتے ہیں کہ بعد میں اور اعمال کرنے سے بھی طے نہیں ہوتے۔

فرمایا:- حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ وعظ میں کبھی فرماتے کہ: یہ بات مجھے اب تک معلوم نہیں تھی، ابھی ابھی اِلقاء ہوئی ہے، پھر فرماتے ہیں: یہ تحدیث بالنعمۃ کی وجہ سے کہتا ہوں، اس کے بعد وعظ سے ٹھہر کر اِستغفار فرماتے کہ یہ مقام نازک ہے، میں تحدیث بالنعمۃ سمجھ رہا ہوں اور ہوسکتا ہے عجب ہوگیا ہو، اپنے نفس کی بہت دیکھ بھال رکھتے تھے۔ کبھی فرماتے یہ سب حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا صدقہ ہے۔

فرمایا کہ:- حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے تھے کہ ''بیان القرآن'' کی قدر اس کو ہوگی جو عربی کی تفسیریں دیکھے، اس کے بعد اس کا مطالعہ کرے، میں نے بڑے بڑے اختلافی مسائل کو دو لفظ بڑھا کر حل کردیا ہے۔

فرمایا کہ:- ''بوادر النوادر'' یہ حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ کی آخری تصنیف ہے، خود حضرتِ والاؒ نے چیدہ چیدہ مضامین اس میں لکھوائے ہیں۔

فرمایا:- ایک مرتبہ حضرت منصور حلاجؒ کے متعلق کوئی کتاب تحریر فرمائی تھی تو سرورق پر کوئی شعر لکھنے کے لئے تلاش تھی، خدام نے سوچ کر ایک شعر پیش کیا کہ یہ شعر بہت اچھا ہے جس کا پہلا مصرعہ مجھے یاد ہے ؎

ناحق منصور کہ سرِ دار کرتے ہیں

دُوسرے مصرعہ کا مطلب یہ تھا کہ اصل ساز تو وہی ہیں، اس شعر کو سن کر حضرتِ والاؒ نے فرمایا کہ یہ شعر اچھا نہیں ہے، غلط شعر ہے، سب حیران، فرمایا: اس

میں شریعت کی توہین ہوتی ہے، ایک مسئلہ بھی شرع کا ناحق نہیں ہے، شریعت کوئی کام ناحق کرنے کا حکم نہیں دیتی ہے۔

حضرتِ والاؒ شریعت کو تصوّف پر مقدّم فرماتے تھے، ایک شخص نے ایک عریضہ لکھا، اس میں کچھ اپنے حالاتِ باطنی لکھے اور کچھ مسائل دریافت کئے، تو جواب تحریر فرمایا کہ ایک ہی خط میں مسائلِ شرعیہ اور اصلاحِ باطنی کی باتیں جمع نہیں کرنی چاہئیں، یعنی تحریر میں پہلے ''مسائلِ شرعیہ'' لکھا، اتنا اہتمام تھا۔

اسی طرح کتابیں رکھنے میں فرق فرماتے تھے، پہلے عربی، پھر فارسی، پھر اُردو کی رکھا کرتے تھے، اندر جب کسی سے قرآن شریف رکھنے کو فرماتے تو ضرور یہ فرمادیا کرتے کہ دیکھنا وہ کھونٹی پر کپڑوں کی گٹھری لٹک رہی ہوگی قرآن شریف کو رکھنے سے پہلے اس کو نیچے اُتار کر رکھ دینا، پھر تپائی پر قرآن شریف رکھنا۔

حضرتِ والاؒ اپنے معمولات کے بہت پابند تھے، اسی لئے تو دس دس پارے روزانہ پڑھتے تھے، اتنا اہتمام تھا کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ الہندؒ تھانہ بھون تشریف لائے تو جس وقت ''بیان القرآن'' لکھنے کا معمول تھا، عرض کیا کہ دس منٹ کی اجازت ہو تو میں چلا جاؤں، انہوں نے فرمایا: ہاں، آکر ''بیان القرآن'' کوئی پانچ منٹ لکھ کر پھر چلے گئے، ناغہ ہونے میں برکت جاتی رہتی ہے چاہے پانچ ہی منٹ کیا مگر اس کو لکھا ضرور ہے۔

فرمایا:- کبھی کبھی آپ آنکھ بند کر کے لیٹ جاتے تھے، خدام سمجھتے شاید تھک گئے ہیں یا غنودگی ہے، لیکن حقیقت میں آپ اس وقت بھی سوچا کرتے تھے، جب کوئی بات یاد آتی فوراً فرماتے کہ اس آیت کے متعلق یہ بات ذہن میں آئی ہے، وہ لکھ لیں۔

فرمایا:- مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ بھی اپنے معمولات کے بڑے پابند تھے، اگر کسی وجہ سے ناغہ ہوجاتا تو سوتے وقت جب تک ان کو پورا نہ فرمالیتے تھے سوتے نہیں تھے۔

فرمایا:- جب خلوص کے ساتھ کوئی جذبہ پیدا ہوتو اس کو اوّل وقت ہی میں پورا کرلینا چاہئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ براہِ راست وہ جذبہ پیدا فرماتے ہیں اور وہی دِل میں ڈال دیتے ہیں، ایسا ارادہ دفعۃً وارِد ہوتا ہے، اگر اس کو نہ کیا تو وہ جاتا رہے گا، جذبۂ خلوص کی قدر کرنی چاہئے، وارِد کی پہچان یہ ہے کہ وہ مکرّر ہوتا ہے، بار بار دِل تقاضا کرتا ہے کہ نیک کام میں دیر نہ کرے اور جس کے ساتھ کوئی سلوک کرنا ہوتو اس سے عوض اور بدلے کا بالکل خواہاں نہ ہو، نہ اُمید رکھے، نہ چاہے بلکہ یہ خیال کرے کہ جس نے یہ تقاضائے محبت پیدا کیا ہے عوض اس سے ہی لیں گے، دِینی محبت کا صلہ یہی ہے، "اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ"۔

فرمایا:- متقی وہ شخص ہے جو نیکی کرکے اللہ تعالیٰ ہی سے عوض کا طالب ہو، مخلوق سے بدلہ طلب نہ کرے، نیکی کا تعلق مخلوق سے ہے ہی نہیں اور نہ کوئی مخلوق اس کا عوض دے سکتی ہے، مخلوق سے توقع خام توقع ہے، تم نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کیا ہے اور احسان جتلانا تو بہت ہی بُری بات ہے، جذبۂ محبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اس کا شکر کرے اور مخلوقات سے اَجر کو اُٹھا کر رکھ دے۔

خدمت کرکے انسان کو خوشی ہوتی ہے، عوض چاہنے سے یا ارادہ کرنے سے اس کی مسرّت ختم ہوجاتی ہے، بزرگوں کی محبت میں یہی خالق ومخلوق کا پردہ اُٹھ جاتا ہے، اس لئے اس سے محبت کرنے میں مزہ آتا ہے، یہ مذاق رکھے: "اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" اور مخلوق تو کبھی راضی نہ ہوگی، راضی اس کو کرے جو علیم وخبیر ہے۔

فرمایا:- دِین کے پانچ اجزاء ہیں، اعتقادات، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اصل میں دو جزء ہیں، معاملات و معاشرت، مخلوق سے معاملہ دُرست ہونا چاہئے۔ دیکھئے! عقائد کا مصرف بھی مخلوق ہے، احسان کا درجہ جیسا عبادت میں ہے اسی طرح معاملات میں معاشرات میں بھی

ہے، جتنی عقائد کی دُرستگی ہوگی اتنی ہی عبادات، معاملات، معاشرات دُرست ہوں گے، اخلاق کا تعلق بھی مخلوق سے ہے، اخلاق مخلوق کے ساتھ ہی ظاہر ہوتے ہیں، اگر معاملات، معاشرات صحیح ہوں تو عقائد و اخلاق سب دُرست ہوجاتے ہیں، اور سب کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے آپ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، حدیث شریف میں ہے: **"المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده"** (مشکوٰۃ) کامل مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ و زبان سے دُوسرے مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے۔

فرمایا:- جنت میں رہنا لامتناہی ہے کیونکہ جنت کے دخول کا سبب ایمان ہے اور صفتِ ایمان لامتناہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات بھی لامتناہی ہیں، اور لامتناہی صفات پر ایمان لانا بھی لامتناہی ہے اور لامتناہی ایام تک ایمان رکھنے کا ارادہ ہے، اسی لئے جنت کا دخول بھی لامتناہی ہوگا، باقی اعمال تو فانی ہیں، اسی لئے اعمال پر دخولِ جنت موقوف نہیں ہے، ایمان کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے اور اعمال کا تعلق ہمارے ساتھ ہے، باقی رہے معاصی وہ تو ایک ہی اِستغفار میں ختم ہوجاتے ہیں، ایک مرتبہ آدمی تسلی سے بیٹھ جائے اور بالغ ہونے کے بعد سے جو جو گناہ کئے ہیں جو یاد آجائے سب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرتا جائے، پھر یہ کہے کہ جو مجھ کو یاد ہے اور جو مجھ کو یاد نہیں ہے، سب آپ معاف فرمادیجئے، اور اتنی مرتبہ اِستغفار کرے کہ تھک جائے، بس یہ یقین کرے کہ اب میں عاجز ہوگیا ہوں ربِّ قدوس نے بخش دیا ہے، اس کے بعد ان معاصیٔ ماضیہ کو کبھی یاد نہ کرے، شیطان صفتِ خداوندی سے ہٹا کر معاصی کے خیال در خیال کی گردان میں لگا دیتا ہے بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ رازق، رحیم، کریم ہونے کی طرف دھیان کرے، گناہوں کے خیال میں منہمک کردیتا ہے، دُعا میں دھیان اللہ تعالیٰ کی طرف ہونا چاہئے اور ہوجاتا ہے غیراللہ یعنی معاصی کی طرف، صرف اِجمالی طور سے اِستغفار کرکے اُمید رکھے اور پوری اُمید رکھے کہ اس نے بخش دیا ہے، اس کی نعمتوں کا شکر کرتا رہے، شکر و اِستغفار

دونوں متناہی ہیں اعمال و عبادات کی کوتاہی اور اس کے شکر میں کوتاہی اور پوری ادا نہ کرنے پر استغفار کرتا رہے۔

فرمایا:- دو چیزیں بڑی ضروری ہیں، کثرتِ ذکر وصحبتِ اہل اللہ، "کُونُوا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ" جن میں صفتِ صدق پیدا ہوگئی ہے ان کے ساتھ ہوجاؤ، صدق اِخلاص سے اُوپر ہے، معلوم ہوا کہ خلوص بھی کافی نہیں بلکہ صدق ہی ہونا چاہئے، بدعتی مخلص ہوتا ہے مگر اس میں صدق نہیں ہوتا، دُرود شریف کا لحاظ رکھنا بھی صدق ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: میری تعلیم کی تم نے قدر نہ کی، حالانکہ انہوں نے سب کرکے دِکھلا دیا، حضرتؒ کی تربیت وتعلیم اِلہامی ہے، تم اس کو چھوڑ کر کہاں جاتے ہو؟

۸۲ سال تک مسلسل دِین کی خدمت کی ہے، تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ان کو کیا معلوم تھا کہ ان کو کتنا کام کرنا ہے، ان کی طرح ملفوظات کسی کے لکھے گئے ہیں، طبیعت میں اتنی پختگی تھی کہ جو رنگ اوّل میں تھا وہی اخیر تک رہا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بہت احساس تھا کہ دِین کسی طرح لوگوں کے سینے میں ڈال دُوں، لیکن لوگوں نے ان کی قدر نہ کی۔

حضرت سیّد سلیمان ندویؒ ایک مرتبہ رات کو آئے، حضرتؒ کو معلوم ہوگیا تو رات ہی کو بلایا اور فرمایا کہ: میری تصنیفات میں سے اقتباسات شائع کرنا، صبح ملاقات ہوئی تو پھر یہی ارشاد فرمایا، اس مذاق کو لوگوں نے سمجھا نہیں، حضرت مفتی صاحبؒ نے یہی معمول کرلیا تھا کہ ملفوظات پڑھا کرتے اور سنا کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ نے کانپور میں وعظ فرمایا کہ میں تو حضرتؒ کی سنی سنائی بات عرض کروں گا۔ علماء کی بدمذاقی دیکھئے کہ حضرتؒ سے تعلق ہوتے ہوئے دُوسری دُعائیں اور مضامین شائع کر رہے ہیں، مگر مفتی صاحبؒ نے اپنا یہی رنگ قائم کیا تھا، ان کو مذاقِ تامّہ حاصل تھا، اصلاح کے آسان نسخے سے شروع کیا لیکن مشاغل کی کثرت کی وجہ سے اس کو پورا نہ کرسکے، آپ حضرات اپنی طرف سے کوئی الفاظ نہ بڑھائیں ان

ہی کے الفاظ تک محدود رکھیں، اپنے ملفوظات و تصنیفات خود حضرتؒ بھی سنتے تھے، ''تربیت السالک'' پڑھا کریں، بڑے کام کی کتاب ہے، لیکن عوام نہ پڑھیں، دُعا کریں اللہ تعالیٰ ہم کو بھی توفیق بخشیں۔

فرمایا:- صاحبِ حال کو جو شیخ جواب دیتا ہے وہ من جانب اللہ ہوتا ہے۔

فرمایا کہ:- سلسلے کے بزرگوں کے شجرے میں نام لینے اور ان کو اِیصالِ ثواب کرنے سے رُوحانی فیض ہوتا ہے اور یہ بیعت کا سلسلہ بھی دست بدست اُوپر تک پہنچتا ہے، حتیٰ کہ ارشادِ خداوندی ہے:''اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ، یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ'' جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ حق تعالیٰ ہی سے بیعت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

بیعت ایک معاہدہ ہوتا ہے کہ میں اس پر قائم رہوں گا اور اس سلسلے کے مسلک پر چلوں گا، بیعت کے بعد پھر اسی مسلک پر چلنا چاہئے دُوسرے مسلک پر نہ چلنا چاہئے، اگرچہ سب حق ہیں مگر جس پر چلنے کا وعدہ کیا ہے اس پر بیعت کی ہے اس کو کبھی نہ چھوڑنا ہے۔ اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک تو اتنا مضبوط ہے اور مستند ہے کہ اس کو چھوڑ کر کہاں جائیں، اگر کوئی جائے تو جائے، اس خود بینی کا ہم کیا کریں، ایک مسلک کو اختیار کرکے اپنی رائے سے چلنا یہ کوئی چیز نہیں، بے ڈھنگا پن ہے۔ ہمارے حضرت مفتی صاحبؒ فرمایا کرتے: ''ہمارے حضرتؒ کیا عجیب تھے'' اگر اب بھی حضرتؒ کو سمجھنا ہے تو ان کی تعلیم و تربیت سے ان کو سمجھیں، جب ان کی تعلیم و تربیت میں یہ کیفیت ہے تو اندازہ کرو کہ ان کی مجلس و وعظ میں کیا اثر ہوگا۔

ایک شخص نے خط لکھا کہ میں نے آپ کی کتابیں پڑھی ہیں، مجھ پر بہت اثر ہوا، اس لئے میں بیعت ہونا چاہتا ہوں، جواب لکھا: یہاں سامنے آجاؤ، ہم آپ کو دیکھیں، آپ ہم کو دیکھیں، مناسبت کے بعد ہی بیعت ہوسکتی ہے۔

فرمایا:- اگر سامنے جاکر دیکھو تو بالکل حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا

نمونہ تھے، اور جو کتابوں میں لکھ دیا ہے وہ عمل کر کے دِکھایا ہے۔

فرمایا:- ہر دُعا میں یہ دُعا بھی کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے اِستقامت فی الدِّین واہتمامِ دِین اور مقبول عمل کی توفیق مل جائے۔

فرمایا:- ایک شخص نے بیعت کی درخواست کی، حضرتؒ نے فرمایا کہ: ابھی خط وکتابت کرتے رہو، کچھ دِن کے بعد ان صاحب کا دیہات میں جانا ہوا تو وہاں سے خط لکھا کہ حضرت! یہاں باغ و بہار اور سرسبزہ بہت ہے، اس پر جواب دیا کہ: آپ کو مجھ سے مناسبت نہیں ہے، اس لئے بیعت نہیں کروں گا۔

فرمایا:- شیخ کا مذاق دیر سے معلوم ہوتا ہے اور دیر سے سمجھ میں آتا ہے، لیکن شیخ کے رنگ میں رنگ جانا چاہئے۔

فرمایا:- ہمارے حضرتؒ کا مذاق یہ تھا کہ ہمہ وقت اپنے نفس کا جائزہ اور محاسبہ فرماتے رہتے تھے، کبھی عمر بھر اس سے غافل نہیں رہے کہ کہیں میرا کردار، میری گفتار سنت کے رنگ سے جدا تو نہیں ہے، تحدیث بالنعمۃ کے طور پر کسی اِنعامِ الٰہی کا ذکر فرما رہے ہیں کہ خدا کا یہ فضل حاصل ہے، اور ذرا سی کھٹک ہوتی فوراً اِستغفار کرتے۔

فرمایا: ایک شخص حضرتِ والاؒ کے وعظ میں شامل ہوا تو وعظ سننے کے بعد فرمایا کہ: ایسا واعظ ہم نے کبھی نہیں دیکھا جس کے ہر ہر لفظ میں اثر ہو۔

ایک مرتبہ حضرتِ والاؒ نے اثنائے وعظ میں فرمایا کہ: میرا لہجہ کبھی وعظ میں تیز ہوجاتا ہے، سو یہ میری مزاج کی حدّت کی وجہ ہے، ورنہ میں بقسم کہتا ہوں کہ جو کچھ میں کہتا ہوں وہ سب نفس ہی کو کہتا ہوں، اپنے ہی نفس کو خطاب کرتا ہوں، اپنے نفس کا علاج کرتا ہوں، لہٰذا سامعین بطیبِ خاطر رہیں میں آپ کو مخاطب نہیں کرتا، اسی لئے مخاطبین کم یا زیادہ آئیں یا نہ آئیں مجھے اس سے کوئی واسطہ نہیں کیونکہ میں اپنے آپ ہی کو مخاطب بنا کر کہتا ہوں۔

فرمایا:- تھانہ بھون میں حضرتؒ نے کسی کو دیکھا کہ لوکی پکا کر کھا رہا ہے، اس سے پہلے دھیان نہ تھا، بس دیکھتے ہی سنت کا خیال آ گیا اور ملازم سے کہا کہ آج کے بعد سے جب تک بازار میں لوکی رہے ضرور لے آیا کرو، یہ تھا سنت کا جذبہ۔

ایک مرتبہ عہد کیا کہ میں نفس کا ایک ایک لمحے کا جائزہ لیا کروں گا کہ کتنی باتیں کب کب کی ہیں اور پھر تین دن اسی میں لگے رہے، یہ سب کچھ ہمارے لئے بھی کیا کہ ہم کو ایسا کرنا چاہئے۔

لہٰذا خوب معلوم کرو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح چلتے تھے، بیٹھتے تھے، سوتے تھے، شمائلِ ترمذی کا اُردو ترجمہ چھپ گیا ہے، وہ منگالو اور پڑھو، تمام سنتیں معلوم ہوں گی، پھر اسی طرح ان پر عمل کرو، نشر الطیب میں ایک باب ہے اس کو دیکھو، اس میں دُرود شریف کے صفحے لکھے ہیں وہ بھی پڑھو، آخر یہ سب باتیں کب کرو گے؟ یہ تو کرنے ہی کی ہیں تین دن تک خوب مطالعہ کرو پھر اپنا معمول بنالو۔

پھر تین دن کے بعد ''حیاۃ المسلمین'' کی رُوحِ نہم پڑھو، بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ ہر جمعہ کو اس کو ایک مرتبہ پڑھ لیا کرو۔

فرمایا:- شیخ ایسا ہونا چاہئے جو متبع شریعت و سنت ہو، جس کے پاس بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی یاد تازہ ہو، دُنیا سے نفرت ہو جائے، ایسا اگر شیخ مل جائے تو غنیمت جانو، اگر ایسا شیخ نہ ملے تو میری ''تعلیم و تربیت'' کو غور سے پڑھا کرو، یہ بھی کافی ہے۔

فرمایا:- اپنا جائزہ لیتے رہا کرو، ہماری عبادت کیسی ہے، ہمارا معاملہ کیسا ہے، ہمارا اخلاق کیسا ہے۔ فرمایا: اخلاق کا جائزہ لینا ہو تو کراچی کی بس میں سوار ہو جاؤ سب معلوم ہو جائے گا۔

فرمایا:- اپنی تمام زندگی اِتباعِ سنت میں ڈھالو، اپنا اخلاق معلوم کرنا ہو تو اپنی بیوی اور پڑوسی سے پوچھو، دوست کیا جانے اخلاق کو۔

فرمایا:- دُوسرے سے خدمت لینا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ناگوار تھا، فرماتے

کہ میں خادم ہوں، مخدوم نہیں ہوں، ملازم کو حقیر مت سمجھو، وہ تمہارے معاوضے میں کام کرتا ہے، تنخواہ دینا تمہارا احسان نہیں ہے، وہ اپنے کام کے پیسے لیتا ہے۔

فرمایا:- چند باتیں تصوّف کی مل گئی ہیں اور درویش بن گئے، اس طرح درویش نہیں بنتے، اگر ہلدی کی گانٹھ مل گئی تو بنئے ہی بن بیٹھے۔

فراغ دِل زمانے

ایک مرتبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کہیں تشریف لے جارہے تھے، کوئی بات ذہن میں آئی فوراً اس کو نوٹ کرلیا، اور فرمایا کہ: دِل کا بوجھ کاغذ پر ڈال لیا ہے، دِل کو فارغ رکھنا بھی بڑا ضروری ہے ورنہ اعمال میں یکسوئی نہیں ہوتی، تب بھی کام اطمینان سے نہیں ہوتا، یہ فراغِ قلب ہی کی بات تھی کہ دن بھر چلتے پھرتے دس پارے روزانہ پڑھ لیا کرتے تھے، لہٰذا ہم میں تواضع وغریب پروری، حقوق کی ادائیگی، اگر یہ نہ کریں گے تو کاہے کی مناسبت ہے۔ حضرتِ والاؒ کی تواضع کا یہ حال تھا کہ کوئی بات ہوتی فوراً اپنے شیخ کی طرف منسوب فرمادیتے، بات اپنی ہوتی اور منسوب کردیتے بڑے میاں کی طرف، اور حال یہ کہ جس کسی کو جس کام میں لگادیا وہ اس میں کامیاب ہوگیا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہر طالب کی حیثیت کے مطابق کام لیتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک ننّے میاں تھے، انہوں نے خط لکھا کہ مجھ سے تعلیم و تربیت و معمولات پورے نہیں ہوتے کیا کروں؟ جواب لکھا کہ: کس جھگڑے میں پڑے، تم کو مجھ سے محبت ہے، مجھ کو تم سے محبت ہے، یہی کافی ہے، شکستگی ہی کافی ہے کہ میں عاجز ہوں، کرتا ہوں مگر معمول پورا نہیں ہوتا۔

فرمایا:- اَمر بالمعروف کا مطلب یہ ہے کہ خیرخواہی کے ساتھ کسی کو بات کہنا، ورنہ اگر خیرخواہی نہ ہو تو کبر ہے، اور بعض مرتبہ ''اللہ، اللہ'' کرنے سے ہوجاتا ہے، لہٰذا ایک شخص کو حضرتِ والاؒ نے یہی لکھا: تم اپنا ذکر بند کرو، مسجد میں جھاڑو دو، صفیں بچھادو، نمازیوں کی جوتیاں سیدھی کرو۔

فرمایا:- جتنی عبادات پر نظر کریں گے اتنی ہی خامی پیدا ہوگی۔ معصیت کی تاویل کرنا بھی معصیت ہے۔ جس نے اپنے آپ کو لغویت سے بچالیا اس نے بڑا کام کیا۔ غفلت صرف وہی بُری ہے جو معصیت کی محرک ہے، اور لغویت اس کام کو کہتے ہیں جس سے نہ دُنیا کا نفع ہو نہ دِین کا نفع ہو۔

فرمایا:- ہر عمل کی ایک خاصیت ہوتی ہے، اور جب وہ خاصیت آدمی میں رُونما ہوتی ہے تو عجب و ناز پیدا ہوتا ہے، اس لئے اجازت لی جاتی ہے تاکہ ناز نہ ہو کہ یوں سمجھے گا کہ فلاں شخص کی اجازت سے یہ کام کیا تھا، یہ ان کی برکت ہے، ان کی دُعا کا اثر ہے، میں تو ان کا ایک خادم ہوں۔

فرمایا:- یاس اور ناز دونوں سببِ ہلاکت ہیں، ان دونوں سے حفاظت شیخ کا ہونا ہے۔ خاتمہ بالخیر بڑی نعمت ہے، اس کے لئے بھی شیخ کا ہونا بڑا ضرورت کا کام ہے، اس لئے کہ خاتمہ کے وقت جو جو وساوس شیطان ڈالے گا وہ سب وساوس و خطرات کا علاج شیخ سے کراچکا ہے، اگر ہزار شیطان کہے گا تو خود شیخ کی بات یاد آجائے گی۔ ساری شریعت کا خلاصہ حقوق و حدود ہیں، آدمی یہ جان لے کہ شرعی حدود اور حقوق کیا کیا ہیں۔

فرمایا:- ہم لوگ بھی نوافل پرست ہیں، نوافل ادا کرنے سے بزرگی ذہن میں بستی ہے، فرائض میں تقدس کا پتہ بھی نہیں ہوتا۔

فرمایا:- ایک لمحے کے لئے بھی کسی سے دِین کا تخاطب ہوجائے تو غنیمت ہے، سارے زمانے کے ہم مکلّف نہیں، کائناتِ عالم کا کہاں حق ادا ہوسکتا ہے، اس کے لئے صرف اِستغفار ہے، ہر کوتاہی کا علاج اِستغفار ہے۔

فرمایا:- عبدیت کا اظہار شکرِ نعمت سے ہوتا ہے اور شکرِ نعمت واجب ہے، اور ناگوار حالت میں صبر واجب ہے، یہ دونوں مقامِ قرب ہیں۔

مقام کی تعریف فرمائی کہ کسی عمل کی عادت ہوجانے کا نام ہے، مثلاً شکر کا

اہتمام کیا، کرتے کرتے عادت ہوگئی تو مقامِ شکر حاصل ہوگا۔

فرمایا:- دُعا کرنے کا حکم ہے اس لئے دُعا کرتے ہیں، آپ نے انجام پر کیوں نگاہ کی تھی کہ آئندہ یہ کام بھی ہوجائے، آپ نے تعمیل کرلی، دُعا مانگ لی اور اس سے ان کی رضا وابستہ ہوگئی، اللہ تعالیٰ کا کہنا مان لیا وہ راضی ہوگئے، پس اب دُعا کرنے پر شکر کرو اور اسی تعمیل کرلینے سے وہ راضی ہوتے ہیں، دُعا کرنے میں خدا کی رضا مل گئی اور کیا چاہتے ہو، یہ کیا کم ہے کہ اس کی رضا مل گئی، یہی زندگی کا حاصل ہے، اور اگر جو دُعا کی تھی وہ نہ ملی تو صبر کرو، یہ سمجھو کہ وہ نہ دینے پر راضی ہے، اگر دینے پر راضی ہوتے دے دیتے، وہ نہ دینے میں راضی ہیں تو صبر کرو اس طرح بھی اس کو رضا مل گئی تو صبر و شکر دونوں سے اس کی رضا حاصل ہوتی ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے، تو نہ ملنے پر بھی قرب دے دیتے ہیں، تو اگر کوئی ہزار عمدہ چیز مانگی ہو مگر قربِ خداوندی سے تو بہتر نہیں ہوسکتی، تو انجام کو کیوں دیکھتے ہو، قرب مل رہا ہے، یہ دونوں طرح حاصل ہوجاتا ہے۔

فرمایا:- غفلت اس کو کہتے ہیں کہ آدمی اپنے خالق کو بھول جائے اور اپنی ہلاکت کے عمل کرے۔

فرمایا:- صبر و شکر، اِستغفار سب سے زیادہ قرب کا ذریعہ ہے۔

فرمایا:- توبہ و اِستغفار کرلینے کے بعد کبھی بھی نااُمید نہ ہونا، ہرگز نہیں، جب وہ خود حکم دے دیتے ہیں کہ توبہ کرو، اِستغفار کرو تو ضرور معاف فرمائیں گے۔

فرمایا کہ:- ایک مرتبہ توبہ اِستغفار کرلینے کے بعد پھر انہی گناہوں کا استحضار کرنا اور بار بار یاد کرنا خود بینی ہے، ایک مرتبہ خوب جی بھر کر توبہ کرلو، اتنا کرو، اتنا کرو کہ ٹھیک ہوجاؤ اور یہ کہو کہ ہم تو اب تھک گئے، عاجز ہیں، بس عاجزی آگئی قوی اُمید کرو کہ اللہ تعالیٰ نے معاف کردیا ہے، اس کے بعد پھر انہی گناہوں کو یاد کرنا بڑی ناقدری ہے۔ اِستغفار کرنے کے لئے اس نے توفیق دی، زبان دی، دِل میں ڈالا،

کہلوایا بھی انہوں نے، تو معاف کردیا، کیوں نہ فرماویں گے، پھر یہ سمجھنا کہ معاف نہیں کیا، یہ نعمتِ اِستغفار کی ناقدری ہے، ناشکری ہے، آپ نے گویا اس کوغفور الرحیم نہ سمجھا۔

حضرت نجم احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ تو ایسا ہے کہ ہم کسی حاکم کو درخواست دیں اور اس میں یہ لکھیں کہ مجھ کو فلاں ضرورت ہے، لیکن آپ سے اُمید نہیں کہ یہ کام آپ کر بھی دیں گے یا نہ، یہ کوئی درخواست ہے، اسی طرح یہ بھی ہے کہ اُمید تو ہے نہیں کہ آپ معاف کردیں گے لیکن خیر معافی مانگ لیتے ہیں۔ یہ بھی کوئی اِستغفار ہے، اجی یوں سمجھو کہ وہ ضرور معاف کردیں گے، ضرور معاف کردیں گے، اور اگر وہی گناہ معاف نہ کریں گے تو اور کاہے کو معاف کریں گے، آپ ہی بتایئے وہ غفور الرحیم کاہے کے ہیں، انہوں نے گناہ کو کسی کے لئے تو پیدا کیا ہے، وہ ہمارے لئے ہی پیدا کیا ہے، لہٰذا گناہ ہم سے ہوگا، گناہ بھی تو اس کی مخلوق ہے، وہ بے چارا کہاں جائے گا، اس کا بھی تو وہی خالق ہے، لہٰذا ہم سے گناہ بھی ہوگا اور وہ بخش دیں گے بھی ضرور، اجی جب ہمارے ابا نے کبھی نہیں مارا تو وہ کیوں ماریں گے۔

فرمایا:- گناہ تو محدود ہیں اور رحمتِ خداوندی غیر محدود ہے، تو محدود کا تو اتنا خیال کیا اور لامحدود رحمت پر نظر نہ کی، "رحمتی وسعت کل شیء"۔

لہٰذا ماضی کے گناہوں کو جو لامحالہ محدود ہیں ان کے لئے ایک اِستغفار کافی ہے، مستقبل میں کوئی گناہ نہیں، وہاں صرف رحمتِ خداوندی اس کے احسانات ہی احسانات ہیں، ان پر نظر کرو اور مستقبل بھی لامحدود ہے، دُخولِ جنت بھی مستقبل میں ہے، لہٰذا مستقبل کو سوچو اور شکر کرتے رہو، جو گناہ صادر ہوجائے اِستغفار کیا، وہ ماضی ہوا، ہر وقت گناہ ہو تو ہر وقت اِستغفار ہو اور ماضی میں داخل کرے، مستقبل میں رحمتِ خداوندی کے معنٰی کا استحضار رکھو، دِل میں اس کے احسانات اور دُعا و شکر کرتے رہو، وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ محمد والٰہٖ واصحابہٖ وبارک وسلَّم۔

(ماہنامہ "البلاغ" کراچی عارفی نمبر ص:۵۰۵ تا ۵۱۶ صفر تا ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ)

شذرات

میاں! تم اتنی دیر سے کیا سوچ رہے ہو؟ بھائی جان! میں یہ سوچ رہا ہوں کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں، اور ان کی بیٹی حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا ہیں، اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے ہوا ہے، اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہم سب مسلمانوں کی مائیں ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ'' اور ماں کا بھائی ماموں ہوا کرتا ہے، تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سب مسلمانوں کے یعنی جو بھی اپنے آپ کو مسلمان کہے ان کے ماموں ہوئے، ہاں! جو مسلمان نہیں ان کے ماموں نہیں ہوں گے، یا جو مسلمان ان کو اپنا ماموں نہ مانے تو آپ ہی سمجھیں ورنہ تو ہمارے اور جملہ سادات کے وہ ماموں ہیں۔

اور ایک بات یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں، اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں، اور یہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں، تو یہ حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سوتیلی والدہ ہیں، اور حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہما کی نانی ہیں، گویا یہ دونوں تمام سادات کی نانی ہوئیں، اور حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما سارے سیّدوں کے نانا ہیں، اور ہمارے اور سب مسلمانوں کے بھی نانا ہیں، اب جو آدمی اپنے نانا اور نانی کو کچھ کہے تو اس کی اصل میں کچھ مانو گے یا نہیں؟

اور یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ اُمِّ کلثوم جو حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کی دختر نیک اختر ہیں، ان کا نکاح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ہوا ہے تو اس حیثیت سے حضرت عمرؓ حضرت علیؓ کے داماد ہوئے، پھر حضرت فاطمہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کے بھی داماد ہوئے، اور حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہما کے بہنوئی ہوئے، مگر جو شخص آلِ رسول کے داماد اور بہنوئی کو بُرا کہہ دے تو یہ سوچ رہا ہوں کہ وہ محبِّ آلِ رسول کیسے ہوا؟

اور یہ غور کر رہا ہوں کہ حضرت رُقیہ اور حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہما دونوں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں ہیں، ان دونوں کا یکے بعد دیگرے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا ہے، اسی لئے ان کو ''ذُوالنورین'' کہتے ہیں، تو حضرت علی کرّم اللہ وجہہ تو اکہرے دامادِ رسول ہیں اور حضرت عثمانؓ دوہرے داماد ہیں، تو فضیلت ڈبل کس کی ہوئی اور کون پہلے ہوا؟ اور یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ یہ دونوں تمام مسلمانوں اور سادات کے بہنوئی ہوئے، دونوں بہنوئیوں کا احترام لازم ہے، مگر جو ایک کا کرے، دُوسرے کا نہ کرے تو درمیان میں کوئی چپقلش معلوم ہوتی ہے، تم سوچ لینا۔

اور یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ حضرت اِمام حسین رضی اللہ عنہ کی دختر حضرت سکینہؓ کی شادی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پوتے مصعب بن زبیر سے ہوئی، تو اس رشتے سے حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ ہم سب مسلمانوں کے جملہ سادات حسنین وعلی اصغر وعلی اکبر کے داماد اور بہنوئی ہوئے یا نہیں؟ کیا پھر کسی صحابی کی شان میں جو الفاظ استعمال کرے وہ خود ہی ہے کے یا نہیں؟

اور یہ سوچ رہا ہوں کہ حضرت اِمام حسن رضی اللہ عنہ کی شادی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ صحابی کی بیٹی اُمِّ اسحاق سے ہوئی تو اس رشتے سے حضرت طلحہ صحابی ہمارے اور جملہ سادات زین العابدین، علی اصغر وعلی اکبر سب کے نانا ہوئے، مگر

صاحب یہ لوگ غضب کرتے ہیں یعنی حضرت علی و اولادِ علی کے رشتہ داروں پر تبرّا کرنا اور پھر ان کا محبّ کہنا یہ سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ ہٹاؤ اب کہاں تک سوچو گے؟ یہ معاملہ ہی کچھ اور معلوم ہوتا ہے، ایسے کو خدا سمجھے۔

ارے بھائی! اس بحث کو چھوڑو، ذرا حافظ شیرازی کا کلام سناؤ، ان کا بھی کیا کلام ہے، حافظ صاحب فرماتے ہیں ؎

وصف رخسارۂ خورشید زخفاش مپرس
کہ دریں آئینہ صاحب نظر حیرانند

ترجمہ:- آفتاب کے چہرے کی تعریف چمگادڑ سے نہ پوچھ،
کیونکہ اس آئینے کو دیکھ دیکھ کر صاحبِ نظر بھی حیران ہیں۔

ارے میاں! حسنِ ازلی اس مولائے کریم کی صفاتِ جلالی و جمالی کا ظہور کسی چمگادڑ یعنی کور باطن سے کیا پوچھتے ہو، تمام دُنیا ان کے جمال وجلال کا مظہر ہے، یہ چاند ان کے جمال کا مظہر ہے اور آفتاب ان کے جلال کا مظہر ہے، جو اہلِ بصیرت ہیں وہ مشاہدہ کرتے ہیں ؎

دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

مگر صاحب! یہ صفات ان کی لامحدود ہیں، اس لئے جو اہلِ بصیرت ہیں وہ بھی حیرت میں ہیں۔ محترم! حیرت سلوک کا ایک مقام ہے، جب سالک وہاں پہنچتا ہے اور صفاتِ خداوندی میں غور وفکر کرتا ہے تو بوجہ لاعلمی کے حیرت دامنگیر ہوتی ہے، اس کے بعد مقامِ فنا میں آجاتا ہے، پھر وہ ان صفاتِ خداوندی کا مظہر اپنے آپ ہی کو دیکھتا ہے کہ ہمہ وقت کوئی نہ کوئی صفتِ خداوندی میرے اندر کارفرما ہے، اسی کے حکم سے چلتا ہوں، کھاتا ہوں، پیتا ہوں، یا یوں کہو کہ وہی کھلاتا ہے، وہی پلاتا ہے، وہی اُٹھا رہا ہے، وہی جگا رہا ہے، وہی سلا رہا ہے، وہی گرمی، سردی، شفا وصحت دے رہا ہے، اس سے بندے کو صفاتِ خداوندی کا پَرتو حاصل رہتا ہے کہ وہی معطی ہے، وہی

مانع ہے، وہی حفیظ ہے، وہی قادر ہے وغیرہ۔ پس وہ اپنی ہستی کو ان صفاتِ خداوندی میں فنا کردیتا ہے کہ ھوالحق کے سوا کچھ مفہوم نہیں ہوتا، اس کے باوجود اس کو پورا پورا علم حاصل نہیں تھا، اس لئے حیران و پریشان رہتا ہے، گو صاحبِ نظر ہے مگر صاحب! کون اس کی تہ کو پہنچے؟ سوائے حیرانی کے اور کیا ملتا ہے ؎

لاف عشق و گلہ از یار زہی لاف خلاف
عشق بازاں چنیں مستحق ہجرانند

ترجمہ:- عشق کا دَم بھرنا اور یار کی شکایت کرنا کیا بیہودہ بات ہے، اس قسم کے عشق باز ہجر وفراق ہی کے قابل ہیں۔

پھر کہتے ہیں ؎

جلوہٗ گاہ رخ اور دیدۂ من تنہا نیست
ماہ و خورشید ہمیں آئینہ میگر دانند

ترجمہ:- اس کے چہرے کا جلوہ گاہ صرف میری آنکھ ہی نہیں، چاندسورج بھی اسی آئینے کو گردش دیتے ہیں۔

مطلب یہ کہ صرف میری آنکھوں ہی کو یہ امتیاز حاصل نہیں ہے کہ معشوقِ حقیقی کا جلوہ ان میں نظر آتا ہے، بلکہ چاند سورج بھی ان کا آئینہ ہیں جن میں ان کا عکس جلوہ گری کررہا ہے، سچ تو یہ ہے کہ ذرّہ ذرّہ سے ان کی شان ظاہر ہورہی ہے ؎

سارے سجدوں کا یہ کہنا ہے کہ مسجود ہے تو
پتہ پتہ یہی کہتا ہے کہ موجود ہے تو

ہاں! ضرورت دیکھنے والی آنکھ کی ہے اور صرف آنکھ ہی نہیں کائنات کی ہر چیز شاہد ہے کہ آ اور مجھے دیکھ کہ میں کس کی نشانی ہوں؟ میرے پتے کس نے کاٹے اور پھل کس نے لادے ہیں، ذرا اس حجاب سے آگے اور ان کی صفات کا نظارہ کرلے۔ لومڑی یہ کہتی ہے کہ اگر میرے ایسے پیر نہ ہوتے تو میری زندگی بے کار تھی،

یہ کسی حکمت والے نے اپنی حکمت سے عطا کئے ہیں، ہاتھی کہتا ہے یہ سونڈ نہ ہوتا تو میرا زندہ رہنا ممکن نہ تھا، مرغی کے تین پاؤں ہوتے، انسان کے چار پاؤں ہوجاتے یا آپ ہی آپ ایک پاؤں چھوٹا، ایک پاؤں بڑا بن جاتا تو کیا حال ہوتا؟ یہ ہر چیز کی ساخت اور اس کے ماحول کی ہدایت کسی حکیم کی حکمت ظاہر و باہر کر رہی ہے، ذرا آنکھ کھول کر دیکھ اور دِل سے کہہ: "رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ" مگر اس معرفت کے لئے فنا کی ضرورت ہے ؎

دوش وقتِ سحر از غصہ نجاتم دادند
وندراں ظلمتِ شب آبِ حیاتم دادند

ترجمہ:- کل صبح مجھے سحر کے وقت غصہ وغم سے نجات دے دی،
اور اس رات کی اندھیری میں مجھے آبِ حیات پلایا گیا۔

وقتِ سحر سے مراد چوبیس گھنٹے کے اندر ایک سہانا اور پسندیدہ وقت ہوتا ہے، اس وقت خود بخود فرحت حاصل ہوتی ہے، اس لئے اس وقتِ سحر سے مراد وہ وقت ہے جب سالک کے قلب پر تجلیاتِ الٰہی کا فیضان ہوتا ہے اور غیر کی طرف سے اللہ کی طرف دھیان لگ جاتا ہے۔

غم و غصہ سے مراد وہ سعی اور کوشش ہے جو طالب کو اپنے مطلوب کے حاصل کرنے میں پیش آتی ہے، رات کی اندھیری سے مراد یہ ہے کہ وہ وقت بھی آتا ہے کہ جس میں جلوۂ نور صفاتِ قلب میں نہیں آتا جیسے رات کی تاریکی میں نظر نہیں آتا، اس وقت سالک حیران و سرگرداں ہوتا ہے کہ کدھر جائے اور کیا کرے؟ مگر رفتہ رفتہ ہر چیز مستور ہوکر توحید کا راستہ کھل جاتا ہے، یہی فنا ہے۔

آبِ حیات سے مراد بقا ہے، جیسا کہ مشہور ہوگیا ہے کہ آبِ حیات ظلمات کے اندر ہے، اس ظلمات سے مراد وہی مقامِ حیرت و فنا ہے، اس کے بعد بقا حاصل ہوتی ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً: کسی نے درخت دیکھا ہی نہ ہو، اسے درخت دیکھ کر دُور سے حیرت ہوگی اور حیرت اسی وقت ہوتی ہے جب ہمیں اس چیز کا علم نہ ہو مگر جوں جوں قرب اور اس درخت کا علم بڑھتا جاتا ہے حیرت کم ہوتی جاتی ہے، اور اس درخت کی شاخوں اور پتوں کا نقش ہمارے قلب پر نقش ہو جاتا ہے، پھر اسے کاٹتے اور چکھتے ہیں تو اس کی اندرونی کیفیات کا علم ہوتا ہے، پھر اس کے خواص سے آگاہی ہوتی ہے، الغرض رفتہ رفتہ اس درخت کی معرفت ہو جاتی ہے، یہاں تک تو معرفت کا ذریعہ عقل ہے، مگر ہمیں اس درخت کی اصل حقیقت کا پتہ نہیں چلتا، بالآخر اس تصوّر میں گم ہو کر اوڑھنا بچھونا ہم خود درخت ہی ہو جاتے ہیں کہ سوا اس فکر کے سارے فکر دِل سے غائب ہو جاتے ہیں، اس وقت ہماری ہستی جو درمیان میں ایک حجابِ معرفت تھی اُٹھ جاتی ہے اس فکر میں اپنا بھی خیال نہیں رہتا، یہی فنا کہلاتا ہے، یہاں سے عشق شروع ہوتا ہے، پھر اس کے اندر ڈُوب جانے کے بعد بقا حاصل ہوتی ہے، یعنی خداوند تعالیٰ کی صفات قلب میں یقین کے درجے میں قائم و دائم ہو جاتی ہیں کہ اس عالم میں سوائے ذاتِ حق اور اس کی صفات کے اور کچھ ہے ہی نہیں ؎

جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

لا موجود الا ھو

حضرت حافظ علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ پہلے اس نظر کو دُنیوی آلائشوں سے پاک کرو، پھر اس کی صفات کی معرفت کی طرف چلو، جب تک نگاہ صاف نہ ہوگی بلکہ گدلی ہوگی تو آئینہ خواہ کتنا ہی صاف ہو نظر نہ آئے گا، اسی کو کہتے ہیں ؎

نظر پاک تواں دو رخ جاناں دیدن

کہ در آئینہ نظر جز بصفاتوں کرد

ترجمہ:- معشوق کے چہرے کو پاک نظر سے دیکھ سکتے ہیں، کیونکہ

آئینے میں نظر بغیر صفائی کے نہیں ہوسکتی۔

آخر میں کہتے ہیں ؎

بجز ابروئے تو محرابِ دِلِ حافظ نیست
طاعتِ غیر تو در مذہب ماںتواں کرد

ترجمہ:- سوائے تیرے ابرو کے حافظ کے دِل میں اور کوئی جواب ہی نہیں ہے، اور تیرے غیر کی طاعت ہمارے مذہب میں ممنوع ہے، لامعبود الاھو۔

آپ محراب جانتے ہیں یہ حرب سے اسمِ ظرف کا صیغہ ہے، جس کے معنی ہوئے ''جائے حرب''، یعنی جنگ اور لڑائی کرنے کی جگہ۔ یار! یہ تو مسجد میں ہوتی ہے، ہاں! ایک ازلی دُشمن سے بڑی جنگ ہوتی ہے جسے اِبلیس کہتے ہیں، وہ دُنیا کی آلائشوں میں لے جانا چاہتا ہے اور عابد وہاں عبادت میں مشغول ہوجاتا ہے، شیطان کہتا ہے: باہر چل، عابد کہتا ہے: اس سے بہتر اور جگہ کوئی نہیں ہے۔ یہی یا اس قسم کی جنگ کی جگہ ہے، اس لئے اسے ''محرابِ مسجد'' کہتے ہیں۔

حق تعالیٰ جل شانہ تو کوتاہ نظری ہماری کہ ان آنکھوں سے نظر نہیں آتے، مگر ان کے حاضر و ناظر ہونے کی صفت تو متصوّر ہوسکتی ہے، سرَورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''اعبد اللہ کأنک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک'' یعنی اللہ کی اس طرح عبادت کر گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے، اگر یہ نہ ہوسکے تو یوں خیال کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس طرح توحید میں مستغرق ہوکر صرف ایک خدا کی عبادت کر، بس ہمارا مذہب تو یہی ہے، ولنعم ما قال۔

حضرت عارفی یعنی حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب مدظلہم العالی ''صہبائے سخن''، میں فرماتے ہیں:

جب بھی محویتوں میں، ان کی کھوجاتا ہوں میں
اپنے آغوشِ تصوّر میں، انہیں پاتا ہوں میں

ہاں جناب! ''جب کبھی'' کو آپ نے سمجھ لیا، یعنی آنے والا جو سماں ہے وہ دائمی نہیں ہے، اور اسی کو وارِد کہا کرتے ہیں، جیسے مہماں آتا ہے، چلا جاتا ہے۔ اچھا میاں! یہ محویت کو سمجھائیے۔ دیکھئے! محو کہتے ہیں مٹ جانے کو، کہا کرتے ہیں کہ یہ بات میرے قلب سے محو ہوگئی تھی، پھر یہ محویت کیا ہے؟ میاں! دونوں جہاں کو دِل سے مٹادیا جائے یعنی ماسوی اللہ سے منقطع ہوجائے، ''وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا'' مطلب یہ ہے کہ اس تصوّر میں پہنچ کر دُنیا کی ہر شئ عارضی اور فانی ہے، کیا دُنیا اور کیا اس کا وجود، ایک سایہ ہے جو ڈھل جانے والا ہے، ابھی ہے، ابھی نہیں، حکم ہے جو اس کا چل رہا ہے اس نے کہا ہوجا ، ہوگئی، مٹ جا، مٹ گئی، اس لئے یہ سب مٹ جانے والی چیزیں ہیں، ان سے ہٹ کر یا اس تصوّر میں آکر پھر کھوجاتا ہوں۔ برادرم! آپ سمجھ گئے، کھوجانا، ارے میاں! کبھی کسی بچے سے سنا ہوگا کہ ابا میں کھو گیا تھا، پھر تم مل گئے، تو جب کسی کو کچھ پتہ نہ چلے کہ اب کہاں جاؤں، بس کھوگیا، یہ دُنیا تو فانی ہے، بس میاں اس دُنیا کے مٹ جانے اور اس کے فنا میں، میں خود محو ہوجاتا ہوں، حتیٰ کہ میرا وجود بھی نگاہ میں نہیں رہتا، پھر دُنیا کی کوئی راہ نہ رہی، اس سے کوئی لگاؤ نہ رہا، مگر یہ سوچا کہ آخر اس کا فنا کرنے والا کون ہے، جب یہ سب فانی ہے تو وہ کون ہے جو موجود ہے، غیرفانی ہے، دراصل لائقِ محبت اسی کی ذات ہے، اس فانی کی محویت سے لافانی دِل میں موجزن ہے ان کا تصوّر میرے تصوّر کی آغوش میں آچھٹکا، ہم نے بھی اسے آغوشِ تصوّر میں لیا اور یہ کہنا کتنا صحیح ہوا: ''آغوشِ تصوّر میں انہیں پالیتا ہوں میں'' وہ تو خود بخود ایسے آگئے جیسے پہلے ہی۔سے موجود تھے، مطلب یہ کہ دُنیا سے تصوّر کو ہٹایا تو ان کو دِل میں پایا، ماسوی اللہ سے دِل کو ہٹالو، ان کوتو خود دِل میں پالوگے ؎

ستم است اگر ہوست کشد کہ بسیر سرو سمتی درا
تو زغنچہ کم نہ دمیدۂ درِ دِل کشا بچمن را

جب کبھی محویتوں میں ان کی کھو جاتا ہوں میں
اپنے آغوشِ محبت انہیں پاتا ہوں میں

آگے فرماتے ہیں ؎

اب نہ منزل کی طلب ہے اور نہ منزل کا پتہ
ایک دُھن ہے اور اسی دُھن میں چلا جاتا ہوں میں

جب انسان ماسوی اللہ سے باہر ہو جاتا ہے اور خداوندِ قدوس کے تصوّرِ ذات وصفات میں پہنچ جاتا ہے تو ان کی ذات وصفات دونوں تصوّرِ انسان سے بالاتر ہیں اور نہ ان کی کوئی انتہا ہے، جیسے ان کی ذات لامحدود ہے اسی طرح اس کی صفات بھی لامحدود ہیں، منزلیں تو محدود ہوا کرتی ہیں، نہ اس کی کوئی منزل ہے کہ جہاں جاکر ٹھہر جائے اور نہ منزل کی طلب ہوسکتی ہے کیونکہ وہاں کوئی منزل ومقام ہی نہیں ہے جہاں جاکر ٹھہر جائے، بس ایک دُھن ہے اور اسی دُھن میں چلنا ہے اور فنا ہو جانا ہے ؎

اب نہ منزل کی طلب ہے اور نہ منزل کا پتہ
ایک دُھن ہے اور اسی دُھن میں چلا جاتا ہوں میں

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

ایں مدعیاں در خبرش بے خبر انند
آن را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

؎ جس قدر محسوس ہوتا ہے کہ ان سے دُور ہوں
اور بھی نزدیک تر دِل سے انہیں پاتا ہوں میں

جب انسان اللہ جل شانہ کے تصوّرِ ذات بحت میں ڈُوب جاتا ہے تو دُوری اور نزدیکی سب ختم ہو جاتی ہے، جب یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ تو بہت دُور ہیں اسی وقت دِل یہ کہتا ہے: نہیں وہ یہ رہے، ''وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ'' کی آیت آکے گدگداتی ہے، ''وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ'' سے دِل مسرور ہو جاتا ہے،

کہاں کی دُوری اور قریبی، وہ تو ہر وقت، ہر جگہ موجود ہیں، قرب و بُعد تیرے اپنے خیال کی بات ہے۔

ہمہ وقت ان کے اِنعامات، سلانا، بٹھانا، کھلانا پلانا، عمل کی توفیق، حفاظت، رزق رسانی، بروقت نگہبانی، ان کی محبت نہیں تو اور کیا ہے؟ وہ جدا ہوتے تو ان کی محبت کی یہ نشانیاں کیسے دِکھائی دیتیں؟ اسی لئے آگے فرماتے ہیں ؎

پھر یہ کیا ہے گر نہیں ان کی محبت کی کشش

خود بخود ان کی طرف یہ کیوں کھنچا جاتا ہوں میں

میاں! وہ کھینچ رہے تب ہی تو کھنچے جارہے ہو، اَذان ہوئی اور دِل نے کہا: جلدی کرو، رمضان آئے نہیں کہ دِل ان کے لئے بھوکا پیاسا رہنے کی تیاری کر رہا ہے، رات سوتے سوتے اُٹھ کے بیٹھ گیا، میاں! کیا بات ہے؟ اور سوجاؤ، ارے میاں! بات نہ کرو، روٹی لاؤ، پھر تہجد پڑھنی ہے، دیکھنا کتنا وقت باقی ہے ؎

چین سے سو رہا تھا میں کس نے مجھے جگادیا

اگر دِل میں یہ آجائے کہ کس کس طرح وہ میرے ساتھ معاملہ کر رہے ہیں، کبھی جگاتے ہیں تو وہی، سلاتے ہیں وہی، کھلاتے پلاتے ہیں تو وہی، ساری حرکات و سکنات اسی ہی کے حکم سے کر رہا ہوں اور ساری دُنیا میں ان ہی کا حکم کارفرما ہے: ''اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ'' تو واقعی پھر کوئی کچھ میرے ساتھ کرتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ محبوب کا حکم ہے، کرنے دو، یہ بیچارہ تو ذریعہ ہے، تب دِل کو سکون آجاتا ہے، اسی کو حضرت عارفیؒ فرماتے ہیں ؎

عارفیؔ کچھ دِل کی خلوَت ہی میں ملتا ہے سکون

جب کبھی دُنیا کے ہنگاموں سے گھبراجاتا ہوں میں

***

سوال:- میرا ارادہ بھی مرید ہونے کا ہے، مگر میں پہلے کچھ معلومات کرنے

کا ارادہ رکھتا ہوں، ذرا آپ یہ بتائیں کہ مرید کسے کہتے ہیں؟

جواب:- جیسے تم ہو یعنی تمہارا ارادہ ہے بس اس ارادہ کرنے والے کو ''مرید'' کہتے ہیں، ایک ذرا قدم اور آجاؤ، جو شخص اپنی اصلاح کرانے کا ارادہ کرلیتا ہے اور کسی اچھے نیک آدمی سے اپنی اصلاح کرانے لگ جاتا ہے بس اسی کو ''مرید'' کہتے ہیں۔

سوال:- کیا اصلاحِ نفس قرآن وحدیث سے ثابت ہے؟

جواب:- جی ہاں! اس آیتِ کریمہ پر غور کریں: ''قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰهَا. وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا'' اور ایک آیت یہ بھی ہے: ''یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ، اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ'' اصلاح کے بعد ہی قلب سلیم ہوتا ہے۔

سوال:- سب سے پہلے کیا کرنا ہوگا؟

جواب:- اوّل توبہ کریں، جیسا کہ اس کا قاعدہ ہے، یہ آپ کو آپ کا مصلح بتائے گا۔

سوال:- یہ مصلح کون ہے؟

جواب:- یہ وہ ماہر ہے جو کسی کا مجاز ہو، سنت کا متبع ہو، جس سے آپ بیعت کریں گے، اور اس کے ہاتھ میں اس طرح اپنے آپ کو سونپ دینا جیسے بیمار اپنے آپ کو معالج کے ہاتھ سونپ دیتا ہے۔

سوال:- پھر کس سے بیعت ہوجاؤں؟

جواب:- جس سے آپ کو مناسبت ہو۔

سوال:- مناسبت کا مطلب کیا ہے؟

جواب:- مناسبت کا مطلب یہ ہے کہ مرید کو اپنے شیخ کی سب باتیں پسند آئیں، اور شیخ کو بھی مرید سے محبت ہو، مرید کو اپنے شیخ کے کسی قول وفعل پر دل کے اندر اعتراض نہ آئے، گو عقلی ہی سہی، اس مناسبت کے بغیر کام نہیں چلتا۔

سوال:- اچھا بیعت کی حقیقت کیا ہے؟

جواب:- دونوں معاہدہ کرتے ہیں اور ہاتھ میں ہاتھ دے کر یہ معاہدہ قوی ہوجاتا ہے، معاہدہ یہ کہ شیخ صحیح تلقین کرنے کا اور مرید بے چوں و چرا اِتباع کرنے کا وعدہ کرلیتا ہے۔

سوال:- پھر بیعت ہوکر کیا کرنا ہوگا؟

جواب:- یہی ارادت، ریاضت خواہ اجمالی ہو یا تفصیلی، اذکار، اشغال، مراقبات، احوال۔

سوال:- ارادت کسے کہتے ہیں؟

جواب:- اپنی اصلاح کے بندوبست میں لگ جانا۔

سوال:- اصلاح کسے کہتے ہیں؟

جواب:- اصلاح یہ ہے کہ اوصافِ حمیدہ اپنے اندر پیدا کرے اور اوصافِ مذمومہ دُور کرے، اسی کو تحلیہ اور تخلیہ کہتے ہیں۔ ان دونوں باتوں یعنی تحلیہ وتخلیہ کے حصول میں لگ جانے کا نام ریاضت ہے، اس ریاضت کی دو قسمیں ہیں، ایک اجمالی دُوسری تفصیلی۔ ریاضتِ اجمالی یہ ہے کہ ان چار باتوں کو اختیا رکرے، قلّتِ کلام اور قلّتِ طعام، قلّتِ منام اور قلّت الاختلاط مع الانام۔ مگر متأخرین نے ان میں سے دو باتوں کو خارج کردیا ہے کہ اگر حالات اجازت نہ دیں تو قلّتِ طعام ومنام میں سعی نہ کرے، صرف دو باتوں پر زور دے، ایک تو کم بولنا، دُوسری غیرضروری تعلقات کوختم کردینا۔ مطلب یہ ہوا کہ آپ بلاضرورت نہ بات کریں اور نہ لوگوں سے زیادہ میل ملاپ رکھیں۔

سوال:- اچھا تفصیلی ریاضت کیا ہے؟

جواب:- اچھے اخلاق پیدا کرے، مثلاً اِخلاص، تواضع، حب فی اللہ، شکر، صبر، رضا، تفویض، توکل، خوف و رجاء وغیرہ، یہ اخلاق اپنے اندر پیدا کرلینا ان ہی کو

مقامات کہتے ہیں۔ اور اخلاقِ مذمومہ مثلاً کبر، نخوت، عجب، حسد، کینہ، حبِ جاہ، حبِ مال، حبِ دُنیا، خود بینی، خودرائی وغیرہ کو دُور کرنا، یہ سب نصوص سے ثابت ہیں اور اُمورِ اختیاریہ ہیں، ان کے زائل کرنے کا نام ''تخلیہ'' ہے۔

ایک مسئلہ:- جب نفس میں معصیت کا داعیہ موجود ہے تو اس کی مخالفت کرنا واجب ہے، اور اس مخالفتِ نفس کو مجاہدہ کہتے ہیں، اس مجاہدے کی دو قسمیں ہیں، ایک اختیاری، دُوسرا اضطراری، مجاہدۂ اختیاریہ یہ ہے کہ طبیعت کے جو اقتضاءات یقیناً مذموم اور ناجائز ہیں ان سے رُکنا، اور جو اقتضاءات نہ محمود ہیں، نہ مذموم ہیں بلکہ مباح ہیں مثلاً زیادہ کھانا، زیادہ سونا، عمدہ لباس میں مشغول ہونا، زیادہ باتیں کرنا، زیادہ ملنا جلنا، ان میں تقلیل کرے اور نفس سے اس قدر لڑائی کرے کہ وہ صحیح رَوش پر آجائے۔ دُوسرا مجاہدہ اضطراریہ ہوتا ہے، جسے آزمائش کرنا کہتے ہیں: ''وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ'' اس آزمائش پر وہ اِنعام و اِکرام دیتے ہیں مگر صبر اور ضبطِ نفس یہی مجاہدہ ہے۔

اس مجاہدۂ اضطراری میں جلدی فائدہ ہوتا ہے کہ ساری شیخی و کبر ختم ہوکر عاجزی اور فنا کی کیفیت آجاتی ہے، لیکن انوار و تجلیات مجاہدۂ اختیاریہ میں زیادہ ہوتے ہیں۔

سوال:- مجاہدہ کا آسان طریقہ کیا ہے؟

جواب:- ایک دفعہ دِل بھر کر ماضی کے معاصی پر توبہ کرے اور مستقبل کے لئے عزم کرلے کہ اب نہیں کروں گا، پھر ماضی و مستقبل دونوں کو چھوڑ کر بس اللہ تعالیٰ کا دھیان جمالے۔

اُمرِ اختیاری میں ہمت سے کام لے اور غیر اختیاری کا فکر نہ کرے، کوتاہی ہوجائے تو اِستغفار کرلے، رضائے الٰہی کو اپنا مقصود سمجھے، بس یونہی چلتا رہے اور حق تعالیٰ سے آسانی کی دُعا کرتا رہے کہ آسانی کی توفیق اور آخرت میں جنت عطا

فرمائے، دوزخ سے نجات دیوے۔ اگر کوئی محمود حالت پیش آئے، شکر کرے، اپنا کمال نہ سمجھے اور نہ اس کے باقی رہنے کی تمنا کرے، اور رُخصت ہوجائے تو غم نہ کرے، وساوس کی طرف اِلتفات ہی نہ کرے، اپنے اعمال کو عطائے حق سے بڑھ کر نہ سمجھے، رضائے حق کا طالب اور اس کی ناراضگی سے ترساں رہے، احوال کے پیچھے نہ پڑے، بس جی یہی سلوک ہے۔

***
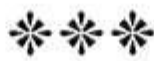
بوستان میں حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے عید آئی اور میرے والد صاحب مجھ کو عید کی نماز کے لئے عیدگاہ میں لے گئے، وہاں میں نے بچوں کو دیکھا کہ خوب کھیل رہے ہیں، میں بھی بچہ تھا نگاہ بچا کر وہیں پہنچ گیا اور کھیل میں مشغول ہوگیا، تھوڑی دیر میں کھیل ختم ہوگیا، دُنیا کی زندگی بھی ایک کھیل کود کی طرح ہے، "اِنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ" کھیل ختم ہوگیا اور اَبا جی گم ہوگئے، اب اَبا جی کی پڑی (کھیل میں کب ہوش آتا ہے، کھیل ختم ہوجائے تب ہی آنکھ کھلتی ہے)، میں چیخنے چلّانے لگا اور رونے لگا، اچانک میرے والد نے میرا کان پکڑ کر مروڑا اور کہنے لگے: ارے شوخ! تجھ کو کتنی بار سمجھایا تھا کہ میرا ہاتھ نہ چھوڑنا، ہاتھ چھوڑ کر حیران پریشان ہوا۔

بہ تنہا نداند شدن طفل خرد
کہ مشکل بود راہ نادیدہ برد

ترجمہ:- چھوٹا بچہ اکیلا کیسے منزل پر پہنچے گا، جو راستہ اس نے نہیں دیکھا ہے اس پر چلنا دُشوار ہے۔

اسی طرح تو اے نیک مرد! راہِ شریعت سے ناواقف ہے، اگر چلنا ہے تو کسی راہ جاننے والے کا ہاتھ پکڑ اور بُروں کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا چھوڑ دے، ورنہ اپنی عزّت سے ہاتھ دھو ڈالے گا اور پٹے گا الگ۔

دُوسری حکایت یہ لکھی ہے کہ: ایک شخص مٹی گارے میں بنا ہوا مسجد کے اندر آ گیا، تو کسی نے اس کو دھمکایا کہ تیرے ہاتھ ہلاک ہو جائیں، ارے ناپاک آدمی پاک جگہ میں نہ جا۔

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ: مجھے خیال آیا کہ جنت بھی پاک جگہ ہے، وہاں جانا ہے تو پاک ہو جا، گناہوں کے میل کچیل کو توبہ کے صابن سے صاف کر لے، ورنہ دوزخ کی آگ کی بھٹی سے میل دُور کیا جائے گا، کیونکہ میلا آدمی جنت میں جانے کے لائق نہیں ہے، ذِلت کی گرد سے دامن نہ دھو، کہیں ایسا نہ ہو کہ اُوپر سے نہر بند کر دی جائے اور دامن زیادہ گرد آلود رہ جائے۔

وگر دیر شد گرم روباش و چست
زدیر آمدن غم ندارد درست

اگر دیر ہوگئی ہے تو ذرا چست و چالاک ہو کر جلدی جلدی چل، صحیح بات اگر دیر سے بھی حاصل ہو تو غم نہ کر، ابھی موت نے تیری خواہش کا ہاتھ نہیں باندھا ہے، لہٰذا اپنا ہاتھ خدا کے دربار میں اُٹھا، اس سے پہلے کہ ہاتھ اُٹھانے سے عاجز ہو جائے۔

مخسپ اے گنہ کردۂ خفتہ خیز
بعذر گنہ آب چشمے بریز

ترجمہ:- اے گناہ کر کے سوجانے والے اُٹھ جا، نہ سو، ان گناہگار آنکھوں پر ندامت کے آنسوؤں کا پانی بہا۔

حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں:-

ایک شخص نے مکر و فریب کر کے کسی کا مال کھایا، جب کھا پی کر اُٹھنے لگا تو اِبلیس پر لعنت کی، کہ کم بخت کسی کو کسی کا مال کھلا دیتا ہے، راستے میں اسے شیطان ملا اور کہنے لگا کہ: تو بڑا بے وقوف ہے، جب پوشیدہ طور سے میری تیری دوستی ہے تو ظاہراً زبان سے لڑائی کی بات کیوں کرتا ہے؟

افسوس ہے فرشتے تیرے لئے کیا لکھ رہے ہیں اور تو شیطان کو لعنت کر رہا ہے، تو بڑا بے وقوف ہے، تو یہ سمجھتا ہے کہ شیطان کو لعنت کردینے سے وہ پاک فرشتے تیری ناپاک بات نہیں لکھیں گے، پاگل ہوا ہے۔

اس قدر آشفتگی جسم و جاں ہے آج کل
ہر نفس دِل کے لئے بارِ گراں ہے آج کل
پریشانی میں ایسا ہی حال ہوا کرتا ہے
سانس بھی دِل کے لئے بارِ گراں ہوجاتا ہے
دیکھتا ہوں ان کی برگشتہ نگاہوں کا اثر
ہر نگاہِ مہرباں نامہرباں ہے آج کل

جب اللہ میاں ناراض ہوجاتے ہیں تو پھر جس مہربان سے بات کرو اُکھڑا اُکھڑا ہوجاتا ہے، سیدھے دِل سے بات کرنا پسند ہی نہیں کرتا، لہٰذا ان ہی کو راضی کرو۔

حسرتیں صبر آزما، ناکامیاں ہمت شکن
کچھ عجب مشکل میں جانِ ناتواں ہے آج کل

وہ عجز وانکساری پیدا کرنا چاہتے ہیں، تم بھی پہلوان نہ بنو، تسلیم و رضا کا کوچہ لو اور اسی میں بیٹھ جاؤ۔

میں دیکھتا ہی رہ گیا نیرنگیٔ صبح و شام
عمرِ فسانہ ساز گزرتی چلی گئی

دُنیا ایسی نگاہوں میں سجادی گئی ہے کہ اپنی طرف کھینچے لیتی ہے، ہر صبح اور ہر شام رنگ برنگ ہوکر آتی ہے، اور ہر دن ایک افسانہ بنتا رہا، ان افسانوں میں زندگی آخر ہوگئی، اب پچھتائے کیا ہووت جب چڑیا چگ گئی کھیت۔

نہ ہمدرد کسی کا ہے نہ پریشاں کوئی
کیا کرے لاکے زباں پر غمِ پنہاں کوئی

ان دُنیا والوں کوغم کی کہانی کہنا ہی بے سود ہے، نمک چھڑکیں گے، مرہم نہیں لگائیں گے، یا زبانی بات کرلی اور غائب، ربّ ہی سے کہے کہ کبھی ہاتھ کو نہ ہٹائیں گے۔

غم نہیں آج جو یوں بے سر و ساماں ہوں میں
ہو ہی جائے گا کبھی غیب سے ساماں کوئی

ہاں! دُنیا اُمید پر قائم ہے، نااُمیدی کی کیا بات ہے، اُمید رکھو اور پکی اُمید رکھو۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

(ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی رجب ۱۴۰۷ھ - مارچ ۱۹۸۷ء)

جوامع الکلِم
کی
چہل حدیث

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ، اَمَّا بَعْدُ:

حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابنِ عباس، حضرت ابوہریرہ، حضرت انس، حضرت ابو الدرداء، حضرت ابو سعید، حضرت علی، حضرت ابومسعود، حضرت ابو لامہ، حضرت ابنِ مسعود، حضرت ابنِ عمرو، حضرت جابر بن سمرہ اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے حدیث کی مختلف کتابوں میں الفاظ کی معمولی تبدیلی کے ساتھ یہ حدیث شریف منقول ہے:-

من حفظ علٰی أُمّتی أربعین حدیثًا من أمر دینها بعثه الله یوم القیامة فی زمرة الفقهاء والعلماء.

ترجمہ:- حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص میری اُمت کے فائدے کے لئے دِین کے کام کی چالیس حدیثیں سناوے گا اور حفظ کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن فقہاء اور علماء کی جماعت میں اُٹھائے گا۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ: میں قیامت کے دن

اس کے لئے سفارشی اور گواہ بنوں گا۔

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ: اس سے کہا جائے گا کہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جا۔

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ: وہ شخص علماء کی جماعت میں لکھا جائے گا اور شہیدوں کی جماعت میں اُٹھایا جائے گا۔

(مقدمہ اربعین نوویؒ)

اس لئے عرصۂ دراز سے علماء، فقہاء اور محدثین کا چالیس احادیث جمع کرنے کا معمول چلا آ رہا ہے، ہر ایک نے اپنے ذوق کے اعتبار سے اور علم وعمل کی روشنی میں ذخیرۂ احادیث سے چالیس احادیث کا انتخاب کر کے اُمت تک پہنچایا ہے تا کہ مذکورہ فضیلت حاصل ہو اور لوگوں کو نفع پہنچے۔

حق تعالیٰ جل شانہ نے احقر کے ذہن میں بھی یہ بات ڈال دی اور دِل میں یہ داعیہ پیدا فرمایا کہ اُمت کے فائدے کے لئے چہل حدیث لکھوں اور ساتھ ہی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک امتیازی شان ''جوامع الکلم'' کی طرف ذہن منتقل ہوا، جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلامِ مبارک الفاظ کے لحاظ سے مختصر لیکن مفہوم اور معنی کے اعتبار سے نہایت جامع اور دریا بکوزہ کے مصداق ہوتا ہے، چنانچہ اسی خصوصی شان کو مدِ نظر رکھتے ہوئے چالیس احادیث جمع کی ہیں، آپ بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلامِ مبارک کا اعجاز دیکھئے کہ صرف دو کلموں میں جملہ پورا فرما دیا ہے اور موتی پرو دیئے ہیں۔

ان احادیثِ طیبہ کو یاد کرنا کچھ مشکل نہیں ہے، ایک حدیث بھی روزانہ یاد کی جائے، بچوں کو اور بچیوں کو یاد کرائی جائے، مرد وعورت اور بڑی عمر والے بھی یاد کرنا چاہیں تو آسانی سے یاد کر سکتے ہیں، اور مذکورہ بالا فضائل حاصل کر سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے، آمین، بے شک حق تعالیٰ ہی توفیق عطا فرمانے والے ہیں۔

نمبر شمار	حدیث مبارکہ کے الفاظ	ان الفاظ کے کیا معنیٰ ہیں	کون سے صحابی راوی ہیں	حدیث کی کون سی کتاب میں ہے
۱-	اَلْاَیْمَنُ فَالْاَیْمَنُ	کھلاؤ پلاؤ تو پہلے دایاں پھر اس کا دایاں لو	عبداللہ بن مسعودؓ	بخاری ومسلم
۲-	اَلْاِیْمَانُ یَمَانٍ	یمن والوں میں ایمان ہے	عبداللہ بن مسعودؓ	بخاری ومسلم
۳-	اِشْفَعُوْا تُؤْجَرُوْا	(جائز) سفارش کرو، اَجر پاؤ	معاویہؓ	ابنِ عساکر
۴-	اَکْرِمُوا الْخُبْزَ	روٹی کی عزت کرو	عائشہؓ	بیہقی
۵-	اَعْلِنُوا النِّکَاحَ	نکاح علانیہ کرو	ابن الزبیرؓ	احمد
۶-	اِلْزَمُوا الْبُیُتَ	گھر سے چمٹے رہو	ابنِ عمرؓ	طبرانی
۷-	تَهَادُوْا تَحَابُّوْا	آپس میں ہدیہ دومحبت پیدا کرو	ابوہریرہؓ	ابویعلیٰ
۸-	اَلْحَرْبُ خَدْعَةٌ	جنگ میں دھوکا ہوتا ہے	جابرؓ	بخاری ومسلم
۹-	اَلْحُمّٰی شَهَادَةٌ	بخار (کی موت بھی) شہادت ہے	انسؓ	دیلمی
۱۰-	اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ	دِین خیرخواہی کرنا ہے	ثوبانؓ	بخاری فی تاریخہٖ
۱۱-	سَدِّدُوْا قَارِبُوْا	سیدھے چلو قریب ہوتے جاؤ	ابنِ عمرؓ	طبرانی
۱۲-	اَلصَّبْرُ رِضَا	صبر کرنا رضائے الٰہی ہے	ابنِ عمرؓ	ابنِ عساکر
۱۳-	اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ	روزہ ڈھال ہے	معاذؓ	نسائی
۱۴-	اَلطِّیَرَةُ شِرْکٌ	بدفالی شرک ہے	ابنِ مسعودؓ	احمد
۱۵-	اَلْعَارِیَةُ مُؤَدَّاةٌ	مانگی ہوئی چیز واجب الاعادہ ہوتی ہے	ابنِ عباسؓ	ابنِ عساکر
۱۶-	اَلْعِدَةُ دَیْنٌ	وعدہ بمنزلہ قرض کے ہے	علیؓ	طبرانی

۱۷-	اَلْعَیْنُ حَقٌّ	نظر لگ جانا حق ہے	ابوہریرہؓ	بخاری ومسلم
۱۸-	اَلْجَنَّۃُ حَقٌّ	جنت حق ہے	زید بن ثابتؓ	احمد
۱۹-	لِقَاءُکَ حَقٌّ	اللہ کی ملاقات حق ہے	زید بن ثابتؓ	احمد
۲۰-	اَلْغَنَمُ بَرَکَۃٌ	بکری میں برکت ہے	براء بن عازبؓ	ابویعلیٰ
۲۱-	اَلْفَخِذُ عَوْرَۃٌ	ران شرمگاہ ہے	ابنِ عباسؓ	ترمذی
۲۲-	قَفْلَۃ کَغَزْوَۃٍ	جہاد سے واپسی بھی جہاد کی طرح ہے	ابنِ عمرؓ	احمد
۲۳-	قَیِّدْ وَتَوَکَّلْ	باندھ اور توکل کر	عمرو بن اُمیہؓ	بیہقی
۲۴-	اَلْکُبْرُ اَلْکُبْرُ	بڑا پہل کرے	سہل بن ابی حثمہؓ	بخاری ومسلم
۲۵-	مَوَالِیْنَا مِنَّا	ہمارے غلام ہمارے حکم میں ہے	ابنِ عمرؓ	طبرانی
۲۶-	اَلْمُؤْمِنُ مَکَفَّرٌ	مؤمن کفارہ ادا کرنے والا ہے	سعدؓ	حاکم
۲۷-	اَلْمُحْتَکِرُ مَلْعُوْنٌ	ذخیرہ اندوز ملعون ہے	ابنِ عمرؓ	حاکم
۲۸-	اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمِنٌ	جس سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہے	ابوہریرہؓ	اربعہ
۲۹-	اَلْمُتَنَعِّلُ رَاکِبٌ	جوتا پہنے والا سوار ہے	انسؓ	ابنِ عساکر
۳۰-	اَلنَّبِیُّ لَا یُوْرَثُ	نبی کی مالی میراث نہیں ہوتی	ابوحذیفہؓ	ابویعلیٰ
۳۱-	اَلنَّدَمُ تَوْبَۃٌ	ندامت آجانا توبہ ہے	ابنِ مسعودؓ	احمد
۳۲-	اَلْوِتْرُ بِلَیْلٍ	وتر کی نماز رات میں ہے	ابنِ مسعودؓ	احمد
۳۳-	لَا تَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ	موت کی تمنا نہ کیا کرو	خبابؓ	ابنِ ماجہ
۳۴-	لَا تَغْضَبْ	غصہ مت کر	ابوہریرہؓ	بخاری
۳۵-	لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ	نہ ضرر دو، نہ ضرر لو	ابنِ عباسؓ	احمد

۳٦-	لَا وَصِیَّةَ لِوَارِثٍ	وارث کو وصیت نہیں چلتی	جابرؓ	دار قطنی
۳۷-	یَدُ اللہِ مَعَ الْجَمَاعَةِ	جماعت کے ساتھ اللہ کا ہاتھ ہے	ابنِ عباسؓ	ترمذی
۳۸-	اُعْبُدُوا الرَّحْمٰنَ	رحمٰن کی عبادت کرو	عبداللہ بن عمروؓ	ترمذی
۳۹-	اَفْشُوا السَّلَامَ	سلام پھیلاؤ	عبداللہ بن عمروؓ	ترمذی
۴۰-	اَطْعِمُوا الطَّعَامَ	بھوکوں کو کھانا کھلاؤ	عبداللہ بن عمروؓ	ترمذی

وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقه محمد و اٰله و اصحابه اجمعین

(ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ - فروری ۱۹۸۸ء)

کچھ طبِ نبویؐ میں سے

مرض دو طرح کا ہوتا ہے، ایک مرضِ جسمانی، دُوسرا قلبی۔ جس طرح جسم بیمار ہوتا ہے اسی طرح قلب بھی بیمار ہوجاتا ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا ہے: ”فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ“ مگر ان اَمراض کی نوعیت میں فرق ہے۔

قلبی امراض مثلاً گمراہی آجانا، شکوک وشبہات کا پیدا ہوجانا، رذائل و بُرے اخلاق ہونا، وغیرہ ان کے معالجے کے لئے شیخ اور تصوّف کی ضرورت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رُوحانی امراض کے علاج تو ارشاد فرمائے ہیں اس لئے کہ آپ رُوحانی طبیبِ اعظم تھے، مگر آپ نے طبِ جسمانی کی طرف بھی راہ نمائی فرمائی ہے اور ہدایات دی ہیں، اسی کی طرف یہ چند اوراق تحریر میں لانے کا ارادہ ہے، وباللہ التوفیق۔

طبِ جسمانی کے لئے تین اُصول کا اختیار کرنا ضروری ہے:-

۱-صحت کی حفاظت ۲-مادّہ فاسدہ کا استخراج ۳-پرہیز

اور یہ تینوں اُصول قرآنِ کریم سے نکل آتے ہیں، چنانچہ مسافر کو روزہ چھوڑنے کی رُخصت ہے تاکہ صحت قائم رہے، اسی طرح ”فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ“ الآیۃ، یہ بھی حفظِ صحت کے لئے ہے۔

قربانی کرنے کے بعد سر منڈانے کا حکم ہے تاکہ سر کے مسامات کھل جائیں اور مادّۂ فاسدہ کا استخراج ہوجائے، اور جب پانی کا استعمال ضرر دے تو تیمّم کرنے کا حکم ہے، یہ پرہیز ہے، پانی کا استعمال روک دیا گیا ہے۔

جسمانی علاج، سو یہ زمان و مکان و حالات کے اعتبار سے مختلف ہوتا رہا ہے اور ہوسکتا ہے، اہلِ عرب ''ترک'' سے علاج کرتے تھے، مثلاً کھانا ترک کردیا، سابقہ اہلِ ہند مفردات سے اور یونانی مرکبات سے علاج کرتے تھے، ہاں! اس بات پر تقریباً سب متفق ہیں کہ جب تک غذا سے علاج ہوسکتا ہے دوا استعمال نہ کرائی جائے اور اسی طرح جب تک مفردات سے علاج ہوسکتا ہے مرکبات استعمال نہ کریں، اسی لئے بچوں کی دوا جب اپنی حد سے بڑھ جاتی ہے تو سلیم اعضاء کو نقصان دیتی ہے، ان کا علاج غذا ہی سے بہتر ہے، ویسے یہ تجربے کی بات ہے کہ جو لوگ مفرد غذا کھاتے ہیں ان کا مرض مفرد دوا سے دُور ہوجاتا ہے، اور جو لوگ کئی کئی مرکب غذائیں استعمال کرتے ہیں ان کا علاج مرکبات ہی سے ہوتا ہے۔ اللہ جل شانہ نے ہر مرض کی دوا ضرور پیدا کی ہے، چنانچہ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خدا نے کوئی ایسا مرض پیدا نہیں فرمایا جس کی دوائی نہ اُتاری ہو اور نہ پیدا کی ہو۔''

اب سوال یہ ہے کہ جب ہر مرض کی دوا اللہ نے پیدا کی ہے تو بعض مرتبہ دوا سے شفاء کیوں نہیں ہوتی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض مرتبہ مرض کی پہچان نہیں ہوتی، بعض مرتبہ دوا کی مقدار میں فرق ہوجاتا ہے، یا مرض اور ہے، دوا اور ہے، ورنہ وحیٔ الٰہی میں غلطی ناممکن ہے۔

حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ امراضِ جسمانی کی جڑ فسادِ معدہ ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''ابنِ آدم نے کوئی برتن اس سے حصہ نہیں بھرا جتنا کہ پیٹ کا برتن بھرلیا، ورنہ ابنِ آدم کے لئے چند لقمے ہی کافی تھے جس سے کمر مضبوط ہوجاتی، اور کھانا ہی ہے تو پیٹ کے تین حصے کرلے، ایک حصہ خوراک کے لئے، ایک حصہ پانی کے لئے، ایک حصہ سانس لینے کے لئے چھوڑ دے۔'' (ترمذی، ابنِ ماجہ، حاکم، ابن حبان) معدے سے دو طرح کے امراض پیدا ہوتے ہیں،

پہلا کھانا ہضم ہونے سے پہلے دُوسرا بھرلینا، یا بدن کو جتنی خوراک کی ضرورت تھی اس سے زائد کھالینا، یا پھر کم نفع کثیر الضرر غذا کھالینا۔

حضرت اِمام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''میں نے سوا سال سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا کیونکہ اس سے سستی، قساوتِ قلبی پیدا ہوتی ہے، نیند زیادہ آتی ہے، جس سے عبادت میں سستی ہوتی ہے، البتہ گاہے بگاہے ایسا کرلینا مضائقہ ندارد۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معالجات

مرض کو بُرا بھلا نہ کہنا چاہئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بخار کا تذکرہ ہوا تو ایک آدمی نے بخار کو بُرا بھلا کہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بخار کو بُرا بھلا نہ کہو، یہ تو گناہوں کو اس طرح ختم کردیتا ہے جیسے آگ لوہے کے زنگ کو کھاجاتی ہے'' (سنن) ایک روایت میں ہے: ''یہ گناہوں کو صاف کرتا ہے، تم گالی دیتے ہو'' اور ایک روایت میں ہے کہ: ''اس کو پانی سے ٹھنڈا کیا کرو۔''

شہد سے علاج

صحیحین کی روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دستوں کا علاج شہد پینے سے فرمایا ہے، اس لئے کہ شہد میں بہت فوائد ہیں، رگوں اور آنتوں کے میل کچیل کو صاف کرتا ہے، پیشاب لانے والا ہے، جن کا مزاج تر ٹھنڈا ہو، بوڑھے اور بلغمی مزاج والوں کے لئے مفید ہے، افیم کی جگہ استعمال کیا جائے تو مفید ہے، کتے کے کاٹے ہوئے کو پانی میں ملاکر پلانا فائدہ مند ہے، گوشت اس میں ڈال دیا جائے تو تین ماہ تک نہیں سڑتا، اسی طرح کھیرا، ککڑی، بیگن چھ ماہ تک شہد کی وجہ سے خراب نہیں ہوتے، اسی طرح دُوسرے فروٹ بھی محفوظ ہوجاتے ہیں، مردے کے

جثّہ کو محفوظ رکھتا ہے، آنکھوں میں شہد لگانے سے نگاہ تیز ہوجاتی ہے، شہد لگا کر مسواک کرنے سے دانت صاف ہوجاتے ہیں، مسوڑھے مضبوط ہوجاتے ہیں، نہار منہ چاٹ لینے سے بلغم ختم ہوجاتا ہے، فضلات کو پکاتا ہے اور خارج کردیتا ہے، سُدّے کھولتا ہے، یہ غذا کی غذا اور دوا کی دوا ہے، اور پینے کی عمدہ چیز ہے، مفرحات میں مفرح ہے، اللہ کی بڑی نعمت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہار منہ پانی میں ملا کر پیا کرتے تھے، ابنِ ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے: ''جو شخص ہر ماہ تین صبح اسے چاٹ لیا کرے وہ بڑی بڑی تکالیف سے بچا رہے گا۔''

زخم پر راکھ ڈالنا

زخم لگ جائے تو چٹائی جلا کر راکھ بھر دینا بھی مفید ہے، جیسا کہ جنگِ اُحد میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم میں بھری تھی، اور اگر یہی راکھ خالی یا سرکہ میں بھگو کر نکسیر والوں کو سنگھائی جائے تو مفید ہے۔

بے ہوش ہوجانا

یہ کبھی تو مرضِ جسمانی سے ہوتا ہے اور کبھی اَرواحِ اَرضی کے اثر سے ہوتا ہے، جب یہ بے ہوشی اَرواحِ اَرضی سے ہو تو خالقِ اَرواح کی طرف توجہ تام کریں اور قوّتِ قلب کے ساتھ تعوّذ کریں، اس وقت توحید، توکل اور توجہ تام ہونا شرط ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے: ''اُخْرُجْ عَدُوَّ اللّٰہِ، اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ'' (ابوداؤد) مصروع کے کان میں: ''اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ'' آخر سورت تک پڑھا جائے، آیۃ الکرسی بار بار پڑھے جانا، اسی طرح معوّذتین خوب پڑھی جائیں، اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر پورا پورا اعتماد رکھ کر پڑھے، ضرور فائدہ ہوگا۔

عرق النساء

یہ ایک درد ہے جو انسان کے کولہے سے شروع ہوتا ہے پھر ران تک اور بعض دفعہ ٹخنے تک آجاتا ہے، ابنِ ماجہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، فرماتے تھے: عرق النساء کی دوا یہ ہے کہ جنگلی بکری کا الیہ (یعنی چکتی یا سرین) کی چربی لے کر پگھلا کر اس کے تین حصے کریں اور تین دن روزانہ نہار منہ ایک ایک حصہ پلا دیا جائے (بکری مذبوحہ ہو)۔

ذات الجنب

پسلیوں میں کسی قسم کا درد ہو جائے، اُسے عموماً پسلی چلنا کہتے ہیں۔

علامات:- بخار، کھانسی، درد، سانس رُک رُک کے آنا یا سانس پھولنا، اس میں نبض منشاری ہوتی ہے۔

علاج:- قُسط بحری جسے عود ہندی کہتے ہیں، خوب باریک کوٹ لیں اور گرم زیتون کے تیل میں ملالیں اور درد کی جگہ ملیں یا چٹائیں، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ذات الجنب کا علاج قسط بحری اور زیتون سے کرو۔ (ترمذی)

دردِ سر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سر کے درد والے کے سر پر کپڑے کی پٹی باندھ دیا کرتے تھے اسی سے آرام ہو جاتا تھا۔ نیز آپ نے دردِ سر کا علاج مہندی سے بھی فرمایا ہے، سو مہندی کو پیس کر سر پر اس کا لیپ کریں اور یہ دردِ سر کے علاوہ ہر درد کا علاج ہے، گرمی سے جو وَرم ہو جاتا ہے اس کے لئے بھی نافع ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پاؤں کے درد کے لئے بھی مفید بتلایا ہے کہ اس پر مہندی لگاؤ۔

(رواہ البخاری فی تاریخہٖ)

اگر منہ میں زخم ہوجاویں تو مہندی چبائی جائے، بچے کے پھنسیاں نکلنے لگیں تو اس کے تلوے پر مہندی لگادیں، اِن شاء اللہ نکلنا بند ہوجائیں گی۔ مہندی کے پھول گرم کپڑوں میں رکھ دیں تو ان کو کیڑا نہیں لگتا، اگر جذام کی ابتداء ہوجائے تو مہندی کے پتے ۲۰ درہم شیریں پانی میں بھگودیں کہ پتے سب پانی میں ڈوب جائیں، پھر ان کو نچوڑ کر اس پانی میں دس درہم شکر ملاکر چالیس روز تک پلائیں اور بکری کا گوشت کھلائیں، جذام کے لئے بہت نافع ہے۔

عذرہ

یعنی گلے پھول جانا، یہ ایک زخم ہے جو کان اور حلق کے درمیان میں نکلتا ہے، شاید اسے کمیڑ بھی کہتے ہیں، دراصل خون پر بلغم غالب ہوجاتا ہے، قانون میں لکھا ہے کہ کسی کے کوّے گر جائیں تو قُسط بحری یعنی شب یمانی اور مروے کے بیج سے علاج کریں، یعنی تخمِ ریحان، قُسط بحری کو عودِ ہندی کہتے ہیں، یہ سفید ہوتی ہے۔

اسے کوٹ چھان کر گوندلیں پھر سکھالیں بوقتِ ضرورت مریض کو چت لٹاکر کندھے ذرا اُونچے کریں تاکہ سر نیچا ہوجائے، اس کی ناک میں یہ ڈالی جاتی ہے اس طرح دوائی ٹپکانے کو "سعوط" کہتے ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُمّ المؤمنینؓ کے یہاں تشریف لائے تو وہاں ایک بچے کو دیکھا جس کے ناک کے نتھنوں سے خون بہہ رہا تھا، آپ نے دریافت فرمایا: اسے کیا ہوا؟ عرض کیا: اسے عذرہ ہے اس کے گلے پھول گئے ہیں، یا اس کے سر میں درد ہے، فرمایا: تمہیں ہلاکت ہو، تم اپنی اولاد کو کیوں مارتی ہو، (یہ شفقتاً فرمایا) جس عورت کے بچے کو عذرہ ہوجائے یا دردِ سر ہو تو قسط بحری (یعنی عودِ ہندی) لے کر پانی سے رگڑیں پھر اس بچے کی ناک میں ٹپکائے، حضرت عائشہؓ نے ان عورتوں کو بتایا اور انہوں نے پھر ایسا ہی

کیا اور آرام ہوگیا۔ (سنن و مسند)

وجع القلب

دِل کا درد، حدیث: حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں بہت بیمار ہوگیا تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، آپ بیمار پُرسی فرمایا کرتے تھے، آپ نے میری چھاتی کے درمیان دست مبارک رکھا، مجھے آپ کی اُنگشت مبارک کی ٹھنڈک محسوس ہوئی اور فرمایا: تم کو دِل کی بیماری ہے تم قبیلہ بنی ثقیف میں حارث بن کلدہ کے پاس چلے جاتے، وہ شخص طب سے واقف ہے، اچھا تم مدینہ منورہ میں عالیہ کی عجوہ کھجور کے سات دانے لو ان کو معہ گٹھلی کے کوٹ لو پھر ان کو منہ کی ایک جانب سے چوس لو۔ (ابوداؤد)

عامر بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عالیہ کی عجوہ کی سات کھجوریں صبح صبح کھالے تو اس دن اسے زہر اور جادُو اثر نہ کرے گا۔ (صحیحین)

پھنسی کا علاج

بعض ازواجِ مطہراتؓ فرماتی ہیں: رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میری اُنگلی میں پھنسی نکلی ہوئی تھی، آپ نے فرمایا: تمہارے پاس زریرہ ہے؟ عرض کیا: ہاں ہے، آپ نے فرمایا: اس کو پھنسی پر لگاؤ اور یہ کلمات کہو: "اَللّٰھُمَّ مُصَغِّرَ الْکَبِیْرِ وَمُکَبِّرَ الصَّغِیْرِ اَطْفِئْھَا عَنِّیْ." (رواہ الحاکم وقال صحیح الاسناد)

زریرہ ہندوستانی دوائی کا نام ہے، خشک و گرم ہوتی ہے، معدہ و جگر اور استسقاء کے ورموں میں بھی کام آتی ہے۔ صحیحین میں روایت ہے اُمّ المؤمنینؓ فرماتی ہیں: میں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاتھ سے زریرہ کے ساتھ خوشبو لگائی۔

زریرہ کو خوشبو کے ساتھ پکانے اور مادّہ نکلنے کی طاقت ہے اور زخم کی

سوزش کو ٹھنڈا کرتی ہے، اس سے قانونچہ میں لکھا ہے: بدن جل جائے تو گلاب کا تیل اور سرکہ میں زریرہ ملا کر لگانا نافع ہے۔

آنکھیں دُکھنی آجائیں تو ایک علاج اس کا یہ بھی ہے کہ حرکت کرنے سے بچیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب تک ازواجِ مطہراتؓ میں سے کسی کی آنکھ دُکھتی تھیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دُرست ہونے تک قربت نہ فرماتے تھے۔ (ابونعیم)

ف:- جس طرح گرم خشک اور گرم تر ہوا خلائے آسمانی میں دونوں چڑھتی ہیں تو ان سے بادل پیدا ہوتے ہیں، اسی طرح سمجھو کہ انسان کے معدے سے اخلاط رہتی ہیں، اور مختلف اَمراض پیدا ہوجاتے ہیں، اگر طبیعت قوی ہے تو ان بخارات کو خیشوم کی طرف پھینک دیتی ہے جس سے زکام ہونے لگتا ہے، اگر گلے کی طرف پھینکا تو خناق نزلہ شروع ہوجاتا ہے، آنکھ کی طرف پھینکا تو دردِ چشم ہوا، پیٹ کی طرف پھینکا تو دست شروع ہوں گے، دِماغ کی طرف گئے تو نسیان، پھر کبھی یہ بخارات سر سے نفوذ کرنا چاہیں گے اور طاقت نہ ہوگی تو دردِ سر یا کم خوابی اور اگر یہ گیس سر کے کسی حصے میں گئی تو آدھے سر کا درد، اگر دِماغ میں نمی ہوئی تو چھینک آتی ہیں، یہی بخارات و گیس پٹھوں کی طرف چلے تو بے ہوشی، اگر سر کے تمام پٹھے مرطوب ہوگئے تو فالج ہوجاتا ہے۔

تو مطلب یہ ہوا کہ آنکھ دُکھنے میں تمام سر اور بدن متحرک ہوتا ہے، جماع اور زیادہ حرکت پیدا کردیتا ہے، کیونکہ اس وقت تمام بدن متحرک ہوتا ہے، اس سے مزید اَمراض پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے، اس لئے آنکھ دُکھے تو حرکت کم کرے اور سکون و راحت اختیار کرے، آنکھ کو کم ہاتھ لگائے۔ مرفوع حدیث میں آیا ہے کہ آنکھیں دُکھیں تو ٹھنڈے پانی سے بھی علاج کریں، حضرت ابنِ مسعودؓ نے اپنی بیوی زینبؓ سے اس وقت کہا جبکہ ان کی آنکھ دُکھتی آرہی تھی کہ: تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کی بتائی ہوئی دوا کیوں نہیں کرتیں، ٹھنڈے پانی کے اس پر چھینٹے دو اور یہ دُعا پڑھو: "اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيُ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سُقْمًا"۔

زہر اور سمیات کا علاج

موسیٰ بن عقبہ نے کہا ہے کہ زہر کا علاج یہ ہے کہ زہر کے اثرات کو زائل کیا جائے یا ایسی دوائیں دیں جس سے زہر کا اثر دُور ہو جائے، اس کا ایک طریقہ پچھنے لگوانا ہے۔ زہر خون میں اثر کرتا ہے اور خون کے ذریعہ دِل میں جاتا ہے اور ہلاکت ہو جاتی ہے۔ پچھنے سے خون نکالا جاتا ہے، خون کے ساتھ زہر کا اثر بھی نکل جاتا ہے اور قلب میں اثر نہیں کرتا، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ علاج تجویز کیا ہے۔ اور کندھا ایسی جگہ ہے جہاں سینگی بالکل فٹ بیٹھتی ہے اور قلب سے تعلق ہے، اس لئے زہر کا اثر بالکل زائل ہو جاتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ آپؐ کو شہادتِ عظمیٰ سے نوازا جائے اس لئے زہر کے اثر سے شہادت پائی، چنانچہ حدیث شریف میں ہے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودن نے جو خیبر کی رہنے والی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھنا ہوا گوشت بھیجا، آپؐ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: یہ ہدیہ ہے، وہ جانتی تھی کہ آپؐ صدقہ تناول نہ فرمائیں گے، سو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اور صحابی کرامؓ نے بھی تناول فرمانا شروع کیا، مگر آپؐ نے فرمایا کہ: ہاتھ روک لو، اور یہودن سے کہا: کیا تو نے اس میں زہر ملایا ہے؟ اس نے کہا: آپؐ کو کیسے معلوم ہوا؟ آپؐ نے فرمایا: اس گوشت نے مجھے کہا ہے۔ بکری کی پنڈلی آپؐ کے ہاتھ میں تھی، اس کی طرف اشارہ کیا کہ اس نے بتایا ہے۔ یہودن نے اقرار کرلیا، آپؐ نے فرمایا: تو نے ایسا کیوں کیا ہے؟ یہودن نے کہا کہ: میرا ارادہ یہ تھا کہ دیکھوں اگر آپ اللہ کے نبی ہیں تو آپؐ کو اس سے ضرر نہ

ہوگا ورنہ لوگ آپؐ سے راحت پائیں گے، سو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کندھے پر تین سینگیاں لگوائیں اور صحابہ کرامؓ کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی سینگیاں لگوائیں، انہوں نے بھی لگوائیں۔ اس کے تین سال تک حیات رہے، انصار میں سے بنو بیانہ کا ایک غلام تھا ابو ہند اس نے سینگی لگائی تھی مگر وفات سے قبل یہی درد ہوا، فرمایا: خیبر میں جو گوشت کھایا تھا اس کا اثر برابر مجھے ہوتا رہاحتیٰ کہ اب میری رگ کٹ چکی ہے، اس سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوئے۔ (مسندِ عبدالرزّاق)

سحر

یہ مرکب ہوتا ہے اَرواحِ خبیثہ کی تأثیر اور طبیعت کے اثر قبول کرنے سے، لہٰذا اس کا علاج قوتِ قلب لانے والے اذکار و آیات سے کیا جائے، یہ دو لشکر ہوتے ہیں جو قوی ہوگا غالب آجائے گا، جب دِل توحید و توکل سے بھرا ہوا ہوگا، اذکار و دعوات کا زبان و قلب ساتھ دیں گے تو سحر اثر نہ کرے گا۔

اس لئے یہ سحر عورتوں، بچوں اور جاہلوں پر زیادہ چلتا ہے، یا جو نفوس شہوانی سفلیت کی طرف مائل ہوں ان پر چلے گا، سو جب دعوات و اذکار اعتقاد و یقین پر ہوگا تو سحر کیا اثر کرے گا۔

مسحور کو چاہئے اس کی طرف اِلتفات ہی نہ کرے، کچھ نہ ہوگا، ورنہ ساحر تصوّر کرے گا اسے کچھ ہوجائے اور مسحور بھی تصوّر کرے کہ مجھ کچھ ہوگیا ہے اور اَرواحِ خبیثہ بھی ادھر لائیں گی جو اس قسم کی خیالی خرابی کی طرف مسلط کی گئی ہیں اور اس کے پاس قوتِ قلب اور یقین یا اَوراد و اعمال کا لشکر ہے نہیں تو سحر غالب آجائے گا، ورنہ نہیں، لہٰذا قلب و زبان کو اس طرف سے پاک رکھے اور دِل سے یقین کامل رکھے کہ مجھے کچھ ہو نہیں سکتا، دُعائیں پڑھتا رہے، محفوظ رہے گا، اِلّا یہ کہ اللہ ہی کا حکم ہو تو کون روک سکتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کا حکم تھا، مگر آپ کو وحیٔ الٰہی میں کوئی فرق نہیں ہوا، صرف اَمراضِ جسمانیہ کی طرح سے لاحق ہوا، مثلاً ایک کام کرلیا مگر معلوم ہوتا کہ نہیں کیا ہے، اور یہ وادح نبوّت بھی عاداتِ بشریہ میں سے ہے۔

صحیحین میں روایت ہے کہ حضرت رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سحر کیا گیا تو آپؐ کا ایسا حال ہوگیا تھا کہ آپؐ کو بعض ازواج کے پاس آنے کا خیال ہوجاتا، حالانکہ ایسا نہیں تھا، یا ایک کام نہیں کیا اور خیال ہوتا کہ کرلیا ہے، یا کرلیا ہوتا خیال ہوتا کہ نہیں کیا ہے، اور یہ سحر کی وجہ سے اشد حالت تھی۔ (بخاری ومسلم) اور معوّذتین اس سحر کے دفعیہ اور علاج کے لئے نازل ہوئیں اور آپؐ کا سحر دفع ہوگیا، پھر ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ اخلاص اور معوّذتین مع بسم اللہ کے پڑھ کر ہاتھوں پر دَم کرکے تمام بدن پر ہاتھ پھیر لیتے تھے، اس طرح تین مرتبہ فرماتے اور یہ عمل پھر آخر عمر تک جاری رہا۔

عدویٰ یعنی ایک کی دُوسرے کو بیماری لگنا

اصل یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے انسان کے وہم و خیال میں اخذ یعنی لینے کی قوت رکھی ہے، اور انسان کے تصوّر و خیال میں ایک گونہ ایسی طاقت رکھی ہے کہ تصوّر کرنے ہی سے وہ بات حاصل ہوجاتی ہے بلکہ یوں کہو کہ انسان جیسا تصوّر و خیال کرتا ہے حق تعالیٰ ویسا ہی کردیتے ہیں، اس لئے انسان کو یقین وتوکل اور ایمان کامل رکھنا چاہئے، جب مؤمن کو خیال ہی نہ ہوگا کہ بیماری بھی کسی کو لگ سکتی ہے یہ ناممکن ہے، اس قوتِ قلب کی وجہ سے اسے بیماری لگ ہی نہیں سکتی، یہی تعلیم ہے اس حدیث میں کہ ایک کوڑھی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ پیالے میں بٹھاکر ساتھ کھانا کھلایا، فرمایا: ''بسم اللہ کہو اور کھاؤ۔'' (ترمذی) سو توکل کی برکت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ بھی نہیں ہوا۔ اور ضعیف الایمان ہوگا، اسے یہی خیال رہے گا

کہ یہ بیماری مجھے لگے گی اور اب لگی اور اب لگی، ایسے کمزور آدمی کو ارشاد ہے کہ بیماری کے پاس دیر تک نہ رہے، جیسے بخاری ومسلم کی روایت ہے کہ: ''بیمار پُرسی کے لئے جاؤ تو مریض کے پاس دیر تک نہ رہو'' (بخاری ومسلم) یا ایسے مریض کو تندرست کے پاس نہ لاؤ۔

حرام کے اندر شفا نہیں ہے

اللہ پاک نے جو اشیاء حرام کی ہیں ان کی نجاست یا خباثت کی وجہ سے کی ہیں، لہٰذا نجس یا خبیث شئ سے کیا علاج ہوگا، اور بعض دفعہ جو ایسی چیز سے فائدہ ہوتا ہے تو ضرور کسی دُوسری بیماری کو آجلاً یا عاجلاً لاکر کھڑا کردیتی ہے، اس لئے حرام دوائی کرنا ہی نہ چاہئے۔

صحیح مسلم میں حدیث ہے طارق بن سوید حضرمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہماری زمین میں انگور ہوتے ہیں، ہم ان کو نچوڑتے (اور شراب بناکر) پیتے ہیں، آپؐ نے ان کو منع فرمایا، انہوں نے دوبارہ پھر عرض کیا کہ ہم اپنے بیماروں کو شفا کے لئے پلاتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حرام میں شفا نہیں، ہاں مرض ہے۔''

حرام چیز اگر جسم کو فائدہ دے تو قلب کو مریض بنادیتی ہے، ایک دفعہ شفا ہوگئی تو عادت پڑے گی اور بلا علت کے بھی استعمال کرنے لگے گا، اس لئے شارع علیہ السلام کے مقصود کے بالکل خلاف ہوگا، لہٰذا سداً للذرائع بھی منع کیا گیا ہے۔

اور شراب تو دِماغ کو خشک کردیتی ہے، پھر شفا کی شرط یہ ہے کہ طبیعت اس دوا کو مانگے اور اسے قبول کرے، حرام سے تو طبیعتِ سلیم نفور کرے گی تو پھر کیا خاک نفع ہوگا؟

مریض کا دِل خوش کرنا بھی ایک معالجہ ہے

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا: جب تم مریض کے پاس جاؤ تو اس کی عمر میں برکت ہونے کی بات کہا کرو، کیونکہ آپ کے کہنے سے تقدیر تو ٹلے گی نہیں ہاں! مریض کا جی خوش ہوجائے گا۔'' (ابنِ ماجہ)

طبیب مریض کی تسلی تشفی کرے تو یہ ایک مؤثر علاج ہے، اس سے اس کی طبیعت قوت پکڑے گی اور قوت مرض کو دفع کرے گی، اس لئے ایسی باتیں کریں جس سے اس کو سکون ملے، رُوح کو قوت ملتی ہے اس لئے مریض کے محبوب یا محترم آدمی کے جانے سے مرض میں تخفیف ہوجاتی ہے، جیسا کہ مشاہدہ ہے، اسی لئے عیادتِ مریض کو مستحب قرار دیا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مریض کے پاس جاتے اس کا مرض اور شکایت دریافت فرماتے، کیا حال ہے؟ اسے کوئی خواہش ہوتی تو معلوم کرتے، اس کی پیشانی پر، کبھی چھاتیوں کے درمیان دست مبارک رکھتے، دُعا دیتے، فرماتے: کوئی مضائقہ نہیں اِن شاء اللہ خیر ہی ہے پاک کرنے والا ہے، ''لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَاءَ اللهُ'' کہتے، اپنے وضو کا پانی اس پر ڈال دیتے، مقصد یہ ہے کہ مریض کی دل بستگی فرماتے، جب اُسے انشراح ہوتا وہ خود بخود اچھا ہوجاتا۔

علاج کا ایک جزوِ اعظم پرہیز ہے

صحت مند آدمی کو مضرّات سے پرہیز کرنا اور مریض کو مرض بڑھانے والی اشیاء سے پرہیز لازم ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے فرمایا: اے علی! کھجور نہ کھاؤ، کیونکہ تم ابھی ضعف میں مبتلا ہو، اور اُن کو چقندر کا حریرہ بتلایا کہ وہ تمہاری طبیعت کے موافق ہے۔

حارث بن کلدہ عرب کا مشہور طبیب جسے بقراطِ وقت کہا جاتا ہے، اس کا قول ہے: ''الحمية رأس كل دواء وعودوا كل بدن ما اعتاده'' یعنی پرہیز کرنا ہر دوا کا سردار ہے، اور بدن کو جس کی عادت ہو اس عادت کو پورا کرو۔

اس کا قول ہے کہ: ''کھانا ترک کردینا بھی دوا ہے''، اسی کا قول ہے: ''المعدة بیت الداء'' معدہ اَمراض کی جڑ ہے۔ امتلائی مریض کو بھوکا رکھنا عمدہ علاج ہے، اور مریض کی طبیعت جس چیز کو قبول کرتی ہو تو معدہ جتنا آسانی کے ساتھ قبول کرے کھلا دینا بھی مفید ہے، اس سے صحت میں مدد ملتی ہے، طبیعت خوش ہوکر مرض کو دفع کرتی ہے، یہ اس سے زیادہ نافع ہے کہ طبیعت نہ مانتی ہو اور اسے کھائے۔

مریض کو خوش کرنا، ہنسنا ہنسانا بھی مرض کو رفع کردیتا ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: صہیب تمہاری آنکھ دُکھ رہی ہے تم کھجور نہ کھاؤ، انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس طرف سے چبا رہا ہوں جس طرف کی آنکھ نہیں دُکھ رہی ہے، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہنس پڑے۔ (ابنِ ماجہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مریض کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: کس چیز کی خواہش ہے اور تمہاری طبیعت چاہ رہی ہے؟ اس نے عرض کیا: گندم کی روٹی یا کعک کو طبیعت مانگ رہی ہے، آپؐ نے فرمایا: کسی کے یہاں گندم کی روٹی ہو تو اسے لادے۔ اور فرمایا: مریض جس چیز کی خواہش کرے اسے کھلا دیا کرو۔ (ابنِ ماجہ)

اسی طرح مزاج کی بھی رعایت کرنی چاہئے، جس کا سرد مزاج ہے اسے شہد فائدہ دے گا، گرم مزاج والوں کو نقصان دے گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاجوں میں اس کی رعایت ہوتی تھی، چنانچہ اعتدال پیدا کرنے کے لئے آپ نے گرم و تر چیزیں کھانے کو فرمایا ہے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ککڑی اور کھیرے کے ساتھ کھجور ملاکر کھایا کرتے تھے۔ (صحیحین)

کیلا، کھجور دُوسرے درجے میں گرم تر ہے، بارد معدے کو مفید، قوتِ باہ کو بڑھاتا ہے، مگر پیاس لگاتا ہے، خون گاڑھا کرتا ہے، معدے اور مثانے میں درد پیدا

کرتا ہے، دانتوں کے لئے مضر ہے۔

ککڑی، کھیرا دُوسرے درجے میں ٹھنڈا تر ہے، پیاس کو بجھاتا ہے، سونگھنے سے قویٰ اُبھرتے ہیں، معدے کی حرارت کم کرتا ہے، ان کے بیج کوٹ کر پانی میں ملاکر پینے سے پیاس رفع ہوجاتی ہے، پیشاب لاتا ہے، معدے کے درد کے لئے نافع ہے، کوٹ چھان کر دانتوں پر ملنے سے دانتوں کو سکون ملتا ہے، ملادینے سے دونوں میں اصلاح اور اعتدال ہوجاتا ہے اور اصلاح ہوجاتی ہے، یہ بھی علاج کا ایک اُصول ہے، جیسے سناءمکی کو شہد اور گھی اصلاح کردیتا ہے۔

مریض کو کھانے پر مجبور نہ کریں

حدیث شریف میں ہے: مریض کو کھانے پر مجبور نہ کرنا چاہئے۔ (ترمذی)

بات یہ ہے کہ طبیعت مرض کا مقابل کرتی ہے، اس وقت اسے کھانے کی حاجت نہیں ہوتی، اس وقت کھانے پر مجبور کرکے اس کی طبیعت کے مقابلے کو کمزور کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اسے کھلاتا اور پلاتا ہے، اس وقت مفرحات دینا اچھا ہے۔

اور بلغم خون پک جانے سے بنتا ہے، عمدہ خون ہوتو وہ خوراک لیتا ہے، کھانا بند کرنے سے بلغم کو روکتا ہے تاکہ خون صالح پیدا ہو، اس موقع پر خوراک دے کر خون صالح بننے سے روکتا ہے۔

طبیعت ایک ضروری اَمر میں لگی ہوئی ہے، کھانا کھلاکر اسے نہ روکو، اس مریض کو بھوک نہیں لگ رہی ہے تو اس کا سبب بھی ہے، جیسے مثلاً اسے رنج وغم ہے یا اَلمِ مرض ہے، ایسے وقت بھوک خود بھاگ جاتی ہے کیونکہ طبیعت اس سے زیادہ مشغول رکھنے والی بات کی طرف متوجہ ہے۔

کھانے میں مکھی پڑجانا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: جب تم میں سے کسی کے کھانے میں مکھی گر جائے تو اسے اس میں غوطہ دے دیا کرو، کیونکہ وہ زہریلا پَر پہلے ڈالتی ہے اور شفا والا پَر اُوپر رکھتی ہے۔ (صحیحین)

یہ بات مشکوٰۃِ نبوّت ہی سے معلوم ہوسکتی ہے، کہا گیا ہے اگر بھڑ یا بچھو کاٹ لے تو اس پر مکھی مار کر مل دی جائے تو سکون آجاتا ہے، یہ اسی لئے کہ اس کے ایک پَر میں شفا ہے، آنکھ میں گورنجنی ہوجائے تو مکھی کا سر کاٹ کر لگایا جائے تو ٹھیک ہوجاتی ہے۔

دو چیزیں جن کو ایک ساتھ کھانا منع ہے

اعتدال کی خاطر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مچھلی اور دُودھ ایک ساتھ نہیں کھائے، فقط اس لئے کہ دو چیزیں دونوں گرم ہوں یا دونوں سرد ہوں، دونوں قابض ہوں یا دونوں مسہل ہوں، یا دونوں غلیظ ہوں مثلاً قابض ہوں، قابض و مسہل جمع نہیں کریں یا مثلاً بھونا ہوا اور تازہ گوشت اور انڈا یا باسی انڈا اور گوشت اور دُودھ یہ سب اعتدال قائم رکھنے کی وجہ سے احتیاطاً منع کیا جاتا ہے، بلکہ آپ اعتدال قائم کرنے کے لئے ملانے کا حکم دیتے تھے مثلاً جیسے چھوارے یا کھجور کو گھی کے ساتھ پکالیں، اسے حیس کہتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحت کا بہت خیال فرماتے تھے۔

فرماتے تھے کہ: عشاء کے بعد کچھ کھالینا چاہئے، چاہے چند چھوارے ہی ہوں، شام کا کھانا چھوڑنے سے بڑھاپا جلدی آتا ہے۔ (ابنِ ماجہ)

اطباء نے کہا ہے کہ شام کا کھانا کھاتے ہی نہ سوئے بلکہ چہل قدمی کرے یا نماز پڑھ لے، اس طرح ریاضت وقعت کے بعد پانی نہ پیئے، ایسے جماع کے بعد یا کھانے پینے سے پہلے یا بالکل آخر میں پانی نہ پیئے، اسی طرح میوہ اور فروٹ کھانے کے بعد اور غسل کرنے کے بعد اسی طرح نیند سے اُٹھنے کے بعد پانی نہ پیئے یہ حفظِ

صحت کے لئے ہے۔

صحت

دراصل صحت کا دار و مدار اس پر ہے کہ بدن کی رطوبت و حرارت مقابلے میں برابر رہیں، کیونکہ رطوبت مادّہ ہے اور حرارت اسے پکاتی ہے اور اصلاح کر کے فضلات کو پھینک دیتی ہے، اگر رطوبت نہ ہو تو بدن جل جائے، اور جب رطوبت یا حرارت بڑھ جاتی ہے، مرض پیدا ہو جاتا ہے، حرارت ہمیشہ رطوبت کو تحصیل کرتی ہے جب مقابل کوئی ایک زائد ہوگئی تو مقابلہ نہ ہو سکے گا، ایک کمزور ہوگئی تو فضلات رہ جائیں گے، ردّی مواد پیدا ہوگا اور مختلف اَمراض اُبھر آئیں گے، اس لئے قرآن میں کہا ہے: ”کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا“ یعنی کمیت اور کیفیت کے مطابق بدن کھاتا جائے تو صحت رہے گی، زیادہ ہوگیا تو مرض لگ جائے گا، یہی اِسراف ہے، صحت اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، اسی لئے بخاری شریف میں روایت ہے جس میں صحت کا خیال نہ رکھنے والے کو مغبون کہا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہد اور حلوا پسند تھے، یہ غذاؤں میں اَنفع اور حفظِ صحت میں بڑی تاثیر رکھتے ہیں، اور سوائے علت والے کے کسی کو ضرر نہیں ہوتا۔

اسی حفظِ صحت کی وجہ سے لحمِ شاۃ میں گردن اور دست کا گوشت یا اگلے حصے کا گوشت پسند تھا، تربوز اور خربوزے کے ساتھ کھجور ملا کر اور جو کی روٹی سرکہ کے ساتھ کھا لیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر موسم اور ہر شہر کے مزاج کے مطابق چیزیں پیدا کی ہیں، لہٰذا سب سے پہلا پھل جو آتا تھا اسے تناول فرماتے، یہ بھی حفظِ صحت کے لئے ہے۔

تکیہ لگا کر کھانا

تکیہ لگا کر کھانے کو منع کیا ہے۔ (ابنِ ماجہ)

بات یہ ہے کہ تکیہ لگا کر یا کسی چیز کی ٹیک لگا کر یا پیٹ کے بل لیٹ کر کھانا مجری الطعام کو روک دیتا ہے اور معدے کی طرف جانے سے مانع ہوجاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک غلام کی طرح کھانا کھاتے تھے، آگے کی طرف جھک کر کھانا کھاتے تھے، یا اُکڑوں بیٹھ کر یا دائیں پیر پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے، اس طرح بیٹھنے سے اعضاء اپنی اصلی ہیئت پر رہتے ہیں اور کھانا سب جگہ پہنچ جاتا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین اُنگلیوں سے کھاتے تھے، کیونکہ اس سے کم اُنگلیوں سے کھانا کم مقدار میں جائے گا اور معدہ منتظر رہے گا، اس لئے سرور نہ ہوگا اور کھانا سرور سے ہضم ہوتا ہے، اور پانچوں اُنگلیوں سے کھانا زیادہ جائے گا جو معدہ پر بوجھ ہوجائے گا، سنت میں ہر بات کی رعایت ہے۔

نظرِ بد

نظر کا لگ جانا حق ہے، نظر لگ جاتی ہے، دیکھئے! سانپ کی ایک قسم ہے اسے افعیٰ کہا جاتا ہے، وہ سانپ اگر کسی طرف دیکھ لے تو اس کے دیکھنے ہی سے نظر جاتی رہتی ہے، اور حاملہ کی طرف نظر کرے تو اس کا حمل ساقط ہوجاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ نظر میں بھی اثرات ہوتے ہیں، حاسد کی نظر بھی جیث ہوتی ہے جب وہ کسی اچھی چیز کو دیکھتا ہے تو اس کی اندرونی تأثیر نظر کے ساتھ ملتی ہے اور اسے مریض کر ڈالتی ہے، اور اس تأثیر کے لئے دیکھنا بھی شرط نہیں ہے، نابینا کے آگے کسی چیز کی تعریف کی جائے تو اس کے نفس کا اثر پڑتا اور فساد ہوجاتا ہے اور نظر لگانے والا عموماً حاسد ہی ہوتا ہے، یہ نظر ایک تیر کی طرح ہے جو حاسد سے نکلتا اور دُوسرے پر جالگتا ہے، ہاں! اگر محسود ہتھیار بند ہے اس میں توکل و توحید غالب ہے تو نظر خطا کر جاتی ہے بلکہ زیادہ قوی ہتھیار والا ہو تو وہ نظر خود اسی حاسد کو لگ جاتی ہے، اسی لئے حاسد سے پناہ مانگی گئی ہے: "وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ" اور بعض مرتبہ انسان کو خود اپنی نظر

لگ جاتی ہے اور بعض مرتبہ بلا ارادے طبعاً بھی لگ جاتی ہے، نظر میں ایک قسم کی قوت ہے، دیکھو! تم کو کوئی گھور کر دیکھے تو تمہارے اندر خوف پیدا ہوجائے گا بلکہ بخار چڑھ جائے گا، اس لئے مسلم شریف میں حدیث ہے: "النظر حق" اور اسی حق ہونے کی وجہ سے رقیہ سے اس کا علاج کرنا آیا ہے، جیسا کہ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

نظرِ بد کا علاج

مرفوع حدیث میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نظر حق ہے، اگر کوئی چیز تقدیرِ خداوندی کو ہٹانے والی ہوتی تو یہ نظر ہوتی، سو اگر تم سے کوئی دھلوائے تو دھو دیا کرو۔ (مسند عبدالرزّاق)

اس دھونے کی ترکیب ترمذی میں اس طرح آئی ہے کہ جس نے ٹوکا دیا اور اس کی نظر لگی ہے اس لگانے والے سے کہا جائے کہ ایک پیالے میں پانی لے، ایک چلو منہ میں بھر کر واپس اس پیالے میں کلی کرے، پھر اس پیالے کے اندر ہی اندر اپنا چہرہ دھوئے، پھر بائیں ہاتھ میں پانی لے کر دائیں گھٹنے پر اس طرح ڈالے کہ پانی اس پیالے میں آجائے، پھر دایاں ہاتھ بھر کر بائیں گھٹنے پر اس طرح بہائے کہ پانی پیالے میں آجائے، پھر اس پیالے میں استنجاء کی جگہ دھوئے اور شرط یہ ہے کہ پیالے کو زمین پر نہ رکھے، پھر یہ سب پانی جس کو نظر لگی ہے اس کے پیچھے سے اس پر بہادے۔ یہ علاج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہوا ہے۔

اور بعض دفعہ جن کی نظر بھی لگ جاتی ہے، چنانچہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں ایک باندی کو دیکھا، اس کے چہرے میں جن کی نظر لگنے کا نشان تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کا تعویذ کرو کیونکہ اس کو نظر لگی ہے۔ (بخاری و مسلم) اس میں کچھ رُوح کا بھی اثر ہوتا ہے، حاسد کی

رُوح محسود کوضرر پہنچاتی ہے، اس لئے حاسد کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے اور اس کے علاج کے لئے معوّذتین، سورۂ فاتحہ اور آیۃ الکرسی کثرت سے پڑھنا آیا ہے۔

تعویذات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی رقیہ اور تعویذ کیا کرتے تھے، مثلاً:۔

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّآمَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ.

یا: اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّآمَّۃِ مِنْ شَرِّ کُلِّ شَیْطَانٍ وَّھَآمَّۃٍ وَعَیْنٍ لَّامَّۃٍ.

یا: اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّآمَّاتِ الَّتِیْ لَا یُجَاوِزُھُنَّ بِرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَأَ وَبَرَأَ وَمِنْ شَرِّ مَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمِنْ شَرِّ مَا یَعْرُجُ فِیْھَا وَمِنْ شَرِّ مَا ذَرَأَ فِی الْاَرْضِ وَمِنْ شَرِّ مَا یَخْرُجُ مِنْھَا وَمِنْ شَرِّ فِتَنِ اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ اِلَّا طَارِقًا یَّطْرُقُ بِخَیْرٍ یَّا رَحْمٰنُ.

یا: اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّآمَّۃِ مِنْ غَضَبِہٖ وَعِقَابِہٖ وَمِنْ شَرِّ عِبَادِہٖ وَمِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ وَاَنْ یَّحْضُرُوْنِ.

یا اس طرح کہے: تَحَصَّنْتُ بِاللّٰہِ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ، اِلٰھِیْ وَاِلٰہَ کُلِّ شَیْءٍ وَّاعْتَصَمْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّ کُلِّ شَیْءٍ وَّتَوَکَّلْتُ عَلَی الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ وَاسْتَدْفَعْتُ الشَّرَّ بِلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ، حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ، حَسْبِیَ اللّٰہُ الرَّبُّ مِنَ الْعِبَادِ، حَسْبِیَ اللّٰہُ الْخَالِقُ مِنَ الْمَخْلُوْقِ، حَسْبِیَ اللّٰہُ الرَّازِقُ مِنَ الْمَرْزُوْقِ، حَسْبِیَ اللّٰہُ ھُوَ حَسْبِیْ، حَسْبِیَ اللّٰہُ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُوَ

يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ، حَسْبِيَ اللّٰهُ وَكَفٰى، سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ دَعٰى، وَلَيْسَ وَرَاءَ اللّٰهِ مَرْعٰى، حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ.

یہ رقیے نظرِ بد سے روکنے اور دفع کرنے کے لئے ہیں، مگر ان پر پورا توکل اور یقین ہونا چاہئے، دِل کو یقین سے پرکھ کر، قلب کو مضبوط کرکے پڑھے، یہ ایک مضبوط ہتھیار ہے، اسے مضبوط ہوتا ہے۔

اور جس کی نظر لگتی ہو اسے چاہئے کہ جسے وہ دیکھے اسے "بَارَکَ اللّٰہ" کہہ دیا کرے، عامر بن ربیعہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا تھا: "ھلا برکت" یا "ما شاء اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ" کہہ دیا کرے، اِن شاء اللہ نظر نہیں لگے گی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی کسی باغ یا کسی چیز کو دیکھتے تھے تو یہی پڑھا کرتے تھے۔

بیماری کا رُقیہ

ہر بیماری کے لئے جبریل علیہ السلام نے یہ رقیہ بتایا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے:-

بِاسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ دَاءٍ فِيْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ اَوْ عَيْنٍ حَاسِدٍ، اَللّٰهُ يَشْفِيْكَ، بِاسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ. (مسلم)

ظاہر بینوں کے نزدیک یہ نظرِ بد کا علاج عجیب ہوگا مگر یہ تعجب کی بات نہیں، دیکھو! اگر کسی کو غصہ آرہا ہو تو جس پر غصہ آرہا ہے، وہ اپنا ہاتھ غصہ کرنے والے کے چہرے پر پھیر دے یا رکھ دے تو غصہ ٹھنڈا ہوجائے گا، ایسے ہی جس جانور نے تمہارے کاٹا ہے اسے مار کر اس جگہ مل دو زہر کا اثر کم ہوجائے گا، اسی طرح عائن کی آگ کا اثر اس پانی سے بجھ جائے گا۔

ایک طریقہ یہ بھی ہے جس کو نظر لگنے کا خطرہ ہو اس کے محاسن اور خوبصورتی

کو مستور کردو یا بدل دو، جیسا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک خوبصورت بچے کو دیکھا تو فرمایا: اس کی ٹھوڑی کے درمیان ایک سیاہ نقطہ لگادو۔

نظرِ بد کا ایک اور علاج

ابو عبداللہ تیاحی سے منقول ہے: وہ حج یا عمرے کے سفر میں تھے، وہ ایک بہت عمدہ اُونٹنی پر سوار تھے، لوگوں نے ان سے عرض کیا کہ: اپنی اُونٹنی کو سنبھال کر رکھو، قافلے میں ایک نظر لگانے والا آدمی بھی ہے، وہ بولے تم بے فکر رہو، وہ عائن آیا اس نے اس اُونٹنی کو نظر بھر کر دیکھا، اُونٹنی تڑپی اور مرگئی، عبداللہ تیاحی آئے، پوچھا: عائن کہاں ہے؟ وہ آیا، پھر انہوں نے یہ کلمات پڑھے:-

بِسْمِ اللہِ حَبْسٌ حَابِسٌ وَحَجَرٌ يَّابِسٌ وَشِهَابٌ قَابِسٌ رَدَدْتُ عَيْنَ الْعَائِنِ عَلٰى اَحَبَّ النَّاسِ اِلَيْهِ، فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ وَهُوَ حَسِيْرٌ.

عائن کی دونوں آنکھیں باہر آگئیں اور اُونٹنی ٹھیک ہوکر کھڑی ہوگئی۔

عام بیماریوں کا رقیہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے:-

رَبَّنَا اللہُ الَّذِیْ فِی السَّمَاءِ تَقَدَّسَ اسْمُکَ وَاَمْرُکَ فِی السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ كَمَا رَحْمَتُکَ فِی السَّمَاءِ فَاجْعَلْ رَحْمَتَکَ فِی الْاَرْضِ وَاغْفِرْ لَنَا حُوْبَنَا وَخَطَايَانَا اَنْتَ رَبُّ الطَّيِّبِيْنَ اَنْزِلْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِکَ وَشِفَاءً مِّنْ شِفَائِکَ عَلٰى هٰذَا الْوَجْعِ. (ابوداؤد)

بِسْمِ اللہِ اَرْقِيْکَ مِنْ كُلِّ دَاءٍ يُّؤْذِيْکَ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ

نَفْسٍ وَّعَيْنٍ حَاسِدٍ، اَللّٰهُ يَشْفِيكَ، بِاسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيكَ.

(مسلم)

سورۂ فاتحہ سے علاج کرنا بھی آیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توثیق فرمائی ہے۔

ایک راز

جانور جب کسی کے ڈستا ہے تو اُسے غصہ آجاتا ہے جو اس کے سارے جسم میں پھیل جاتا ہے، ایسے ہی ساحر جب کلماتِ سحر پڑھتا ہے اور اَرواحِ خبیثہ سے مدد لیتا ہے، یہ ایک لشکر ہے، دُوسرا جب اللہ پر کامل بھروسہ کرکے ان کلماتِ طیبہ کو قوت کے ساتھ پڑھے گا اور ان کے مضمون کو متحضر رکھے گا تو ان کا مقابلہ ہوگا، اور ان کلمات کی برکت سے وہ سحر اور زہر سب ختم ہوجائے گا، یہ تو تصوّرات کی لڑائی ہے جس کا تصوّر نمایاں ہوگا کامیاب ہوجائے گا۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں: مکہ مکرّمہ میں بہت بیمار ہوگیا، اور معالج بھی کوئی نہ تھا، بالآخر زمزم کا پانی لیتا اور اس پر بار بار "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" پڑھ کر پیتا رہا، اللہ نے آرام فرمادیا۔

بچھو کا جھاڑا

پانی میں نمک گھول کر قل ھو اللہ اور معوّذتین پڑھتا ہوا درد کی جگہ دھار سے پانی ڈالے، اِن شاء اللہ کچھ دیر ایسا کرنے سے آرام آجائے گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا کیا ہے۔ (ابن ابی شیبہ) یہ تو بعد کا علاج ہوا، لیکن پہلے ہی پڑھتا رہے تو جانور ڈسے گا ہی نہیں، صبح شام یہ کلمات پڑھ لیا کرے:-

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ. (مسلم)

ایسے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بلیات سے حفاظت کے لئے فجر کے بعد

اور سوتے وقت سورۂ اِخلاص اور معوّذتین معہ بسم اللہ کے پڑھ کر تمام بدن پر آگے پھر پیچھے ہاتھوں کو پھیرا کرتے تھے، اس طرح تین مرتبہ کرتے۔ (مسلم و بخاری)

حضرت ابوالدرداءؓ کا تعویذ

دن کے شروع میں پڑھے تو تمام دن، رات کے شروع میں پڑھے تو تمام رات بلیات سے حفاظت رہے، وہ کلمات یہ ہیں: "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنتَ عَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَاَنتَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ"۔

رات کو سورۂ بقرہ کی آخری آیات پڑھ لے تو تمام رات کے لئے کفایت کرلیتی ہیں۔

نملہ کا رقیہ

نملہ ایک قسم کی پھنسیاں ہوتی ہیں جن سے دونوں پہلوؤں میں چیونٹیاں سی چلتی ہیں، جیسے کاٹ رہی ہوں۔

حضرت شفا زمانۂ جاہلیت میں منتر سے اس کا علاج کیا کرتی تھیں، جب نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعتِ اسلام کی تو آپ سے عرض کیا، آپ نے فرمایا: وہ کلمات کیا ہیں؟ انہوں نے پیش کئے: "باسم ضلت حتی یعود فی افواھا ولا تضر احد اللّٰھم اکشف البأس رب الناس"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید یہ فرمایا کہ سات لکڑیاں لے کر ان پر یہ رقیہ کرو اور پاک جگہ یا کسی پتھر پر سرکہ لگا کر ان کو ملو پھر ان کو نملہ پر مل دو، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شفا سے فرمایا کہ جس طرح تم نے بی بی حفصہ کو کتابت سکھلائی ہے، اسی طرح یہ رقیہ بھی ان کو سکھلا دو۔ (ابوداؤد)

زخم اور پھوڑے پھنسیاں

جب انسان کا مزاج گرم ہوجاتا ہے اور آب و ہوا بھی گرم ہو تو پھنسیاں نکل

آتی ہیں، اور مٹی کی خاصیت خشک و سرد ہے، مٹی میں خشک کرنے کی خاصیت ہے، جتنی ٹھنڈی دوائیں ہیں ان میں سب سے ٹھنڈی مٹی ہے، یہ پھوڑے پھنسی کی حرارت کو متعدل کردیتی ہے اور ردّی رطوبت کو سکھاتی ہے جس سے زخم کی رطوبت سوکھ جاتی اور معتدل ہوجاتی ہے، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ جب کسی کو کوئی شکایت ہوتی یا کوئی زخم یا پھنسی ہوتی تو آپ اپنی اُنگلی مبارک کو اس طرح رکھتے اور حضرت سفیان نے دِکھایا کہ اپنی کلمہ کی اُنگلی کو زمین پر رکھا پھر اس کو اُٹھایا اور کہا: "بِسْمِ اللّٰہِ بِتُرْبَۃِ اَرْضِنَا بِرِیْقَۃِ بَعْضِنَا یَشْفِیْ سَقِیْمَنَا بِاِذْنِ رَبِّنَا"۔ (بخاری و مسلم)

ایک روایت میں ہے کہ پہلے اپنی اُنگلی کو تھوک لگائے پھر مٹی پر رکھے جو مٹی لگ جائے اس کو زخم پر مسح کرے اور یہ کلمات پڑھتا جائے، ان کلمات میں تفویض اور توکل الی اللہ ہے، اصل نفع راقی کا یقین اور مرقی کو انفعال کا یقین ضروری ہے، اگر مدینہ کی مٹی مل جائے تو بہتر، ورنہ ہر مٹی لے کر علاج کرے۔

درد کا علاج

حضرت عثمان بن العاص رضی اللہ عنہ نے شکایت کی کہ جب سے میں اسلام لایا ہوں مجھے درد ستا رہا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس جگہ درد ہے اس جگہ ہاتھ رکھ کر تین بار کہہ بسم اللہ اور سات مرتبہ کہہ: "اَعُوْذُ بِعِزَّۃِ اللّٰہِ وَقُدْرَتِہٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ"۔ (مسلم)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار پر دست مبارک رکھ کر یہ کلمات ارشاد فرماتے:-

اَللّٰھُمَّ رَبَّ النَّاسِ مُذْھِبَ الْبَأْسِ وَاشْفِ وَاَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُکَ شِفَاءً لَّا یُغَادِرُ سُقْمًا. (بخاری و مسلم)

پریشانی کا علاج

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پریشانی

کے وقت یہ کلمات پڑھا کرتے تھے:-

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْعَظِیْمُ الْحَلِیْمُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ. (بخاری و مسلم)

ایک روایت میں: "یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ" پڑھنا ہے۔

(ترمذی)

یا آسمان کی طرف نگاہ اُٹھا کر یوں کہتے: "سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ"۔ (ترمذی)

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو یہ کلمات بتلائے تھے: "اَللّٰہُ اَللّٰہُ رَبِّیْ لَا اُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا" یہ الفاظ سات مرتبہ کہیں۔ (ابوداؤد)

ان کلمات میں یہ اثر کیوں ہے؟

معنی اس کے یہ ہیں: میرا پالنے والا صرف اللہ ہی ہے، میں اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں کرتا۔

اب یوں سمجھئے کہ اعضائے انسانی میں ہر ایک عضو کو اللہ تعالیٰ نے ایک کمال بخشا ہے، اور ایک خاص صفت عنایت کی ہے، مثلاً آنکھ کو دیکھنے اور کان کو سننے کی قوت دی ہے، جب اس قوت میں نقصان آتا ہے تو غم ہوتا ہے اور یہ اعضاء اس غم کو اپنے بادشاہ جو کہ قلب ہے سونپ دیتے ہیں اور قلب غم میں لگ جاتا ہے، حالانکہ قلب اس کام کے لئے نہیں ہے جو اس سے لیا جاتا ہے، قلب دراصل ان کاموں کے لئے ہے کہ اپنے پیدا کرنے والے کو پہچانے، توحید کا قائل ہو، اللہ سے محبت کرے، اس سے راضی اور خوش ہو، کسی سے محبت کرے تو اللہ ہی کے لئے محبت کرے، بغض کرے تو اللہ ہی کے لئے کرے، ذکرِ الٰہی کرے، ماسوی اللہ سب سے بے نیاز رہے، یہ اس کی غذا ہے، اسی سے اس کی حیات ہے، اور سب سے بڑی بیماری اس کی شرک ہے، گناہ

اور غفلت ہے، اللہ پر اعتماد نہ کرنا، غیر اللہ کی طرف جھک پڑنا، اس کے وعد و وعید میں شک کرنا، ان امراض کا علاج طبِ نبوی میں ہے، وہ یہی الفاظ ہیں، یہ غذا ملی اور غم کافور ہوا، اقرار کرنا بڑی مؤثر دوا ہے۔

بعض متقدمین نے کہا ہے کہ جسم کی راحت کم کھانے میں ہے، زبان کی راحت کم بولنے میں ہے، قلب کی راحت گناہوں سے بچنے میں ہے۔

انسان ظالم و جاہل پیدا ہوا ہے، اپنی جہالت سے خواہشاتِ نفس کے پورا کرنے میں اپنی حیات سمجھتا ہے، حالانکہ یہی باعثِ تلف ہیں، سو دوا کی جگہ مرض مول لیتا ہے، یہ دُعائے کرب مشتمل ہے توحید پر، رُبوبیت پر، صفتِ علم و عظمت پر اور اس کے لئے لازم ہے کامل قدرت و عظمت اور رحمت، اور عرشِ عظیم ساری زمین و آسمانوں کو گھیرے ہوئے ہے، اور رَبّ عرشِ عظیم کا مالک ہے، جس کا مقتضی یہی ہے کہ اس زمین پر رہتے ہوئے بھی کسی سے نہ اُمید رکھے، نہ کسی سے خوف کرے، عبادت صرف اسی کی کرے اس کی ان صفات کو سوچے گا تو قلب کو غذا ملے گی، اس سے قوّت، پھر سرور و لذّت آئے گی، کرب و اَلم جاتا رہے گا۔

دُعائے کرب

دُعائے کرب یہ ہے:-

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ.

دُوسری دُعا یہ ہے: "يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ"۔

"حَيّ" اللہ کا نام ہے جو تمام صفاتِ کمالیہ کو جامع ہے، اور "قَيُّوْم" تمام صفاتِ جلالی کو مستلزم ہے، "حَيّ" سے کوئی کمال فوت نہیں ہوتا، "قَيُّوْم" سے کوئی فعل

پوشیدہ نہیں ہوتا، اسی لئے ’’حی و قیوم‘‘ کے ساتھ دُعا کرنے میں خاص اثر ہے، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی الفاظ کے ساتھ ایسے موقع پر دُعا کیا کرتے تھے۔

نماز بھی مصالحِ دُنیا و آخرت کے لئے بہترین وسیلہ ہے، گناہ سب امراض ہیں، نماز ان سے روکتی ہے، قلب کی دوا ہے، قلب کو روشن کرتی ہے، چہرے کو منوّر بناتی ہے، اعضاء کو نشاط میں لاتی ہے، رزق کھینچتی اور لاتی ہے، اندھیری کو رفع کرتی ہے، شہوات کی قامع، صحت وعفت کی محافظ، نقمت کی دافع، راحت اُتارنے والی، غم کو دفع کرنے والی، رحمت لانے والی، غم کو کھولنے والی، اس سے تمام اعضاء کو حرکت ہوتی ہے، اس سے صحت کی ضامن ہے، پیٹ کے امراض کی دافع ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ کر فرمایا: شکم درد، انہوں نے عرض کیا: ہاں میرے پیٹ میں درد ہے، آپؐ نے فرمایا: کھڑے ہوکر نماز پڑھو کیونکہ نماز میں شفا ہے۔ (ابنِ ماجہ) نماز کی ادائیگی میں تمام اعضاء کا تحرک ہوتا ہے جس سے مادّہ تحلیل ہوجاتا ہے اور صحت قائم ہوجاتی ہے۔

نیند نہ آنا

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نیند نہ آنے کی شکایت کی تو آپؐ نے ان سے فرمایا کہ اپنے بستر پر لیٹ کر یہ کلمات پڑھ لیا کرو:-

اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبۡعِ وَمَا اَظَلَّتۡ وَرَبَّ الۡاَرۡضِیۡنَ
وَمَا اَقَلَّتۡ وَرَبَ الشَّیَاطِیۡنِ وَمَا اَضَلَّتۡ کُنۡ جَارًا مِّنۡ شَرِّ
خَلۡقِکَ کُلِّھِمۡ جَمِیۡعًا اَنۡ یَّفۡرُطَ عَلَیَّ اَحَدٌ مِّنۡھُمۡ اَوۡ یَطۡغٰی
عَلَیَّ عَزَّ جَارُکَ وَجَلَّ ثَنَاءُکَ وَلَا اِلٰہَ غَیۡرُکَ.

آگ لگنا

عمرو بن شعیب روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب تم کہیں آگ لگی دیکھو تو تکبیر کہو، کیونکہ تکبیر اسے بجھا دے گی۔ (ترمذی)

پانی پینا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہد میں پانی ملا کر پیا کرتے تھے، اس طرح پینے میں صحت کے بے شمار فوائد ہیں، اس طرح نہار منہ پینے سے بلغم دُور ہو جاتا ہے، معدے کی خشکی دُور ہو جاتی ہے، معدے کو چکنا کرتا ہے اور فضلات کو نکال دیتا ہے، اور اعتدال کے ساتھ گرم کرتا ہے، سُدّے کھول دیتا ہے، جگر اور تلّی اور مثانے کو فائدہ بخشتا ہے، اور معدے میں جتنی چیزیں جاتی ہیں شہد ان میں سب سے زیادہ مفید ہے۔

صرف صفرا والے کو بالعرض نقصان کرتا ہے، کیونکہ صفرا میں اس سے حدت تیز ہو جاتی ہے اور ہیجان پیدا ہو جاتا ہے، اس وقت سرکہ سے اس کی اصلاح کرنی چاہئے پھر نافع ہو جاتا ہے۔

پینے کی چیز میں جب حلاوت اور برودت مل جائے تو بدن کی بہت اصلاح ہوتی ہے، جگر اور دِل کے لئے مفید ہے، رُوح سے اس کو عشق ہے، بڑی مدد دیتا ہے، غذا کا بھی کام دیتا ہے اور غذا کو اعضاء کی طرف بھیجتا ہے، اس کے ساتھ ٹھنڈا پانی ملایا جائے تو حرارت کو کم کر کے اصل رطوبت کو باقی رکھتا ہے، غذا کو رقیق کرتا ہے اور رگوں میں بھیجتا ہے، یہ پانی ہر چیز کو حیات بخشتا ہے تو انسان کو کیوں نہ بخشے گا: ”وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ“ ارشادِ باری ہے۔ کھانے میں پانی ہی سے غذائیت حاصل ہوتی ہے اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میٹھا اور ٹھنڈا پانی پسند تھا، چنانچہ بخاری شریف میں رات کو مشک سے ٹھنڈا کیا ہوا پانی پینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، باسی پانی خمیر کی طرح ہوتا ہے، اجزاء ترابیہ اس سے دُور ہو جاتے ہیں۔ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بیر سقیا سے شیریں پانی لایا جاتا تھا اور مشک کا پانی لذیذ ہوتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ بیٹھ کر پانی تین سانس میں پیا کرتے تھے، کھڑے ہوکر پانی پینے میں سیری کم ہوتی ہے، معدے میں جمع نہیں ہوتا تاکہ تلّی اسے تقسیم کرے اور معدے کی حدت پر ایک دم جا گرتا ہے، ہوسکتا ہے کہ معدے کی حدت ہی کو ختم کردے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تین سانس میں پینے کے متعلق فرماتے تھے: "ھی اروٰی وامرء"۔ (مسلم) اسی طرح پیالے کو ہٹا کر سانس لیتے تھے۔

اس سنت کے فوائد، ایک تو خود ہی فرمادیا: "ھی اروٰی" یعنی سیراب کنندہ ہے، "امـــرء" شدّتِ عطش کے مرض کا دافع ہے، کیونکہ معدے کی گرمی پر تھوڑا تھوڑا جاتا ہے تو سکون بخشتا ہے، "امرء" بمعنی خوشگوار یا "مری" سے جلد گزرنے والا ہے۔

عبداللہ بن مبارکؒ سے مرفوعاً روایت ہے:-

اذا شرب احدکم فیعص مصا ولا یعب عبا فان الکباد من العب. (بیہقی)

ترجمہ:- جب تم میں سے کوئی پانی پیوے تو چوس کر پیئے ایک دم نہ پیئے کہ کباد یعنی جگر میں درد اسی سے ہوتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے:-

لا تشربوا نفسا واحدا شرب البعیر ولٰکن اشربوا شتی ثلٰث مرات وسموا اذا شربتم. رواہ احمد فی روایۃ اذا فرغتم. (ترمذی)

ترجمہ:- تم اُونٹ کی طرح ایک سانس میں نہ پیا کرو، الگ الگ تین سانس میں پیا کرو اور جب پیو تو بسم اللہ پڑھ لیا کرو۔

شروع میں "بسم اللہ" اور آخر میں "الحمد للہ" کہنے کے فوائد بے شمار اس میں مضمر ہیں، پانی کو ڈھانپ کر رکھنے کا حکم ہے اور برتن کو ڈھانپتے وقت "بسم اللہ" پڑھ

کر ڈھانپنا چاہئے، اس سے پانی میں وبا داخل نہیں ہوتی اور شیطان کا اثر نہیں ہوتا۔

کھڑے ہوکر مشک کا منہ کھول کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے، اسی طرح ٹوٹے ہوئے پیالے کی ٹوٹ کی طرف سے پانی پینے کو منع فرمایا ہے، اور پانی میں پھونک مارنے کو منع کیا ہے کیونکہ معدے کے بخارات پانی میں شامل ہوجاتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی شہد اور کبھی دُودھ میں پانی ملاکر پیا کرتے تھے، دُودھ کی لسی گرم ممالک میں بہت مفید ہے، دُودھ پی کر یہ دُعا کرے: ''اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْہِ وَزِدْنَا مِنْہُ'' اس کی وجہ یہ ہے کہ دُودھ غذا اور پانی دونوں کا کام دیتا ہے، ترمذی میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبیذِ تمر بھی پیا کرتے تھے۔

لباس

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عموماً چادر استعمال فرماتے تھے اور تہبند باندھتے تھے اور کُرتے کو محبوب رکھتے تھے۔ (نہایہ) کُرتے کی آستین کلائی تک ہوتی تھی، ازار نصف پنڈلی تک ہوتا تھا، عمامہ نہ بہت چھوٹا سا، نہ بہت بڑا بلکہ درمیانہ اندازاً سات ہاتھ کا ہوتا تھا، کبھی کبھی شملہ کو گلے میں کرلیتے تھے، اس میں فائدہ یہ ہوتا ہے کہ گردن کو گرمی سردی سے بچاؤ ہوجاتا ہے، بالخصوص سواری کے وقت مفید ہے، سفر میں عموماً موزے استعمال فرماتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفید لباس پسند تھا اور یمنی چادریں جن میں سرخ دھاری ہوتی تھیں اور سیاہ کملی اور سبز و سیاہ عمامہ پہنتے تھے۔

مسکن

دُنیا دارِ رحلہ و دارِ سفر ہے، اس لئے مسکن میں زیادہ زیب و زینت اور مضبوطی نہ کرتے تھے، مسافر کی طرح سردی گرمی سے بچاؤ ہوجائے اور پردے کا انتظام ہوجائے، جانور اندر نہ آسکیں اور بوجھ سے گر پڑنے کا اِمکان نہ ہو، نہ اتنا وسیع کہ ہوام رہنے لگیں، بس ضرورت کے لائق ہوتا تھا اور نہ بیت الخلاء گھر کے اندر بنائے تھے، جس

کی تعفن سے صحت خراب ہو، حفظِ صحت کے لحاظ سے ایسا مسکن ہی بہتر ہے۔

سونا

اوّل رات سوتے اور آخری رات اُٹھ کر نماز ادا فرماتے کہ بدن کو بھی راحت ملے اور ریاضت و عبادت بھی ہو جائے، حسبِ ضرورت نیند کرتے اور جب سونے لگتے تو دائیں کروٹ پر ذکرِ الٰہی کرتے کرتے سو جاتے۔ چمڑے کے بستر پر جس میں کھجور کی چھال بھری ہوتی تھی استراحت فرماتے، نہ زمین پر نہ اُونچے تخت پر، ہاں! تکیہ لگا لیتے تھے اور کبھی دایاں ہاتھ سر کے نیچے رکھ لیتے تھے، نیند سے قویٰ کو راحت ملتی ہے اور غذا ہضم ہو جاتی ہے، دائیں کروٹ سونے میں کھانا جلدی ہضم ہوتا ہے اور بائیں کروٹ پر کثرت سے سونا دِل کے لئے مضر ہے کیونکہ سارا زور قلب کی طرف ہو جاتا ہے اور اسے مواد نہیں پہنچتا، اور سب سے ردّی سونا پیٹ کے بل سونا ہے اور راحت لینے کے لئے سونا ہو تو چت لیٹنا اچھا ہے، اوندھے منہ سونے سے ایک آدمی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا تھا کہ یہ جہنمیوں کا سونا ہے۔ (ابنِ ماجہ)

دِن کے سونے سے رطوبت بڑھتی ہے جس سے رنگ بھی خراب ہو سکتا ہے، تلّی بڑھنے کا خطرہ ہے، پٹھے ڈھیلے پڑتے ہیں، کسل پیدا ہوتا اور شہوت میں کمی آتی ہے، ہاں! گرمیوں میں سو جانا بہتر ہے اور قیلولہ کرنا یعنی دو پہر کو تھوڑا آرام کرنا سنت ہے اور بہت فائدہ مند ہے۔ ان میں سب سے ردّی دن کے اوّل حصے میں سونا ہے، کہا گیا ہے: عصر کے بعد سونا حماقت ہے اور فجر کے بعد سونا رزق کو کم کرتا ہے، اور یہ کہ سونا ضروری ہو جائے اسی طرح کچھ دُھوپ اور کچھ سایے میں سونا منع ہے، اور دُھوپ میں بھی زیادہ نہ سونا چاہئے جیسا کہ ابوداوٗد اور ابنِ ماجہ کی روایات سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

عبادات بالخصوص نماز، روزہ، حج کے مناسک، جہاد، وضو اور غسل وغیرہ

سب کے اندر حفظِ صحت کے اُصول پائے جاتے ہیں، مگر ان کو عبادت سمجھ کر ہی ادا کرنا چاہئے۔

جماع

اس میں تین مقصد ہوتے ہیں:

۱- حفظِ نسل۔

۲- اس میں پانی یعنی منی کا اخراج جس کا احتباس بدن کے لئے مضر ہے۔

۳- لذّت پوری کر کے راحت لینا۔

یہ منی اگر خارج نہ ہو تو بہت سے امراض پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے، اس لئے اعتدال کے ساتھ جماع کرنا مفید ہے۔

بعض اسلاف سے مروی ہے کہ اگر چہل قدمی کی فرصت ملتی ہے تو کھانا کھانا ترک نہ کرے بلکہ کھا کر چہل قدمی کرے ورنہ انتڑیوں میں انقباض آجاتا ہے، اور جماع بھی ترک نہ کرے کیونکہ کنویں سے پانی نہ نکالا جائے تو متعفن ہوجاتا ہے یا سوکھ جاتا ہے، اور جماع کرنے سے پہلے ملاعبت اور تقبیل کرنا اور مص لسان کرنا مستحب ہے، ”لأن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقبل بعض ازواجه ویمص لسانها“۔

اور کھانا ہضم ہوجانے کے بعد جماع کرے اور جب شہوت غلبہ کرے تب کرے، سوچ سوچ کر شہوت پیدا نہ کرے، اسی طرح زیادہ بڑھیا عورت جو قابلِ جماع نہ ہو یا چھوٹی عمر والی، بیمار اور جسے شہوت نہ ہوتی ہو یا قبیحۃ المنظر سے جماع کرنے میں قوت گھٹتی ہے، ایسے حائضہ اور نفساء سے جماع کرنے کی شرعی ممانعت ہے، کثرتِ جماع سے اعصاب کمزور ہوجاتے ہیں، رعشہ، فالج، تشنج اور ضعفِ بصر جیسے امراض پیدا ہوجاتے ہیں۔

جماع بہر صورت و ہیئت جائز ہے مگر قبل میں ہو دُبر میں حرام ہے، اور بہتر

صورت یہ ہے کہ عورت فراش بنے اور مرد اُوپر ہوکر کوشش کرے۔

خوشبو

یہ رُوح کی غذا ہے، اور رُوح اعضاء کے لئے سولدی کی طرح ہے، قویٰ خوشبو سے ترقی پکڑتے ہیں دماغ واعضائے رئیسہ کو فرحت وطاقت ملتی ہے، رُوح کو خوشبو سے مناسبت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو پسند تھی اور آپؐ واپس نہیں فرماتے تھے۔ (بخاری)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ڈبیہ تھی جس میں خوشبو رکھا کرتے تھے، ملائکہ بھی خوشبو کو محبوب رکھتے ہیں اور بدبو سے ان کو ایذا ہوتی ہے۔

آنکھ کا علاج

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اثمد کو لازم کرلو، یہ نگاہ کو تیز کرتا ہے اور پلکیں اُگاتا ہے۔ اثمد ایک خاص قسم کا سرمہ ہے، مشک والا اثمد آپؐ استعمال فرماتے تھے اور رات کو سوتے وقت تین تین سلائی ہر آنکھ میں ڈالا کرتے تھے۔ (ابنِ ماجہ)

مفردات جن کا تذکرہ احادیث میں آیا ہے:-

اثمد

یہ پتھر کا سیاہ رنگ کا سرمہ ہوتا ہے، اصفہان سے آتا ہے، یہ سرد خشک ہے، آنکھ کو قوت دیتا ہے، مشک میں ملا کر لگایا جائے تو بڑھاپے میں بڑا فائدہ مند ہے۔

نارنگی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مؤمن قرآن مجید پڑھتا ہے اس کی مثال نارنگی جیسی ہے کہ مزہ بھی عمدہ اور خوشبو ورنگ بھی اچھا۔ (بخاری ومسلم) اسے سنترہ بھی کہتے ہیں، سنترے میں چار چیزیں ہیں، چھلکا، گودا، کھٹاس اور بیج۔

چھلکے کے منافع:- کپڑوں میں رکھو تو سسلی اور کیڑا نہ لگے، کھانے میں ڈال لو تو ہاضمے میں مدد دے، سانپ کے کاٹے کو سنترے کے چھلکے نچوڑ کر پلانا مفید ہے۔

اس کا گودا:- حرارتِ معدہ کا دافع، صفرا اور پت والے کو نافع، گرم بخارات کا دافع، نافقی نے کہا ہے اس کا گودا بواسیر والے کو نافع ہے۔

کھٹاس:- قابض ہے، مگر صفرا کا قاطع ہے، یرقان والے کو پلائیں اور اس کی آنکھ میں لگائیں، صفرائی قیل اور اسہال کو نافع ہے، چہرے میں ملنے سے چہرے کی جھائیاں رفع ہوجاتی ہیں، جگر کی گرمی کو نفع بخشتا ہے، معدے کو قوت دیتا ہے، اور پیاس بجھاتا ہے۔

سنترے کے بیج:- بیج کے چھلکے اُتار کر دو مثقال ڈسے ہوئے کو پلائیں اور ان کو کوٹ کر ڈسنے کی جگہ لگائیں، اور ہر قسم کے جانور کے کاٹے کا علاج ہے۔ ایک مرتبہ کسریٰ نے ایک طبیب کو قید کرلیا اور کہا کہ: سالن صرف ایک دیں گے بتاؤ کیا لینا چاہتے ہو؟ طبیب نے کہا: سنترہ دے دو، پوچھا گیا: تم نے اسے کیوں اختیار کیا ہے؟ طبیب نے کہا: یہ پھول کی طرح مفرح ہے، اس کا چھلکا خوشبودار ہے، اس کا گودا میوہ ہے اور کھٹاس سالن ہے اور بیج تریاق ہے، اور ساتھ میں تیل بھی ہے۔ مؤمن قرآن پڑھنے والا ہی مفید ہی مفید ہے۔

چاول

گرم خشک ہے، گندم کی طرح غذائیت رکھتا ہے، معدے کو قوت دیتا ہے، ہندی میں اظہار کہتے ہیں کہ چاول گائے کے دُودھ کے ساتھ پکائے جائیں تو عمدہ غذا بن جاتا ہے، اسے کھیر کہتے ہیں، منی بڑھاتا اور رنگ صاف کرتا ہے۔

تربوز

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تربوز کھجور کے ساتھ ملا کر کھایا کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

تربوز تر سرد ہے، کھیرے، ککڑی کی بہ نسبت معدے میں جلدی پہنچتا ہے اور معدے میں جو خلط ہو اسے حل کر دیتا ہے، جس کا مزاج سرد ہو وہ سونٹھ ملا کر کھائے اور کھانا کھانے سے پہلے کھائے تو پیٹ کو دھو دیتا ہے اور بیماری کو بھی نکال دیتا ہے۔

انار

تازہ بہت بہتر ہے، معتدل مائل بسرد ہوتا ہے، اس کا گودا گرم تر ہے، صالح خون پیدا کرتا ہے اور معدے میں جلدی پہنچ جاتا ہے، غذائت اس میں معمولی ہے، کھانسی اور اندرونی زخموں کو مفید ہے، حلق کی خشونت کو دفع کرتا ہے، گرمی کی وجہ سے آنکھ آئیں تو ڈالنے سے درد میں نفع دیتا ہے، چہرے پر مل لیا جائے تو دُھوپ چہرے پر اثر نہیں کرتی، کندر کے ساتھ ملا کر پیشانی پر مل لیں تو نزلہ کو فائدہ دیتا ہے۔

پیاز

ابوداؤد میں روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کھانا کھایا ہے اس میں پیاز تھی، اور صحیحین میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیاز کھا کر مسجد آنے سے منع فرمایا ہے۔

پیاز تیسرے درجے میں گرم ہے، لُو کے لئے نافع ہے، معدے کو قوی کرتی ہے، باہ کو اُٹھاتی ہے، منی کو بڑھاتی ہے، رنگ نکھارتی ہے، بلغم کو نکالتی ہے اور معدے کو صاف کرتی ہے۔

مولی کے بیج داء الثعلب کے گرد لگانا نافع ہے، نمک کے ساتھ لگانا مسوں کے لئے نافع ہے، کان کے امراض کے لئے نافع ہے، آنکھوں میں پانی اُتر آئے تو پیاز کا پانی لگائیں، آنکھوں کی سفیدہ کے لئے شہد میں ملا کر لگائیں، پکی ہوئی پیاز کثیر الغذاء ہے، یرقان اور کھانسی میں سینے کی سختی کے لئے نافع ہے، پیشاب لاتی ہے۔

کھجور

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیلا اور روٹی کے ساتھ کھایا ہے، گرم ہوتا

ہے، تلّی کو قوت دیتا ہے، باہ کو قوت دیتا ہے، صنوبر کے ساتھ کھائیں، بعض آدمیوں کے دانتوں کو نقصان دیتا ہے، سرے بڑھاتا ہے، دردِ سر بھی پیدا کرتا ہے، اس کی اصلاح بادام اور خشخاش سے ہوتی ہے، روزانہ نہار منہ کھانے سے پیٹ کے کیڑے مرجاتے ہیں۔

انجیر

اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم کھائی ہے، گرم ہے، پکا ہوا سفید چھلکے والا اچھا ہوتا ہے، تمام فواکہ میں سب سے زیادہ غذائیت والا ہے، حلق کی خشونت، سینے اور مثانے کو نفع دیتا ہے، جگر اور تلّی کو دھو ڈالتا ہے، معدے میں سے بلغمی خلط کو نکالتا ہے اور عمدہ غذا مہیا کرتا ہے، خشک ہو تو یہ پٹھوں کو نافع ہے، اَخروٹ اور بادام کے ساتھ کھانا محمود ہے، اس کا گودا پُرانی کھانسی کے لئے نافع ہے، پیشاب کو جاری کرتا ہے، نہار منہ کھانے میں عجیب خاصیت رکھتا ہے، پسے ہوئے جو ملا کر حریرہ بناتے ہیں۔

لہسن

گرم خشک ہے، جس پر فالج کے آثار ہوں اس کے لئے نافع ہے، ہاضم ہے، مدر بول ہے، ہوام کے کاٹے ہوئے اور ورموں کے لئے تریاق ہے، سانپ بچھو کاٹ لے تو اس کو کوٹ کر ٹکیہ اس پر لگادیں تو زہر کو چوس لیتا ہے، بلغم کے لئے نافع ہے، حلق کو صاف کرتا ہے، پانی بدن ہو تو مفید ہے، پُرانی کھانسی کے لئے مفید ہے۔
سرکہ، نمک اور شہد و لہسن کیڑے والے دانت کو نکال دیتے ہیں، دردِ دانت کے لئے بھی فائدہ مند ہے، بینائی کے لئے مضر ہے، بلڈ پریشر ہائی ہو تو اس کے لئے ایک دو جوے کھالینا مفید ثابت ہوا ہے۔

(ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی شوال ۱۴۰۸ھ - جون ۱۹۸۸ء)

تقریر

حضرت العلامۃ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مفتیٔ اعظم پاکستان

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تقریر جو ۴؍رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ میں سکھر کی جامع مسجد میں خطابِ جمعہ کے دوران حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی تھی۔ اس تقریر کو جامعہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالحکیمؒ صاحب نے قلم بند فرمایا تھا، اب حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب بھی دُنیا سے تشریف لے جاچکے ہیں، اللہ تعالیٰ دونوں بزرگوں کے درجات بلند فرمائیں، آمین۔

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

فقال اللہ تبارک وتعالیٰ: وَجَاھِدُوْا فِی اللہِ حَقَّ جِھَادِہٖ

... الیٰ... فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ.

آج میرے لئے چند خوشیاں جمع ہوگئی ہیں، اوّل یہ کہ تقریباً بارہ سال قبل اس جامع مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا گیا تھا اور اب میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بڑی شاندار مسجد کو دیکھ رہا ہوں، اور پوری مسجد الحمدللہ نمازیوں سے بھری ہوئی ہے، اور دراصل مسجد کی آبادی نمازیوں ہی سے ہوتی ہے، مسجد بھی ہو اور نمازی بھی ہوں، اصل تعمیر یہی ہے۔ دُوسری نعمت یہ ہے کہ جناب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم اور سنتِ مبارکہ کی جھلک اللہ جل شانہ نے عنایت فرمائی جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ

وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے ہیں تو سب سے پہلا انتظام آپؐ نے مسجد ہی کا فرمایا، مسجد تعمیر فرمائی اور دُوسرے سال رمضان المبارک کے مہینے میں جہاد کا آغاز فرمایا، جسے جنگِ بدر کہا جاتا ہے، تو پہلے تعمیرِ مسجد ہوئی، اس کے بعد دفاعی جہاد، یہی حسنِ ترتیب اللہ تعالیٰ نے اس مسجد کو بھی بخشی کہ پہلے یہ مسجد تعمیر ہوئی اس کے بعد مسجد بنانے والوں کو جہاد کی توفیق ہوئی، جو ۶ر ستمبر ۱۹۶۵ء کو بھارت کے جواب میں ہوا۔

تاریخِ اسلام ایسے واقعات سے لبریز ہے کہ جہاں بھی مسلمانوں نے فتوحات کی ہیں، فتح پالینے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جماعت کا انتظام کرنے کے لئے مساجد تعمیر کرائیں، اِقامتِ صلوٰۃ اسلام کی اَساس اور بڑا ستون ہے، جس طرح کوئی تعمیر ستونوں پر قائم ہوتی ہے، اسی طرح دِینِ اسلام کا نماز بڑا عظیم الشان ستون ہے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جب مصر فتح کیا تو ان کی مسجد آج تک وہاں موجود ہے، اسی طرح ملکِ شام فتح ہوا تو وہاں جو فتح کے بعد مسجد تعمیر ہوئی وہ آج بھی موجود ہے، غرض جس جگہ لشکر گیا شہر ہو، گاؤں ہو، حتیٰ کہ جنگل میں اگر قیام کرنا پڑا تو وہاں بھی مسجد تعمیر کی۔ محمد بن قاسمؒ نے سب سے پہلا بڑا حملہ سندھ میں دیبل پر کیا، عربی مؤرِّخین اس کو دیبل ہی لکھتے ہیں، لیکن اس کی تعین میں اختلاف ہے کہ اب وہ کون سی جگہ ہے، کسی نے کہا منوڑہ کا مقام ہے، کسی نے ٹھٹھہ کو کہا، لیکن جدید محکمۂ آثار سے معلوم ہوا کہ وہ کراچی سے دُور ایک جگہ ہے وہ جگہ دیبل ہے، وہاں راجہ داہر کا ایک دبا ہوا قلعہ بھی نکلا ہے، اور ایک جامع مسجد کے آثار بھی نکل رہے ہیں، اس دیبل کا حضرت محمد بن قاسمؒ نے محاصرہ کیا ہوا تھا، محاصرے کے بعد بڑی بہادری سے تین دن کی لڑائی کے بعد وہاں امن قائم ہوگیا تو سب سے پہلا کام یہ کیا گیا کہ ایک جامع مسجد کی بنیاد رکھی گئی اور چار ہزار گھر

مسلمانوں کے یہاں آباد ہوئے۔ (بلاذری ص:۴۳۷)

محمد بن قاسمؒ بارہ ہزار کا لشکر لے کر یہاں آئے جس میں چھ ہزار عراقی تھے اور چھ ہزار دیگر مجاہدین تھے، محاصرے کے بعد قبیلہ مراد کا ایک سپاہی جو کوفہ کا رہنے والا تھا سب سے پہلے فصیل پر چڑھ کر اس نے اسلامی جھنڈا نصب کردیا، اور ''اللہ اکبر'' کی پُر رُعب آواز سے مسلمانوں کو اپنی کامیابی کا خیال دِلایا، پھر تو مسلمان ہر طرف سے پہنچ گئے اور شہر میں داخل ہوگئے، یہ اللہ کا نام ایسا ہے کہ جب مسلمان اس کا نام لے کر اللہ تعالیٰ کے نام کو اُونچا کرنے کے لئے آگے بڑھتا ہے تو کامیابی اس کے قدم چوم لیتی ہے۔

اس سے آگے بڑھ کر برہمن آباد کے شہر پر حملہ کیا، برہمن آباد دُوسری صدی میں آکر مٹ گیا، اس کا جائے وقع اب تک معلوم نہیں، البتہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ روہڑی اور حیدرآباد کے درمیان کسی جگہ تھا، بہرحال یہ بھی فتح ہوگیا اور مجاہدین کی تعداد تیس ہزار ہوگئی۔ سوچنا یہ ہے کہ شروع میں بارہ ہزار فوج تھی اب یہ اٹھارہ ہزار کہاں سے بڑھ گئے؟ کوئی خاص کمک نہیں ہوئی، ظاہر ہے کہ یہ اسلام کی حقانیت کی دلیل تھی کہ اس قلیل عرصے میں اَٹھارہ ہزار افراد مسلمان بلکہ غازی بن گئے، حدیث شریف میں ہے:-

لن یّغلب اثنا عشر الفًا من قلّةٍ.

ترجمہ:- مسلمانوں کا لشکر اگر بارہ ہزار ہو تو وہ قلّت کی بناء پر کبھی مغلوب نہ ہوگا۔

اصل ہتھیار صلاح وتقویٰ وللّٰہیت کا ہے، جب افواج میں صلاح وتقویٰ ہوگا تو وہ اتنے ہی کامیاب ہوں گے، پہلے افواج میں یہی تبلیغ ہوتی تھی اور ان کو صلاح وتقویٰ کا درس دیا جاتا تھا۔

سلطان شہاب الدین غوری کے ۱۲ ہزار لشکر میں حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ

صاحبِ تفسیر کبیر تھے، فوجیوں کی رُوحانی غذا اور ان کی تربیت کے لئے انتخاب کیا گیا کہ حضرت اِمام فخرالدین رازیؒ کو رکھا جائے، چنانچہ آپؒ قرآن شریف کا درس دیتے تھے تو یہ بارہ ہزار کا لشکر جیسے فوجی مشق کرتا ہوگا اسی طرح وہ رُوحانی مشق بھی کرتا ہوگا، جب ایسا لشکر اور بارہ ہزار ہوجائے تو اللہ تعالیٰ کی تائیدِ غیبی اس کے ساتھ ہوتی ہے، وہاں فلم یا ناچ گانا نہیں ہوتا تھا، یہ تو غضبِ الٰہی کو دعوت دینے والی چیزیں ہیں۔

اس تقویٰ و صلاح کی بات تھی کہ جب مسلمان اس زیور سے مزین تھے تو ان پر غیر مسلم بھی پورا اعتماد کرتے تھے، جس وقت برہمن آباد فتح ہوا تو شہر والوں نے دروازے بند کر لئے تھے، آخر محاصرے سے تنگ آکر انہوں نے محمد بن قاسمؒ کو ایک خط لکھا کہ ہم لوگ امن چاہتے ہیں، ہم آپ سے نہیں لڑیں گے، باقی آپ جانیں، راجہ داہر جانے۔ چنانچہ اس امن کو منظور کرلیا تو صرف خط پر منظوری دے دی۔ پھر ان کافروں کو اتنا اعتبار تھا کہ انہوں نے شہر کے دروازے کھول دیئے اور خود اسی طرح باقاعدہ کاروبار میں مشغول تھے، فوج شہر کے اندر داخل ہو رہی ہے اور دُکان دار اپنی دُکان پر بیٹھا ہوا ہے، مزدور اپنی مزدوری کر رہا ہے، نہ خوف ہے، نہ ہراس ہے، کیونکہ مسلمان کی زبان کا اعتبار تھا، ایسی نظیر کوئی دُوسری قوم میں دِکھا سکتا ہے؟ محمد بن قاسمؒ نے بھی اسی جگہ آکر پہلے مسجد تعمیر کی۔

مؤمن کو اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ ہونا چاہئے، مؤمن کے پاس یہ بڑی عظیم الشان طاقت ہے، اتفاق و اتحاد اور خدا پر بھروسہ، اگر رُوحانی طاقت پیدا ہوجائے تو سلامتی کونسل بھی ایک طرف رہے، مردِ مؤمن کو کوئی نہیں روک سکتا۔

میں نے یہ آیت تلاوت کی تھی: "وَجَاهِدُوْا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهٖ" اللہ تعالیٰ کی راہ میں پورا پورا جہاد کرو، فی اللہ کی قید بتلا رہی ہے کہ مسلمان کی جنگ اللہ واسطے ہوتی ہے، دُنیاوی اغراض سے مؤمن کی جنگ بالا ہوتی ہے، مؤمن ملک گیری، دولت وحشمت یا وطن کے لئے نہیں لڑتا ہے، اس کی تو صرف اللہ واسطے کی لڑائی ہوتی ہے،

اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو، اللہ تعالیٰ کے قوانین جاری ہوں، اسلام فروغ پائے، جہاں اسلام کا جھنڈا سر بلند ہو وہی ہمارا وطن ہے، دُنیادار وطن کے لئے لڑتے ہیں، ہم مادرِ وطن کے پجاری نہیں، جہاد وہی ہے جو اللہ کے لئے ہو، اس کی رضا مقصود ہو، ورنہ اس لڑائی کا نام فساد اور خونریزی ہے، جب اعلائے کلمۃ اللہ ہماری نظر سے اوجھل ہوجائے تو وہ جہاد کی برکتیں بھی نہیں ہوتیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسکندریہ جو ایک نہایت خوبصورت اور تجارتی شہر تھا اس کے فتح کرنے کے لئے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اَمیرِ لشکر بنا کر بھیجا، انہوں نے اسکندریہ کا محاصرہ کیا، برابر ایک ڈیڑھ ماہ تک محاصرہ رہا، لیکن فتح کی کوئی صورت نہ ہوئی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ناراض ہوئے کہ کیا وجہ ہے کہ اب تک فتح کی خبر نہیں آئی، اللہ کے لئے جہاد ہو، اور دیر ہوجائے، یہ کیسے ہوا؟ کوئی نہ کوئی اس کا سبب ضرور پیدا ہوا ہے، دُنیاوی جنگوں کو برسوں لگ جاتے ہیں لیکن اس لئے کوئی نہ کوئی خامی ایسی ہے کہ دیر ہوگئی ہے، ان حضرات کو اللہ تعالیٰ کی نصرت پر اتنا یقین ہوتا تھا کہ مؤمنِ کامل اور فرمانبردار و مطیع ہو تو اتنی دیر نصرتِ الٰہی میں نہیں ہوسکتی، اس کا وعدہ سچا ہے، اس لئے حضرت فاروقِ اعظمؓ نے ایک خط لکھا کہ فتح کے دیر ہونے سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ تم لوگوں کو شاید وہاں کی دولت و حشمت اور وہاں کے محلات تمہاری نظروں میں آگئے ہیں اور لالچ تمہارے دِلوں میں پیدا ہوگیا ہے، اس نے تمہارے دِل میں وہن اور سستی پیدا کردی ہے، اسی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح میں دیر ہوگئی ہے، لہٰذا اب جو جمعہ آرہا ہے اس میں تم سب مل کر اپنی نیتوں اور خیالات کی تجدید کرو، اور محض رضائے الٰہی کے لئے جہاد کی نیت خالص کرو اور چند بڑے درجے کے صحابہ کرامؓ کو لشکر کے آگے کرو اور ایک بارگی حملہ کرو۔ چنانچہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے وہ خط سب کو سنایا اور پھر سب نے نیتوں کی تجدید کی، توبہ کی اور اللہ کا نام لے کر آگے بڑھے تو اسی دن غروبِ آفتاب نہ

ہونے پایا تھا کہ اللہ نے اسکندریہ کو فتح کرادیا۔

اصل طاقت مؤمن میں صلاح وتقویٰ کی ہے، اگر اس ہتھیار سے مؤمن پیراستہ ہوتو اللہ تعالیٰ کی تائید ہوتی ہے، اس لئے قرآنِ کریم میں فرمایا: "فِی اللّٰہِ" اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے لئے تیار رکھو۔

اس کے بعد فرمایا: "حَقَّ جِہَادِہٖ" پوری طرح جہاد کرو، جتنی تم میں کسی قسم کی طاقت ہے خرچ کرڈالو، اللہ کے راستے میں ہمت نہ ہارو، جہاد کا حق ادا کرو۔

اس کے بعد بعض افکار ہمارے اندر ایسے پھیلائے گئے ہیں جو دراصل بھارت کی طرف سے آئے ہیں اور بھارت ریڈیو سے وہ نشر بھی کئے گئے ہیں، خود بھارت کا یہ رویہ رہا ہے کہ پاکستان ریڈیو سننے تک کی ممانعت ہی نہیں بلکہ سننے والے پر چھ ماہ قید کی سزا بھی لگادی، وہ یہ جانتا تھا کہ پاکستان میں ہندوؤں کی بات کون سنے گا، اس لئے اس نے چند علماء کے نام لے کر بیانات شائع کئے، سو اوّل تو ان علماء کو جن کے نام لئے گئے یہاں کون جانتا ہے؟ ان کا یہ کہنا کہ پاکستان کے علماء کا نعرۂ جہاد صحیح نہیں، جبکہ چھ کروڑ مسلمان بھارت میں آباد ہیں، یہاں لال قلعہ ہے، شاہجہاں کی مسجد ہے، کافروں پر جہاد ہوا کرتا ہے، صرف دو کروڑ کا فرق ہے، بھارت میں چھ کروڑ مسلمان ہیں اور پاکستان میں آٹھ کروڑ ہیں، پھر نائب صدر یہاں مسلمان ہے، اس قسم کے بیانات سب فریب ہیں۔

خوب یاد رکھئے! دار الاسلام پر حملہ کرنا حرام ہے، خواہ وہاں کافر بھی بستے ہوں، اور دارالکفر پر حملہ کرنا واجب ہے خواہ وہاں مسلمان ہی کیوں نہ بستے ہوں۔

دارالاسلام کی تعریف یہ ہے کہ جہاں مسلمان برسرِ اقتدار ہوں اور اسلام پر عمل کرنے میں آزاد ہوں، کوئی رُکاوٹ ان کو نہ ہو، وہاں خلافتِ راشدہ کے اَحکام جاری کرسکیں، لیکن اگر بدبختی کی وجہ سے دیر ہوجائے، لیکن تمام مسلمان مل کر اگر چاہیں تو جاری کرسکیں تو وہ دارالاسلام ہی رہے گا، یہ مسلمانوں کی بدبختی کہی جاسکتی ہے کہ

مسلمان اپنے اسلام کے قوانین کو ٹالتے رہیں جس طرح مسجد وہ تو ہمیشہ مسجد ہی رہے گی اگر وہاں کوئی نماز نہ پڑھے تو مسلمانوں کے اس میں نماز نہ پڑھنے سے مسجد کے حکم سے وہ نہیں نکل سکتی، یوں کہیں گے کہ مسلمانوں کی بدبختی ہے کہ مسجد میں عبادت نہیں کرتے۔

بھارت میں مسلمان اگرچہ چھ کروڑ ہیں مگر مغلوب ہیں، اپنے مال و آبرو و جان کی حفاظت بھی نہیں کر سکتے، آئے دن ہندو حملہ کر دیتے ہیں، بھارت کو دارالاسلام کیسے کہا جاسکتا ہے؟ بھارت جھوٹ بولتا ہے، جو اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں ہے، اور اگر ان کی یہ منطق مان بھی لی جائے کہ جہاں چھ کروڑ مسلمان آباد ہوں وہ بھی دارالکفر نہیں ہوسکتا، دیکھئے! جب محمد بن قاسمؒ نے سندھ کو فتح کیا اور اسلام کے قوانین جاری کئے تو اس حصے کو دارالاسلام کہیں گے، حالانکہ ہندوؤں کی آبادی زیادہ تھی، لیکن اقتدار مسلمانوں کے پاس تھا، جہاں تک اقتدار مسلمانوں کا تھا وہ دارالاسلام تھا، باقی تمام ہندوستان دارِ کفر ہی رہا، تو دار کا تعلق مسلمان یا ہندوؤں کے بسنے پر نہیں بلکہ اقتدار پر ہے۔

مکہ معظمہ میں بھی ابتداء میں مسلمان بھی آباد تھے، لیکن اس وقت وہ دارالاسلام نہیں تھا، ورنہ ہجرت کیوں کرتے؟ اور پھر جہاد کیسے کیا جاسکتا تھا؟ اسی طرح حبشہ میں اگر کچھ مسلمان جاکر بس گئے تھے تو کیا وہ دارالاسلام ہوگیا تھا؟ حالانکہ مکہ معظمہ میں تو بیت اللہ بھی تھا لیکن پھر بھی فتح مکہ اور جہاد کیا گیا۔

خداوند تعالیٰ ان بھارت کے مسلمانوں کی جان و مال و آبرو کی حفاظت فرمائے، میں ان کے لئے دُعا کرتا ہوں لیکن وہ ہے دارالکفر ہی، مسلمانوں کے بسے رہنے سے دارالاسلام نہیں ہوسکتا ہے۔

جہاد اس لئے ہوتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کریں، عدل قائم کریں، ظلم کو مٹائیں اور جو رُکاوٹیں اس درمیان میں حائل ہوں ان کو دُور کریں، اور جب کسی

جگہ بھی ہمارے مسلمان بھائیوں پر ظلم ہوتا ہو ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کی مدد کریں۔

جب کافروں کا کوئی سا لشکر ہمارے ملک پر حملہ کردے تو سب پر جہاد فرضِ عین ہوجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتِ جہاد عطا فرمائی ہے، مسئلہ کشمیر انہوں نے چھیڑا تھا، لہٰذا ان کی امداد کرنا ہمارا فرض ہے: "یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا" کا مضمون سامنے ہے، لہٰذا ان ظالموں سے بچانا فرض ہے۔

لہٰذا مسلمانوں کی امداد کرنا اور دارالاسلام کی حفاظت کے لئے اور کشمیری مظلوموں کو ظلم سے چھڑانا یہ تین باتیں ہیں جن کی بناء پر ہم پر جہاد فرض ہوجاتا ہے۔

پاکستان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا عجیب معاملہ ہے، اوّل تو اس کا بننا ہی عجیب بات ہے، پھر اس کا باقی رہنا بھی معجزہ ہی ہے، پھر یہ جہاد یہی ایک معجزہ ہے، پہلے اس پاکستان بنانے کے لئے گلی گلی، کوچے کوچے چیختے پھرتے تھے کہ پاکستان لیں گے، وہاں قرآن واسلام کا قانون ہوگا، لا الٰہ اِلاَّ اللہ پڑھ کر، اللہ کا نام لے کر اعلان کرتے تھے، جب اللہ کا نام اور لا الٰہ اِلاَّ اللہ پڑھ کر بڑھے اللہ پاک نے پاکستان بنادیا، جب بن گیا تو اس کے باقی رہنے کا احتمال نہ تھا، دفتروں میں کاغذ پنسل تک نہ تھیں، فوجیں سب ملک سے باہر تھیں، نہ خزانہ تھا، نہ تنخواہ دینے کی طاقت تھی، اور حوادثات ایسے پیش آئے کہ آنے والا یہی کہتا تھا کہ صرف ایمان اور جان بچ جائے، اور پاکستان آتے تھے تو اس طرح کہ کافر سب کچھ چھین لیتے تھے، مال لانے نہ دیتے تھے، سکھوں نے قتلِ عام کر رکھا تھا، مشرقی پاکستان پر حملہ ہوجاتا، وہ بھی اس وقت کی ٹکر کا نہ تھا، لیکن یہ اللہ پاک کی کریمی ہے کہ اس نے اسی پاکستان کو ایک مضبوط قلعہ بنادیا۔

سو پاکستان اللہ کا نام لے کر بنا ہے، لا الٰہ اِلاَّ اللہ کہہ کر اور دارالاسلام کہہ کر بنا ہے، اور یہی کہہ کر اس کو لیا گیا ہے۔

لیکن ہم نے اس نعمت کا شکر نہ ادا کیا، یہاں آکر اس اللہ اور لا الٰہ اِلاَّ اللہ کو

بھول گئے، ایسی ظلمتوں میں پھنس گئے، اگر ہم اندازہ کریں جو معاصی قومِ عاد و ثمود اور معذّب قوموں کے تھے، ان سے کم نہیں رہیں گے، ان پر ان ہی کے کرتوتوں سے عذاب آیا ہے، کسی پر پتھر برسائے گئے، کسی بستی پر آگ برسی اور کسی قوم پر آندھی کا عذاب بھیجا گیا، اپنے کرتوتوں پر نظر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم مستحقِ عذاب ہو چکے تھے، لیکن عذاب کے رُکنے کی وجہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ اطہر ہے، جس کی وجہ سے عذاب نہیں آیا، خدائے پاک نے فرمایا: ''وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ'' آپ کا وجودِ مسعود کہ آپ (مدینہ منوّرہ) دُنیا ہی میں تشریف فرما ہیں، آپ ہی کے طفیل سے ہم بچے ہوئے ہیں۔ یہ اللہ کا بڑا کرم ہے، ہم نے ناشکری کی اور بندہ جب ناشکری کرتا ہے اللہ پاک اس کو عذاب دیتے ہیں، لیکن اس کا کتنا کرم ہے کہ ہم کو کس طرح محفوظ رکھا، دُشمن کے جو منصوبے تھے وہ دراصل شکل عذاب کی تھی، اللہ پاک نے اس کو ٹال دیا، یہ اس کی عنایت و مہربانی ہے، مزید اللہ کا یہ اِنعام ہوا کہ ہم میں بیداری پیدا کردی، آنکھیں کھل گئیں، اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے، آنکھوں سے دیکھ لیا، سارے پاکستان کے مسلمانوں کے دِل میں اُلفت ڈال دی، سب کا رُخ ایک ہی طرف پھیر دیا، جو پاکستان کے خلاف بھی، حزبِ مخالف تھے وہ بھی باہم مل گئے، دِلوں کا پھیرنا کسی قانون کا کام نہیں ہے، صرف ایک اللہ پاک کا کام ہے، گلی کوچوں میں دُعائیں ہو رہی ہیں، بچوں تک میں جوشِ جہاد ہے، عورتیں دُعا کر رہی ہیں، یہ کسی تلوار کا، کسی سیاست کا کام نہیں ہے، ایک سیاسی دلدلوں میں پھنسی ہوئی قوم ساری ایک دھاگے میں بندھ جائے، یہ صرف اللہ کی تائیدِ غیبی ہے اور جہاد کی بدولت ہے، اعمال دُرست کرلئے، معاصی راگ باجے بند کردیئے، نمازی بھی بڑھ گئے، مساجد نمازیوں سے پُر ہوگئیں، خوف و ہراس بالکل نہ رہا، مہنگائی نہ ہوئی، ہر شخص اپنی زندگی کو دُرست کرنے کی فکر میں ہے، یہ اللہ کا بڑا اِنعام ہے، اس کو اب جانے نہ دینا چاہئے، ہر شخص کو نماز پڑھنی چاہئے، بداعمالیاں چھوڑ دینی چاہئیں اور کبھی

اپنی اصلاح سے غافل نہ رہنا چاہئے، مغربیت کی لعنت کو اُتار پھینکنا چاہئے، اگر مسلمان بن کر زندہ رہنا ہے تو اسلام کی پوری تابعداری کریں، ممکن ہے اور کوئی اس قسم کا جھٹکا باقی ہو تو اللہ پاک ہم پر کرم فرمائے، ہمیں صرف اللہ پاک پر بھروسہ رکھنا چاہئے، تقویٰ اختیار کرنے کا وقت ہے، حکومت کو بھی، رعایا کو بھی، سب کو اس کوشش میں لگ جانا چاہئے کہ دِین پر قائم ہو جائیں اور ہم نے کیا کیا، سب اللہ پاک کا ہی کرم ہے، دُشمن چڑھ آیا، جہاد ہم پر مسلط ہوا، توجہ الی اللہ ہوگئی، پھر اتحاد و اُلفت پیدا کی، پھر فرشتوں کی امداد فرمائی، اب ان ہی چیزوں کو ساتھ لے کر آگے بڑھو، "وَاعْلَمُوْآ اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ" اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ کا وعدہ صرف رجسٹری مسلمان ہونے پر نہیں، حقیقی مسلمان ہونا چاہئے۔

ہمارے سامنے سلطنتِ مغلیہ کی تاریخ دُور نہیں ہے، جب وہ عیش و عشرت میں آگئے تو کس طرح برباد ہوگئے، حالانکہ وہ مسلمان تھے لیکن وہ تاریخ بہت دُور نہیں کہ شہزادوں کا سر باپ کے سامنے دسترخوان پر کھانے کے لئے پیش کیا گیا، جب اعمال غلط ہوگئے تو تائید نہیں آتی، لہٰذا خدا تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے، اپنی اصلاح کی فکر کریں، بے حیائی، عریانی، بے پردگی، فحش لٹریچر، مغربی فیشن سے دُور رہنا چاہئے ان کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کریں، اور اللہ پاک سے بہت ڈرتے رہنا چاہئے۔

(ماہنامہ "البلاغ" کراچی ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ-نومبر ۱۹۸۹ء)

دعوت الی اللہ

حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ خلیفۂ ارشد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتیٔ اعظم پاکستان قدس اللہ سرہٗ نے ۱۹۸۲ء میں حج بیت اللہ سے واپسی پر حیدرآباد سندھ میں چند روز قیام فرمایا تھا، اسی قیام کے دوران آپ نے اپنے عزیز و اقارب اور متعلقین سے بلیغ خطاب بھی فرمایا تھا، جو اپنی اہمیت و افادیت کے باعث افادۂ عام کے لئے پیشِ خدمت ہے۔

حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ نے خطبہ مسنونہ سے قبل درج ذیل اشعار دِلسوزی سے پڑھے جس کی وجہ سے مجمع پر ایک دم خاموشی طاری ہوگئی ؎

يَا مَنْ يُرَجّٰى فِى الشَّدَائِدِ كُلِّهَا

يَا مَنْ اِلَيْهِ الْمُشْتَكٰى وَالْمَفْزَعُ

مَا لِى سِوَا قَرْعِى لِبَابِكَ حِيْلَةٌ

فَاِنْ رُدِدْتُّ فَاَىَّ بَابٍ اَقْرَعُ

ترجمہ:- اے وہ ذاتِ پاک جس کی تمام مصائب میں اُمید رکھی جاتی ہے، اے وہ ذات جس کی جناب میں گھبراہٹ اور مشکلات پیش کی جاتی ہے۔ میرے پاس تیرے دروازے کو کھٹکھٹانے کے سوا کوئی حیلہ نہیں، اگر اس باب سے ناکام واپس کردیا جاؤں تو آپ بتائیں کہ پھر میں کون سے دروازے کو کھٹکھٹاؤں۔

یا خدا سنتا ہے دِل کی بات تو
مدعا دیتا ہے ہاتھوں ہاتھ تو
سختیوں میں تجھ سے اُمیدِ نجات
درد دُکھ سنتا ہے سب دن رات تو
کھٹکھٹاتا ہوں تیری چوکھٹ کو میں
کیا ٹھکانا اگر نہ دے ہیہات تو
گو کثیر المعصیت انسان ہوں میں
ہے مگر رحمٰنِ مخلوقات تو
بھیج پیغمبر اور ان کی آل پر
سب مسلمانوں کے تسلیمات تو

خطبۂ مسنونہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ. اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.
اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ، اِنَّ رَبَّکَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ.

دعوت الی اللہ کا مفہوم

اس آیتِ کریمہ میں اللہ جلّ شانہ وعم نوالہٗ نے دعوت الی اللہ کا حکم دیا ہے کہ اپنے رَبّ کے راستے کی طرف بلاؤ اور دعوت دو، اس کو دعوت الی اللہ کہتے ہیں، دعوت کے معنیٰ ہیں بلانا، کھانا پکا کر ہم لوگوں کو اس کی طرف بلاتے ہیں، کھانا کھلانے کے لئے، اس کو دعوت کہتے ہیں اس لئے کہ اس میں بھی بلایا جاتا ہے، مگر ہر چیز کی کچھ حدود ہیں، کچھ قیود ہیں، شریعتِ مطہرہ ہمارا مذہب ہے، جو ہم نے اختیار کیا ہے، اس کے اندر رہتے ہوئے آدمی کو دعوت دینی چاہئے، خواہ کسی قسم کی دعوت ہو، اس کے خلاف بڑے سے بڑا عمل بھی مرُدود ہوجاتا ہے، ان کے قانون اور طریقے کے مطابق عمل نہیں ہوتا ہے وہ منظور نہیں ہوتا ہے۔

حدودِ شریعت کی پاسداری

کھانا کھلانا، دُوسروں کا پیٹ بھرنا، اپنا پیسہ خرچ کرنا، کوئی بُری بات تو نہیں ہے، خیر معلوم ہوتی ہے، اور خیر ہے ہی، مگر جب حدودِ شریعت سے نکل جاتی ہے وہ بھی مرُدود ہوجاتی ہے، کھانا کھلانا بھی منع ہوجاتا ہے، اس میں بُرائی پیدا ہوجاتی ہے، ہزار آدمیوں کو کھلایا، اپنا پیسہ خرچ کیا، اجی وہ حرام کا ہو تب تو کوئی بات ہے لیکن وہ حرام کا ہے ہی نہیں، حلال پیسہ ہے، مگر رسم کے مطابق آپ نے اس کو خرچ کیا، اور دُنیاوی رسم کے مطابق آپ نے اس کی دعوت دی ہے، آپ کہیں گے ہم نے پیسہ تو حلال کا لگایا ہے، دعوت بھی دی ہے، مگر آپ نے اس میں رسم کی قید لگائی اس لئے وہ ناجائز ہوگیا، آپ خود مقنن نہیں ہیں، آپ نے ایک مذہب، ایک دِین، ایک راستہ اختیار کیا ہوا ہے اور اس پر چلنے کا وعدہ کیا ہے، اس کو منظور کیا ہے، اسی پر رہنا ہے، اس کے حکم کے خلاف بالکل نہیں کرنا ہے، اس لئے کھانا کھلانا جسے دعوت کہتے ہیں وہ بھی غلط ہوجاتی ہے۔

حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ .... الخ" نکاح یا شادی کی خوشی میں جو کھانا کھلایا جاتا ہے اس کو ولیمہ کہتے ہیں۔ آپ نے اپنے بیٹے کی شادی کی، اس کی وجہ سے آپ نے کسی کی دعوت کی، مگر اس دعوت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم "شَرُّ الطَّعَام" فرمارہے ہیں، کہ یہ بدترین کھانا ہے، پیسہ تو آپ کا حلال ہے، کھانا اور اس کا سامان سب ٹھیک ٹھاک ہے، مگر آپ نے ان کی مرضی کے خلاف کیا ہے اس لئے وہ کھانا بھی "شَرُّ الطَّعَام" ہوگیا، یہ ولیمہ کے بارے میں ہے جو مسنون ہے، اور بیٹے کے نکاح کے شکرانے کی دعوت ہے، یا شبِ زفاف کے شکرانے کا کھانا ہے، مگر اس میں بھی وہی قید ہے، وہی ناجائز رسم ہے اس لئے یہی مسنون کھانا "شَرُّ الطَّعَام" ہوگیا، اب جو "شَرُّ الطَّعَام" کھا کر جائے گا اس کے پیٹ کا کیا حال ہوگا، شر، اسمِ تفضیل ہے (جس کے معنٰی ہیں بہت یا زیادہ بُرا)۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں، اُمت پر بڑے شفیق ہیں، وہ یہ فرمارہے ہیں کہ ایسا کھانا بہت بُرا کھانا ہے، اس میں کیا بات ہوگئی؟ بات یہ ہوگئی کہ اس میں اَمیروں، مال داروں کو تو بلایا، غریبوں کو بلایا نہیں، بس اتنی سی بات ہے کہ غریبوں کو نظر انداز کردیا، اس وجہ سے یہ کھانا "شَرُّ الطَّعَام" ہوگیا، اور یہ کھانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں بدترین کھانا ہے، لہٰذا اس میں اپنے ملنے جلنے والوں اور رشتہ داروں کو بلاؤ خواہ وہ غریب ہوں یا اَمیر، اگر اس شرط کا لحاظ نہیں کیا تو یہ مسنون ولیمہ بھی بُرا کہلائے گا۔

شادی کے بعد پہلے دن کا کھانا حق ہے، دُوسرے دن کا سنت ہے، تیسرے روز کا کھانا ریاکاری ہے، ولیمے میں پہلے دن دعوت کردو، دُوسرے دن کردو، یہ کیا مسلسل دعوت کئے جارہے ہیں تین دن تک، یہ بھی مکروہ ہوگیا، اب آپ دیکھ لیں کہ دعوت کے اندر بھی کچھ شرعی قیود و بند ہیں، چاہے وہ کھانے کی ہو۔

ایسے ہی یہ دعوت الی اللہ ہے، ''اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ'' دعوت دو، بلاؤ اپنے ربّ کے راستے کی طرف، جس راستے کی طرف تم بلا رہے ہو، اس میں بھی ان کے طریقے کے مطابق بلاؤ، اپنی مرضی سے مت بلاؤ، اپنی مرضی سے کام مت کرو، بلکہ ان کے قانون کے تابعدار ہوکر دعوت دو، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اس پر خود گامزن ہوجاؤ، جس راہ کی طرف دُوسروں کو بلانا چاہتے ہو، خدا کا راستہ دِکھانا چاہتے ہو، پہلے خود اس پر عمل کرو تب وہ مؤثر ہوگا۔

کرنے کے دو کام

واقعہ ہے کہ ایک بزرگ کے پاس ایک عورت آئی، اس بڑھیا نے کہا کہ میرا بیٹا گُڑ کھاتا ہے، آپ اس سے کہہ دیں کہ یہ گڑ نہ کھایا کرے، اس کو گڑ بہت نقصان دیتا ہے، مگر وہ بزرگ خود گڑ کھایا کرتے تھے اس لئے اس سے کہا کہ دو تین روز میں اس سے کہہ دُوں گا، پہلے آپ نے گڑ کھانا چھوڑا پھر اس کے لڑکے کو بلاکر کہا کہ یہ گڑ تمہیں نقصان دیتا ہے مت کھایا کرو، حالانکہ یہ دِین کی بات نہیں تھی مگر تعلیم یہ دی کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی پہلے خود عمل کرو، پھر دُوسروں کو دعوت دو، بس دو کام کرو، ایک عملِ صالح کرنا، دُوسرے اوروں کو عملِ صالح کی دعوت طریقے سے دینا۔

خسارہ سے بچنے کے لئے چار باتوں کا التزام

اس لئے کہ عملِ صالح کے بغیر کام نہیں چلے گا، جس بات کو اللہ ربّ العزّت قسم کھاکر کہیں، ویسے ہی اللہ پاک کی بات سچی ہے، پھر بھی ہماری خاطر قسم کھاکر فرما رہے ہیں تاکہ ہمیں یقین آجائے، اور قسم بھی کیسی اچھی بات پر کہ کہیں خسارہ نہ ہوجائے، قیامت کے روز آئیں، کام کیا تھا بہت لیکن کچھ بھی نہیں، ٹوٹے میں پڑ گئے، اس خسارہ سے بچانے کے لئے اللہ پاک قسم کھاکر بتارہے ہیں کہ اگر تم قیامت کے خسارہ سے بچنا چاہتے ہو تو چار باتوں کو لازم پکڑلو، ان کو اختیار کرلو، اس خسارہ سے تم

کو آخرت میں نجات مل جائے گی۔

سب سے پہلے اپنے ایمان کو دُرست کرو، اس کے بغیر کام نہیں چلے گا، کوئی عمل مقبول ہی نہیں، اس لئے اپنے ایمان کو مضبوط کرو، اس کے بعد نیک اعمال، نیک اعمال وہ ہیں جن کا حکم دیا گیا ہے، مثلاً فرض، واجب، سنت، مستحب، مباح، اور وہ بھی اس میں داخل ہیں جن کے چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے، ان کو ''منہیات'' کہتے ہیں، یعنی حرام، مکروہ تحریمی، تنزیہی، ممنوع، ناجائز، یہ سب باتیں چھوڑنے کی ہیں، ان سب باتوں کو چھوڑنا بھی نیک عمل ہے جیسے کسی اَمرِ الٰہی کو بجالانا نیک عمل ہے، مثلاً نماز پڑھنا، ایسے ہی تکبر چھوڑنا بھی نیک عمل ہے، اسی طرح حرام کا چھوڑنا۔

تیسرے تبلیغ، ایک دُوسرے کو دِین کی بات پہنچاؤ، اور اس پر جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کرو، اس تکلیف پر صبر چوتھی بات ہے، یہ چار اُصول ہیں ان پر عمل کرنے سے خسارہ سے بچ جاؤ گے، ورنہ خسارہ میں رہو گے۔ اللہ تعالیٰ دعوت الی اللہ کے سلسلے میں قسم کھا کر فرما رہے ہیں کہ خود عمل کرو اور لوگوں کو دعوت دو رَبّ کے راستے کی طرف، معلوم ہوا کہ رَبّ کا راستہ ہے یعنی اللہ پاک کی طرف پہنچنے کا ایک راستہ ہے، اس کی طرف لوگوں کو دعوت دو، اور اللہ کی طرف پہنچنے کا مطلب ہے اللہ کو راضی کرنا، اس نے پیدا کیا ہے، اس کی زمین ہے، اس کا آسمان ہے، اس کی خوراک ہم کھاتے ہیں، رگ رگ میں سب کچھ اسی کا ہے، وہ ہمارا خالق و مالک ہے، ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کو راضی کریں، اور وہ ان اَحکام کو کرنے سے راضی ہوتا ہے جو اس نے ہمیں بتائے ہیں، اور اسی کام کے لئے اس نے اپنے پیغمبر بھیجے۔

رَبّ کا راستہ

''پیغمبر'' کہتے ہیں پیغام لانے والے کو، وہ خدا کا پیغام پہنچاتے ہیں کہ خدا ان باتوں سے راضی ہوتا ہے اور ان باتوں سے ناراض ہوتا ہے، یہ باتیں نہ کرنا، اور

اللہ تعالیٰ نے ایک پیغمبر نہیں بلکہ بہت پیغمبر بھیجے، تا کہ لوگ ہدایت پاجائیں، راستہ پاجائیں، وہ جو راستہ لے کر آئے ہیں وہی رَبّ کا راستہ ہے اور ہمارے پیغمبر چونکہ سردارِ دو جہان جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، خدائے پاک نے ان پر جو اَحکام نازل فرمائے ان پر ہم ایمان لائے ہیں، ان اَحکام پر عمل کرنا یہ رَبّ کا راستہ ہے۔

دعوت دینے کا طریقہ

لہٰذا اپنے رَبّ کے راستے کی طرف دعوت دو، اس کی بھی حدود و قیود ہیں، ایسے نہیں کہ بس لٹھ ماردیا، ہم نے تو کہہ دیا کسی کی مرضی ہو مانے یا نہ مانے، آپ اس میں مختار نہیں، بلکہ انہوں نے فرمایا ہے کہ اگر دعوت دینی ہے اپنے رَبّ کے راستے کی طرف تو پہلی بات یہ ہے کہ حکمت کے ساتھ، سمجھ داری کے ساتھ، دِین کی سمجھ کے ساتھ لوگوں کو دعوت دو۔

حکمت کی دو قسمیں ہیں، ایک حکمتِ نظری، دُوسری حکمتِ عملی۔ جہاں حکمتِ نظری کی ضرورت پڑے وہاں حکمتِ نظری سے کام لو، اور جہاں حکمتِ عملی کی ضرورت پڑے وہاں اس سے کام لو، دِین کو پہلے سمجھو کہ دِین کا مقصد کیا ہے اور ہم کو کس طرح کرنا ہے، اس کے بعد کسی کو دعوت دو۔ حکمت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے کہ اللہ پاک کسی کو دِین کی سمجھ دے دیں، یہ بہت بڑی بات ہے، وہ دِین کے نفع و نقصان کو سمجھنے لگ جائے، اس میں دِین کا نفع ہے، اس میں دِین کا نقصان ہے، کس میں آخرت بنتی ہے اور کس میں بگڑتی ہے، یہ طریقہ صحیح ہے، اور یہ طریقہ صحیح نہیں ہے، یہ جائز طریقہ ہے، یہ ناجائز طریقہ ہے، اس کو دِین کی سمجھ آگئی، یہ اللہ کا بڑا اِنعام ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا" یہ حکمت خیرِ کثیر ہے، بہت بڑی بھلائی اس کو مل گئی جسے حکمت مل گئی، حکمت کا مطلب یہ ہے کہ دُوسروں کے سامنے مضامین پیش کرو، عمل سے، قول سے، اچھے انداز سے، منع

کرو تو طریقے سے منع کرو، ایسا نہیں کہ اس کے لٹھ ماردیا، نماز نہیں پڑھتا، بے نمازی ہے، ایسا ہے اور ویسا ہے، اس سے وہ راستے کی طرف آئے گا نہیں۔

سبق آموز قصہ

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ، شاہ اسحاق صاحب محدث دہلویؒ کے زمانے میں جامع مسجد دہلی میں جمعہ کے روز وعظ فرمایا کرتے تھے، ایک دفعہ وعظ فرما رہے تھے، سامنے ایک آدمی کو دیکھا، اس نے تہبند باندھا ہوا ہے اور وہ ٹخنوں سے نیچے لٹکا ہوا ہے، وہ وہیں سے وعظ میں کہہ دیتے: ''ایسا کرنا حرام ہے، تم نے اپنا تہبند ٹخنوں سے نیچے کیا ہوا ہے اس کو دُرست کرو'' انہوں نے یہ اس لئے نہیں کہا، وہ سمجھتے تھے کہ یہ بیمار ہے، وہ اس گناہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے بیمار ہوگیا ہے، بیمار کو جھڑکنا کبھی کبھی صحیح ہوتا ہے کہ وہ دوائی نہیں پی رہا ہے، تو جھڑک کر پلادی، ورنہ بیمار کو بڑی شفقت سے، بڑی تسلی کے ساتھ دوا پلانا ہے کہہ سن کر، بیمار کو دھمکی دینا ٹھیک نہیں ہے، اس لئے شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے اس کو وعظ میں نہیں فرمایا کہ یہ حرام ہے اور اللہ کو بڑی ناراض کرنے والی بات ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ایسے آدمی کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرمائیں گے، اس سے اور بڑی بات کیا ہوگی، جہاں آدمی رحمت کا اُمیدوار ہوگا وہاں اللہ میاں رحمت فرمادیں گے تو جنت میں چلے جائیں گے، ہر ایک آدمی کو رحمت کی ضرورت ہوگی، اس ناجائز اور حرام کام کی وجہ سے اس وقت کتنی بڑی محرومی ہوگی اور وہ یہ سمجھتا ہے اس میں کیا رکھا ہے کہ شلوار، تہبند اُوپر کرو، نیچے لٹکا ہوا ہے۔

بھائی صاحب! جو آدمی اللہ سے محبت رکھتا ہے اگر نگاہِ رحمت ہٹ جائے تو اس سے پوچھو کیا حال ہوگیا ہے "**ثلاثةٌ لا ینظرُ الله الیهم یوم القیامة ولا یزکیهم ولهم عذاب الیم**" تین آدمی ایسے ہیں کہ اللہ پاک ان کو پاک نہیں کریں گے، اور نظرِ رحمت سے نہیں دیکھیں گے، ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ ان میں سے ایک

مُسْبِلِ ازار ہے، دُوسرا ہے عاق الوالدین، یعنی اپنے ماں باپ کو ستانے والا، تیسرا ہے منان یعنی احسان کر کے جتانے والا کہ ہم نے تم پر یہ احسان کیا تھا، جتانے اور دِکھانے سے کیا فائدہ، یہ احسان تم نے خدا کے لئے کیا تھا، تم نے اپنی آخرت کے لئے کیا تھا، لہٰذا جتانے سے کیا فائدہ، پیسہ خدا کا ہے، اس کے حکم سے تم نے خرچ کیا ہے، اللہ سے اس کا ثواب لے لینا ورنہ ضائع ہو جائے گا۔

تم نے اگر اس لئے کیا تھا، پیسے اس لئے دیئے تھے کہ میرا نام ہو جائے، بدلہ لینے کے لئے کیا تھا، وہ بدلہ تم کو مل گیا، اب اللہ سے کیا لینا چاہتے ہو، یہ دُنیا کی سب باتیں چھوڑ دو۔ بھائی صاحب! اللہ کو راضی کرنے کے لئے کام کریں، پھر اللہ تعالیٰ اس کا اَجر دیں گے، اگر یہیں دُنیا میں بدلہ لے لیا پھر وہاں کس چیز کا انتظار اور اُمید ہے، یہ منان یعنی کام کر کے احسان جتانا اللہ کو ناراض کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظرِ رحمت سے نہیں دیکھیں گے۔

مرد کے لئے ٹخنوں سے نیچے شلوار و تہبند وغیرہ رکھنے کی اجازت نہیں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ازار مبارک نصف پنڈلی تک ہوتا تھا، تقریباً سوا دو گز کا آپؐ کا ازار (تہبند) تھا اور آدھی پنڈلی تک اس کو باندھتے تھے، ایک صحابی نے عرض کیا: حضور! اس سے نیچے کرلوں؟ آپؐ نے فرمایا: کرلو ٹھیک ہے، آپؐ نے اجازت دے دی، انہوں نے عرض کیا: اور نیچے کرلوں؟ آپؐ نے اجازت دے دی کرلو، اس کے بعد آپؐ نے یہ حد لگادی کہ دیکھو! ٹخنوں سے نیچے مت کرنا، بس اس کے اُوپر اُوپر رکھنا۔

حضرت شاہ صاحبؒ یہ ساری باتیں ان کو کہہ سکتے تھے، مگر ایسے نہیں سمجھایا، بلکہ اس کو حکمت سے سمجھایا، حضرتؒ کی حکمت دیکھئے، وعظ ختم ہوگیا، آپ اس آدمی کے پاس گئے اور کہا کہ آپ سے کچھ کام ہے، اور اس آدمی کو ایک طرف لے گئے اور اس سے فرمایا کہ: میرا تہبند نیچے ہو جاتا ہے اور میں نے سنا ہے کہ حدیث شریف میں اس

کی سخت ممانعت آئی ہے، ذرا آپ دیکھنا وہ نیچے تو نہیں ہوگیا ہے، اگر نیچے ہوگیا ہے تو میں اس کو ٹھیک کرلوں گا، جب حضرتؒ دِکھانے لگے تو وہ سمجھ گیا کہ یہ مجھے بتانا چاہتے ہیں، اس نے کہا: حضور! آپ کا تو ٹھیک ہے، میں بھی ٹھیک کرلیتا ہوں اور آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔

دُوسرا سبق آموز واقعہ

حضرت شاہ محمد اسماعیل صاحبؒ وعظ فرما رہے تھے، وعظ کے دوران ایک آدمی نے کھڑے ہوکر کہہ دیا: ''تم حرامی ہو!'' ہم ہوتے تو اس کو لپٹ جاتے، دعوت الی اللہ کا موقع ہے، ضبط سے کام لیا اور یہ فرمایا کہ: ''میرے والد کے نکاح کے گواہ موجود ہیں، اگر آپ کہیں تو میں ان کو اطلاع کروں وہ آپ کے سامنے پیش ہوجائیں اور گواہی دِلوادوں کہ میرے والد صاحب کا نکاح فلاں نے پڑھایا ہے، فلاں گواہوں کی موجودگی میں، جب گواہ موجود ہیں تو میں حرامی کیسے ہوگیا؟'' اس کو ندامت ہوئی کہ واقعی میں نے غلطی کی، اس نے توبہ کی۔

اللہ کا حکم یہ ہے کہ آدمی دعوت الی اللہ کرے تو بڑی حکمت کے ساتھ کرے، سمجھ داری کے ساتھ، پہلے سوچے کہ میں جو اللہ کی طرف بلا رہا ہوں کون سا طریقہ مناسب رہے گا، کیوں؟ اس لئے کہ مقصود اپنا انتقام لینا نہیں ہے، اپنا غصہ اُتارنا نہیں ہے، بس اس کو راستے پر لانا ہے، یہی مقصد ہے، اس کو بڑا سمجھے اپنے کو چھوٹا سمجھے اور ایسے گفتگو کرے جیسے بڑے سے کرتے ہیں، اگر آپ نے اُسے پہلے سے حقیر جانا، تو مؤمن کو حقیر جاننے سے ویسے ہی گناہ ہوگیا، آپ تبلیغ کیا کرنا چاہتے ہیں، آپ گناہگار تو خود ہی ہوگئے، جب آپ نے اپنے آپ کو بڑا نمازی سمجھا اور اس کو یہ سمجھا کہ تو میرے سامنے کچھ بھی نہیں ہے، یہ تکبر ہوگیا، جو حرام ہے۔

تکبر کی سزا

اب آپ یہ سوچیں کہ اللہ پاک نے گناہوں کی سزا بتائی ہے، شراب پینے

کی سزا ہے، زنا کی بھی سزا ہے، چوری کی بھی سزا ہے، ڈاکے کی بھی سزا ہے، اس تکبر کی کیا سزا ہے؟ آپ نے کبھی غور کیا کہ یہ تکبر بھی حرام ہے، شراب پینا، جوا کھیلنا، زنا کرنا حرام ہے، تکبر کرنا بھی حرام ہے، اس کی سزا یہ ہے کہ جنت میں اس کا داخلہ بند ہے، یہ کتنی بڑی سزا ہے جب تک اس کے دِل میں ایک رائی کے برابر تکبر ہے وہ جنت میں نہیں جا سکے گا، پہلے اُسے جہنم میں ڈال کر اللہ تعالیٰ پاک کریں گے پھر جنت میں بھیجیں گے۔

لا یدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال ذرّةٍ من کبر،

او کما قال علیه السلام.

آپ سمجھ لیں یہ کتنا بڑا گناہ ہے کہ اس نے جنت میں داخلے سے روک دیا ہے، جب آدمی دعوت الی اللہ کرے، اب پہلے تو وہ خود بڑا گناہگار بن گیا کہ میں تو بڑا نیک بخت ہوں، یہ تو کچھ بھی نہیں ہے، اور اس کو حقیر جانا، حالانکہ تکبر کی تو کوئی بات ہونی نہیں چاہئے، ممکن ہے یہ آگے چل کر اچھا ہو جائے اور میرا حال خراب ہو جائے، آج یہ ہے کل میں ہو جاؤں اس لئے کوئی بھی ہو اور کیسے ہی گناہ میں مبتلا ہو، وہ مؤمن تو ہے۔

ایمان کی عظمت

ایمان بڑی دولت ہے، اس کے پاس ایمان ہے جو ساتوں آسمان اور ساتوں زمین سے بھی بھاری ہے، اعمال کی خرابی کی وجہ سے آپ اس کو حقیر مت سمجھو، کیا خبر ہے وہاں نیکی گن لی گئی، اس کی نیکی سو ہوں اور میری اس سے کم ہو جائیں، آپ نہ اس کی نیکی جانتے ہیں نہ اپنی نیکی جانتے ہیں، ہاں اگر دیکھ لی ہوتی تو یہ کہنا بجا تھا کہ میں اچھا ہوں اور کیا خبر ہے اس کی ایک نیکی ہی ایسی ہو جو آپ کی تمام نیکیوں پر غالب آجائے، بعض نیکیاں ایسی ہوتی ہیں ان پر دُوسری نیکیاں غالب آجاتی ہیں، تو

پھر آپ کس نیت سے بڑے بنتے ہیں، ہوسکتا ہے اس کے پاس تم سے زیادہ قوی ایمان ہو اور آپ کے ایمان میں ضعف ہو۔

اس لئے جس آدمی کو دعوت دو، پہلے اپنے آپ کو اس سے چھوٹا سمجھو اور ایسا سمجھو جیسے بادشاہ کا بھنگی، بادشاہ نے اس کو حکم دیا ہے شہزادے کو مارنے کا، وہ سمجھتا ہے میں تو بھنگی ہوں، لیکن بادشاہ کا حکم ہے، بیٹا بھی اسی کا ہے، مجھے تو فرماں برداری کرنی ہے، وہ دیکھ کر مارے گا، ایسے دیکھ بھال کر آپ دِین کا کام کریں، پہلے آپ اپنے کو چھوٹا سمجھیں اور اس کو بڑا سمجھ کر ایسے الفاظ ادا کریں جو بڑے آدمیوں کے لئے استعمال کرتے ہیں، ڈانٹ کر اس سے بات نہ کرو، سوائے اولاد کے، اپنے بیوی بچوں کو تو آپ ڈانٹ سکتے ہیں، لیکن ہر ایک مؤمن سے تو آپ ایسی بات نہ کریں، اس کے ایمان کی قدر کریں کہ یہ مؤمن ہے۔

دانائی سے دعوت دینے کا عجیب واقعہ

شاہ عبدالعزیزؒ کے زمانے میں ایک ڈاکیہ تھا، وہ اپنی حلال روزی کمانے میں لگا ہوا تھا اور ڈاک بانٹنے کے لئے گاؤں میں جایا کرتا تھا، وہ اتفاق سے ایک گاؤں میں گیا، وہاں دیکھا کہ ایک مسجد ہے جو ویران ہے، اس میں نہ جھاڑو ہے، نہ اذان ہے، نہ جماعت ہے، بلکہ کچھ بھنگ پینے والوں کا ایک ٹولہ ہے، انہوں نے اس مسجد میں اپنے بسترے لگا رکھے ہیں اور وہاں مسجد میں بیٹھ کر بھنگ پیتے ہیں، اس کو بڑا دُکھ ہوا کہ یہ خدا کا گھر ہے اس میں ان بھنگ پینے والوں نے بسترے لگا رکھے ہیں۔ اگر ہم اس کی جگہ ہوتے تو بھنگ پینے والوں کو ڈانٹ ڈپٹ کرتے، ان کو مارتے۔ ڈاکیہ نے دِل میں سوچا کہ یہ معاملہ تو ان کے ساتھ ٹھیک نہیں ہے، اس نے پہلے اچھی طرح جائزہ لیا کہ یہ ہے کہ خدمت کی بات، کہ ان کو راہ پر لانا ہے، مسجد بھی خالی کرانی ہے تاکہ مسجد ان سے پاک ہوجائے، اس نے اس کی ترکیب سوچی۔

اور حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور سارا ماجرا کہہ سنایا اور عرض کیا کہ: میرا ارادہ ہے میں مسجد کو ان سے خالی کراؤں، ان کو نصیحت کروں۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا: بات تو تمہاری ٹھیک ہے، مگر حکمت کے ساتھ بلانا، اس نے کہا: اچھی بات ہے۔

ڈاکیہ نے دو مہینے کی چھٹی لی اپنے محکمے سے، اس نے بھنگ والوں جیسے کپڑے بنوائے اور اپنا حلیہ بھی ویسا ہی کرلیا، ایک ڈنڈا ہاتھ میں لے کر چل دیا اور ان کے پاس جاکر بیٹھ گیا اور ان کی جیسی باتیں شروع کردیں، وہ یہی سمجھے یہ بھی ہمارے جیسا ہے، یہ بھی بھنگ پیئے گا، چنانچہ انہوں نے ڈاکیہ سے کہا: آپ بھی کچھ فرمائیں، بھئی میں بھی تمہارے ساتھ یہاں رہوں گا، میرا بھی بسترا یہاں لگے گا، انہوں نے کہا: بے شک آپ آجائیں اور اپنا بسترا لگائیں، گھنٹے دو گھنٹے کے بعد وہ بھنگ کوٹ کر لائے، بھنگ وہیں پر دائیں بائیں اُگی ہوئی تھی، بھنگ لینے کہیں جانا نہیں پڑتا تھا، جو مانگ کر لاتے تھے وہ کھاپی لیتے تھے، جب بھنگ انہوں نے ڈاکیہ کو دی تو اس نے کہا: یہ بھنگ جو تم لائے ہو طریقے کی تو ہے نہیں، تم تو بے راستہ کے آدمی ہو، میں تم کو بھنگ گھوٹنے کا رستہ بتاتا ہوں، بے رستہ کے سب کام خراب ہوتے ہیں، جب یہ کہا تو ان کے دِل میں شوق پیدا ہوا اور پوچھا کہ بتاؤ کیا ہے؟

ڈاکیہ نے کہا: بھائی صاحب! جب بھنگ توڑی جاتی ہے تو اس کی پڑھنت ہے جب تک وہ پڑھنت نہیں ہوگی بھنگ ونگ کچھ نہیں ہے، پہلے پڑھنت پڑھو اس کے بعد بھنگ توڑو، توڑ کر لاکر اس کو گھوٹو تو اس کی بھی پڑھنت ہے، وہ تو تم میں سے ایک نے بھی نہیں پڑھی اور جب تک پڑھنت نہیں پڑھوگے اس کے اندر کچھ بھی مزہ نہیں آئے گا، جب تم اس کو نچوڑتے ہو، اس کی بھی الگ پڑھنت ہے، اس کے چھانتے وقت کی پڑھنت الگ ہے، وہ تو تم کو یاد ہی نہیں ہے، ان کے دِل میں خیال پیدا ہوا واقعی ہم تو کبھی پڑھنت نہیں پڑھتے، اب تو سب نے اس کو اُستاد بنالیا۔

اُستاد! تم ہم کو سکھاؤ، سب کو سیکھنے کا شوق پیدا ہوگیا، اس نے کہا: اچھا دیکھو میں تم کو پہلی پڑھنت سکھاتا ہوں، سب اس کے پاس آکر بیٹھ گئے، اور اس نے کہا: ”سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ .... الخ“ دیکھو بھائی صاحب! یہ پہلی پڑھنت ہے، جو یہاں سے بھنگ توڑنے جائے گا وہ یہاں سے وہاں تک اُسے پڑھتا جائے گا، اور یہ توڑنا جب صحیح ہوگا، سب نے کہا: بہت اچھا، اب اُستاد سے پوچھ پوچھ کر یاد کر رہے ہیں حتیٰ کہ سب کو یاد ہوگئی، اور جب پتے توڑتے ہیں اس وقت ”اَعُوْذُ بِاللّٰہِ .... الخ“، ”بِسْمِ اللّٰہِ .... الخ“ پڑھتے ہیں، یہ پڑھ کر توڑیں گے تو مزہ آئے گا، ورنہ مزہ نہیں آئے گا، دو تین دن تک ان کو یہ سکھایا، وہ سیکھتے رہے۔

اس نے کہا: بھائی صاحب! جب بھنگ گھوٹتے ہیں اس کی پڑھنت بہت بڑی ہے، اور اس کے لئے اس نے ان کو سورۂ فاتحہ اور دو تین سورتیں سکھادیں، گھوٹتے جاؤ اور یہ پڑھتے جاؤ، پھر دیکھنا اس میں کیا مزہ آتا ہے۔ اب صاحب! چار پانچ دن تک وہ یہ سیکھتے رہے، پھر کہا: جب تم اس کو چھانو تو: ”سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ“ پڑھو، اور جب دُوسرے برتن میں نکالو تو: ”سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی“ پڑھتے ہیں، اور جب پیتے ہیں تو بیٹھ کر ایک پڑھنت پڑھی جاتی ہے، جبھی پینا چاہئے، ویسے اس کو نہیں پی سکتے ہیں، اُستاد! وہ بھی سکھادو، التحیات سکھادی، غرض یہ کہ ایک مہینے میں اس نے ان سب کو ساری نماز پختہ یاد کرادی، وہ روزانہ اُستاد کو سناتے کہ اُستاد ہماری پڑھنت سنو، ڈاکیہ نے دِل میں کہا کہ ایک کام تو ہوگیا اب ان سے مسجد خالی کرانی ہے۔

ایک دن کہنے لگا: یار! یہ تو مسجد معلوم ہوتی ہے، دیکھو اس کے یہ مینارے ہیں، یہ وہ ہیں، یہ فلانی چیز ہے، انہوں نے پہلے کبھی غور نہیں کیا تھا، اب جو دیکھا تو سب کہنے لگے: ہاں! واقعی یہ تو مسجد معلوم ہوتی ہے، یہ چیز یہاں تو صحیح نہیں ہے، یار! یہاں سے بسترے ہٹاؤ، اس میں جھاڑو دو، اس کو صفا کرو، جب صاف کردی تو ان سے کہا: یہ تو اللہ کا گھر ہے، اس میں تو جماعت ہوتی ہے اور اذان دی جاتی ہے، ان

کے بستر ے مسجد سے باہر لگوادیئے کہ یہ سب چیزیں مسجد میں دُرست نہیں ہیں، پندرہ دن میں اَذان و جماعت وغیرہ ان سے شروع کرادی، خود اِمام بن گیا، انہوں نے کہا: اُستاد! ہمیں تو نماز کچھ بھی نہیں آتی، اس نے کہا: تمہیں سب کچھ آتا ہے، اور اس نے پوری نماز ان کو بتائی کہ کھڑے ہوکر یہ پڑھتے ہیں، رُکوع میں یہ پڑھتے ہیں، سجدہ میں یہ پڑھتے ہیں۔

ہاں! بھئی یہ سب کچھ ہم کو آتا ہے، بس ٹھیک ہے، اس نے ان میں سے ایک کو اِمام بنادیا اور کہا: تم یہاں پانچوں وقت اَذان دے کر نماز پڑھا کرو، پھر اس نے کہا کہ: دیکھو! نماز کے وقت یہ پینا حرام ہے، پھر آہستہ آہستہ ان سے کہا کہ: نماز سے ایک گھنٹہ پہلے اس کو چھوڑ دیتے ہیں اور ایک گھنٹہ بعد تک اس کو نہیں پیتے ہیں، آخر انہوں نے کہہ دیا کہ: یار! جب یہ ایسی ہے ہم اس کو چھوڑ دیتے ہیں، بس مانگ کر جو لاتے وہ کھاپی لیتے اور بھنگ ونگ پینا چھوڑ دیا۔ دو مہینے میں یہ سب کام کر کے حضرت شاہ صاحبؒ کے پاس حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ: میں نے ان کو اس طرح سے دعوت الی اللہ دی ہے، اب وہ بھنگ چھوڑ کر نمازی بن گئے ہیں۔ دیکھئے! یہ حکمت ہے، بڑی سمجھ داری کی دعوت ہے کہ ان کو نمازی بنادیا، اگر وہ ایسی ہی لٹھ مار دعوت دیتے تو وہ سب اس کو لپٹ جاتے اور ایک بھی اُن کی بات نہ مانتا۔

لہٰذا اللہ کا حکم یہی ہے: ''اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ'' یعنی حکمت سے اور ایسے ایسے مضامین، وعد وعید کے سناؤ جس سے دِل میں خوف و رغبت پیدا ہوجائے، تاکہ وہ دُرست ہوجائیں، ترغیب و ترہیب کے مضامین بیان کرو۔

انسان کی ناشکری

دیکھو! اگر تم نماز پڑھوگے تو جنت میں پہنچ جاؤگے، دو نمازیں ٹھنڈی ہیں جو

ٹھنڈے وقت پڑھی جاتی ہیں، ایک فجر کی، دُوسری عصر کی۔ اگر یہ پڑھ لیں تو یہ جنت کا ٹکٹ ہیں، "مَن صَلَّی البَردَین دَخَلَ الجَنَّةَ" اور جو آدمی بارہ سنتیں دائماً پڑھتا ہے "سنتِ مؤکدہ" وہ جنت میں داخل ہوجائے گا، دو فجر میں، چھ ظہر میں، دو مغرب کے بعد اور دو عشاء کے بعد، جو آدمی ان پر دوام کرے گا وہ جنت میں داخل ہوجائے گا، جو فجر کی دو سنتیں پڑھتا ہے وہ دُنیا و ما فیہا سے بہتر ہیں: "خَیرٌ مِنَ الدُّنیَا وَمَا فِیهَا" آپ اندازہ لگالیں دُنیا میں کتنا مال و دولت ہے، کتنا اس میں جمال ہے، کتنے اس میں پیسے ہیں، کتنا سونا چاندی ہے، جواہرات ہیں، اور یہی نہیں بلکہ ساری چیزیں جو کچھ بھی دُنیا میں ہیں جس کو خدائے پاک نے دو سنتیں پڑھنے کی توفیق دی ہے اس کو دُنیا سے زیادہ بہتر دے دیا، مگر آدمی فجر کی نماز پڑھنے کے باوجود یہ سوچتا ہے اللہ نے مجھے کچھ نہیں دیا، اس کو اتنا پیسہ دے دیا، کوٹھی دے دی، یہ بڑی ناسمجھی کی بات ہے، ناشکری کی بات ہے، اس کو سنتیں نہیں پڑھائیں، تمہیں سنتیں پڑھوادیں، کل قیامت کے روز حساب لگالینا، اس کو زیادہ دیا تھا یا تمہیں زیادہ دیا ہے، وہ تو ساری دُنیا چھوڑ چھاڑ کر آگیا، اب اس کے پاس کچھ نہیں۔

اگر گھوڑے بھی روندیں تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پھر بھی ان سنتوں کو مت چھوڑنا، اس لئے ان کو "مؤکدہ" کہتے ہیں، آدمی ناشکرا بہت ہے، "وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا. فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا. فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا" اس سورت میں اللہ پاک نے پانچ قسمیں کھائی ہیں گھوڑے کی، کس بات پر کھائی ہیں: "اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَکَنُوْدٌ" یقیناً انسان اپنے رَبّ کا ناشکرا ہے، ناشکری کرتا ہے، اتنی بڑی دولت دے دی کہ دُنیا و ما فیہا بھی اس کے سامنے ہیچ ہیں، اس نے تمہیں اس کی توفیق دے دی ہے پھر بھی تم شکوہ کرتے ہو، یہ نہیں دیا، وہ نہیں دیا، وہ دُنیا تو مچھر کے برابر بھی نہیں، اگر آپ شکوہ کرتے ہیں کہ مجھے کھانے پینے کو نہیں دیا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ مچھر کا پَر نہیں دیا مجھ کو، حالانکہ تم کو نماز پڑھنے کی توفیق دے دی، نماز کو تو ایسا سمجھتے ہیں کہ یہ

کوئی عمل ہی نہیں ہے، اس کی ناقدری کر رکھی ہے، اللہ نے جس سے نماز پڑھوالی اس پر بہت بڑی مہربانی فرمادی، اس پر بہت بڑا کرم کیا، وہ بہت بڑی دولت ہے، اگر چھوڑ دیتے تو کفر کے قریب ہوجاتے، قارون اور بڑے بڑے نافرمان شیاطین کے ساتھ تمہارا حشر ہوتا، اس سے تمہیں بچالیا اور نیکوں کے ساتھ تمہارا حشر ہوگا۔

اس کا کوئی ٹھکانہ ہے، ذرا آپ اندازہ تو لگائیں، جب آدمی اِمام کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو نیت کرنے کے بعد وہ اللہ اکبر کہتا ہے، وہ تکبیرِ اُولیٰ ہے، اگر اِمام کے ساتھ آپ کو تکبیرِ اُولیٰ مل گئی اور آپ نے بھی اِمام کے ساتھ اللہ اکبر کہا، جب اِمام اپنی تکبیر ختم کرنے لگے تم بھی اللہ اکبر کہہ دو، اس تکبیرِ اُولیٰ کا ثواب اللہ میاں دُنیا اور جو کچھ دُنیا میں ہے اس سے زیادہ دیتے ہیں، اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ جوّاد کریم ہیں، اللہ میاں بڑے سخی ہیں، دیتے وقت جوڑتے نہیں، بس ایک حکم کی بات ہے، اس تکبیرِ اُولیٰ میں دُنیا وما فیہا سے بھی بہتر دے دیتے ہیں، یہ تکبیرِ اُولیٰ دُنیا وما فیہا سے بہتر ہے، اس کے بعد کی تکبیریں جو باقی ہیں ان کا اَجر الگ ہے، پھر اس میں آپ سبحان اللہ کہیں گے تو اللہ پاک آدھا میزان نیکیوں سے بھر دیں گے، مشکوٰۃ شریف میں ہے: ''سُبْحَانَ اللّٰہِ نِصْفُ الْمِیزَان''۔

قیامت کا ہولناک منظر

یہ تو یقین ہے کہ نیکی اور بدی تولی جائیں گی، اس میں تو کوئی شک کی بات نہیں ہے، ''اَلْقَارِعَةُ مَا الْقَارِعَةُ'' کھڑکھڑانے والی ہر چیز کھڑکھڑائے گی، آپ کو معلوم ہے کہ کھڑکھڑانے والی چیز کیا ہے؟ اس سے وہ ٹکرائے گی اور اس سے وہ ٹکرائے گی، ایسی ساعت آنے والی ہے کہ دُنیا کی ہر چیز گڑبڑ ہوجائے گی، زلزلہ آجائے گا، انسان انسان سے ٹکراجائیں گے، پہاڑ سے پہاڑ ٹکراجائے گا۔

''یَوْمَ یَکُوْنُ النَّاسُ کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ'' جیسے پتنگے ہوتے ہیں، پروانے

یہاں سے بھاگے، وہاں بھاگے، روشنی پر گر پڑے اور جل پڑے، فرماتے ہیں ایسے یہ آدمیوں کا حال ہوجائے گا، یہ جو پہاڑ ہیں اتنے بڑے بڑے یہ رُوئی کے گالوں کی طرح، جس وقت رُوئی دُھنتے ہیں اس وقت رُوئی کی جو کیفیت ہوجاتی ہے ایسے گالے کی طرح یہ پہاڑ اُڑتے ہوں گے، ایک یہاں سے گر پڑا، دُوسرا وہاں سے گر پڑا، سب کے سب زمین پر گر پڑیں گے۔

میزانِ قیامت

"فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ" ثَقُلَتْ، ثقیل سے ہے، کہتے ہیں کہ آپ کا پیٹ ثقیل ہوگیا ہے، بھاری کے معنی میں ہے۔ موازین، میزان کی جمع ہے، بہرحال جس آدمی کے اوزان بھاری ہوگئے، یعنی نیکیاں اس کی زیادہ ہوگئیں، معلوم ہوا تول جھوک ہوگی، ایک پلڑے میں نیکی رکھیں گے اور دُوسرے پلڑے میں بدی رکھیں گے، نیکی زیادہ ہوگئی تو اجازت ہوگئی کہ جاؤ جنت میں، اگر نیکی کم ہوگئی، مصیبت ہوگئی، اس لئے باری تعالیٰ فرماتے ہیں: "فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ" پس وہ مرضی کے مطابق عیش میں رہے گا آرام چین سے، قبر میں بھی اور مرنے کے بعد بھی اس کو ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔

"وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ" خَفَّتْ، خفیف سے ہے، اس کے معنٰی ہیں ہلکا ہونا، کہتے ہیں یہ تو خفیف سی بات ہے، بہرحال جس کے اوزان خفیف ہوگئے، ہلکے ہوگئے "فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ" اُمّ کہتے ہیں ٹھکانے کو، جیسے ماں بچے کے لئے ٹھکانا ہوتی ہے اس وجہ سے اس کو اُمّ کہتے ہیں، "فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ" اس کا ٹھکانا ہاویہ ہے، جس کے اوزان نیکیوں کے کم ہوگئے اور گناہ زیادہ ہوگئے، نیکیاں ہلکی ہوگئیں اس کا ٹھکانا ہاویہ ہے، ہاویہ کے معنیٰ مشکل تھے، پروردگار نے خود ہی پوچھ لیا: "وَمَآ اَدْرٰكَ مَا هِيَهْ" تم کو معلوم ہے وہ کیا ہے؟ "نَارٌ حَامِيَةٌ" نار کہتے ہیں آگ کو، حامیہ، دہکتی ہوئی، وہ دہکتی

ہوئی آگ ہے۔

دیکھئے! قرآنِ کریم کہہ رہا ہے تول جھوک ہوگی، ایک مرتبہ حضرت داؤد علیہ السلام نے باری تعالیٰ سے عرض کیا۔ انبیاء علیہم السلام باری تعالیٰ سے بات کرلیا کرتے ہیں، الٰہی! میں وہ پلڑا دیکھنا چاہتا ہوں کتنا بڑا ہے جس میں آپ نیکی بدی رکھیں گے، مجھے ابھی دِکھا دیجئے گا، جو آپ قیامت میں لگائیں گے، ارشادِ باری ہوا: داؤد! تمہیں اس کے دیکھنے کی ابھی طاقت نہیں ہے، عرض کیا: الٰہی! آپ دِکھادیجئے گا، کم سے کم اس کو دیکھ تو لوں، اچھا، اللہ تعالیٰ نے اس کو ظاہر کردیا، وہ اتنا لمبا چوڑا تھا، آدمی کو ایسی چیز دیکھ کر بیہوشی ہوجاتی ہے، حضرت داؤد علیہ السلام کا بھی یہی حال ہوا، کہ اسے دیکھتے ہی بیہوش ہوگئے، جب ہوش میں آئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے تم سے نہ کہا تھا، تم اس کے دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے، عرض کیا: یہ تو ٹھیک ہے، لیکن یہ بتایئے آپ کا ایسا بھی کوئی بندہ ہے کہ یہ پلڑا اس کی نیکیوں سے بھر جائے گا؟ فرمایا: اگر کوئی دِل سے ہماری رضا کے لئے ''سبحان اللہ'' کہتا ہے تو ہم اس کو نیکیوں سے بھردیں گے، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "سبحان الله نصف الميزان" ہے، آدھا تو سبحان اللہ سے بھر دیں گے، اور سبحان اللہ کے ساتھ الحمدللہ کہہ دیا تو سارے پلڑے کو بھردیں گے، وہ اتنا دینے والے ہیں، مگر آدمی سوچتا سمجھتا نہیں ہے۔

اعادۂ موضوع

غرض یہ ہے کہ آدمی دُوسروں کو اللہ کے راستے کی طرف بڑی حکمت سے بلائے، ترہیب سے، ترغیب سے، ترغیب دو کہ اللہ پاک نے کتنے اِنعامات دیئے ہیں جن سے ہم غافل ہیں، اگر ہم نے ان کو راضی نہیں کیا تو ٹوٹے میں پڑجائیں گے، جب قیامت میں بازار لگے گا، اور وہاں انعامات تقسیم ہوں گے، پھر افسوس ہوگا کہ ہم نے اس کو چھوڑ دیا، وہاں کے افسوس سے کیا ہوگا، ایسے ہی ترہیب کریں، ان کو

ڈرائیں کہ دیکھو! گناہ کرنا ٹھیک نہیں ہے، گناہ کرنے سے اللہ پاک ناراض ہوجاتے ہیں اور مالک کی ناراضی ٹھیک نہیں ہے، بھلا مالک کو راضی کرنا چاہئے یا ناراض کرنا چاہئے؟ اس لئے آدمیوں کو گناہوں سے روکیں اور اس کا عذاب بتائیں۔

اللہ پاک دعوت دینے کا حکم دے رہے ہیں حکمت کے ساتھ، دِینی سمجھ کے ساتھ اور اچھے اچھے مضامین کے ساتھ، اور صاحب! کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مخاطب اُلٹی سیدھی باتیں کرتا ہے، تم نے اللہ کی دعوت دی اس نے اُلٹی سیدھی باتیں شروع کردیں، مباحثہ شروع کردیا، اب اللہ پاک فرماتے ہیں اگر وہ مباحثے پر اُتر آیا ہے، تم اس کو سمجھاؤ اور اس سے مباحثہ کرو احسن طریقے سے، لڑائی جھگڑے کی بات مت کرو، احسن طریقہ وہی ہے جو اُوپر بیان ہوا ہے، "وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ"۔

اب یہ کہ آپ نے دعوت لی اللہ دی، اور آپ نے مباحثہ بھی کیا، اس کو دلائل بھی بتادیئے وہ پھر بھی نہیں مانتا ہے آپ کو رنج ہوگا، آپ کو فکر ہوگی کہ ہم نے محنت کی لیکن اس کو ہدایت نہیں ہوئی۔

اللہ پاک نے فرمایا کہ اس بات کا آپ خیال نہ کریں، آپ تو اپنی آخرت کے لئے، اللہ کی رضا کے لئے خدا کا حکم پہنچادیں، دعوت دے دیں، ٹھیک کرنے کا جو آپ نے ارادہ کرلیا کہ یہ ٹھیک ہوجائیں اور ہماری بات مان لیں یہ سب مفروضے آپ کے غلط ہیں، یہ تو اللہ کے ہاتھ میں ہے آپ تو اپنا کام کریں کہ خدا کی رضا کے لئے میں نے اس کو بتادیا ہے، سمجھادیا ہے، دلائل دے دیئے ہیں، آگے اللہ پاک کا کام ہے۔

اس لئے وہ فرماتے ہیں: "هُوَ اَعْلَمُ مَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ" وہ خوب جانتا ہے کون اس کے راستے سے ہٹ گیا، "وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ" اور وہ اس کو بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت پر ہے، لہٰذا آپ کو غم کرنے کی کیا بات ہے، اس کو علم ہے کس پر اثر ہوا اور کس پر نہیں ہوا، کس نے مانا اور کس نے نہیں مانا، آپ گن کیوں رہے ہیں،

میں نے ان کے سامنے تقریر کی، ان کو بتایا، ان میں سے ایک بھی نہیں مانا، اس میں آپ کا کیا خسارہ ہے، آپ کا کچھ بھی نہیں گیا، اس نے جو کچھ کھویا خود کھویا، اس نے آپ کا کیا نقصان کیا، ایک بھی نہیں مانے، ایک بھی صحیح نہیں ہوا، آپ کو تو پورا ثواب مل گیا، آپ کا مقصد تھا وہ تو پورا ہوگیا، اب اللہ تعالیٰ جانے اور اس کی مخلوق جانے۔

اس لئے آدمی خدا کا حکم پہنچانے کے بعد یہ جو دیکھتا اور گنتا ہے کہ کس پر اثر ہوا، اور کس نے مانا اور کس نے نہیں مانا، اور کیوں نہیں مانا، یہ جھگڑے کی بات آپ نہ کریں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم جانتے ہیں کون ہدایت یافتہ ہے اور کون گمراہ ہوگیا ہے، ہماری تمہاری حیثیت ہی کیا ہے میاں!

انبیاء علیہم السلام جو دعوت الی اللہ کے لئے مبعوث ہوئے ہیں ان کا ایسا حال ہے کہ کسی نبی پر ساری اُمت میں سے ایک ہی آدمی ایمان لایا، حالانکہ وہ نبی تھے، کسی کے ساتھ دو، کسی کے ساتھ تین اور کسی پر تو ایک بھی ایمان نہیں لایا، ساری عمر خدا کا پیغام پہنچاتے رہے، لیکن کوئی بھی ایمان نہیں لایا، اس لئے گننے اور ماننے نہ ماننے کی باتیں چھوڑو، بس کام میں لگے رہو، خدا کا حکم، خدا کی رضا کے لئے پہنچادو کہ اللہ حکم یہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی معیت

اگر لڑائی جھگڑا ہوجائے تو شریعت میں اتنی اجازت ہے کہ آپ برابر کا انتقام لے لیں، بعض مواقع ایسے آتے ہیں ارشاد ہے: "وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ" یعنی جتنی تکلیف آپ کو پہنچائی ہے، اتنا آپ کو اختیار ہے، مگر اس میں یہ پہلو زیادہ اچھا ہے کہ تم صبر کرو، صبر کرنا بڑا اچھا ہے، "وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ" اگر تم نے صبر کیا اور ان کو کوئی جواب نہیں دیا، جو انہوں نے کہا اس کو برداشت کرلیا، کہ اللہ کا حکم پہنچارہے ہیں اس میں جو تکلیف آئے گی اس پر ہم صبر کریں گے، بس دِل میں یہ

خیال کرلیں کہ اچھا بھئی ہم نے اللہ کا حکم پہنچا دیا۔

اب آپ نہیں مانتے ہیں، اُلٹی سیدھی بات کرتے ہیں اور طعنہ دیتے ہیں، مولوی ہیں، مُلاّ ہیں، ان کو اس کے علاوہ کوئی اور کام نہیں، سب باتیں سن کر خاموش ہوجائیں، صبر کرلیں یہ بہتر ہے، ہم تم کو "لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ" کا لقب دیتے ہیں، اور ہم صابروں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی حکم دیتے ہیں: "وَاصْبِرْ" آپ بھی صبر کیجئے، مگر صبر اپنے لئے نہیں ہو، قوم کے لئے نہیں ہو، بس اللہ کے لئے ہو، اور اللہ کے حکم کے مطابق صبر کرے، جب آپ نے خدا کے لئے صبر کرلیا تو صبر کا بہت بڑا ثواب ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہوجاتا ہے: "اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ" اس کے ساتھ اللہ کی معیت ہوگئی۔

اور معیتِ الٰہی تو بڑی بات ہے، اگر ایک سپاہی آدمی کے ساتھ ہوجائے تو آدمی کا دِل کہتا ہے کہ میں جسے چاہوں پکڑوا دُوں گا، اگر گورنر ساتھ ہوجائے کہ میرے ساتھ گورنر ہے، اور اگر صدر ساتھ ہوجائے تو پھر تو کسی کو رہنے نہیں دے گا، یہ ساتھ ہونا بڑی بات ہے، اگر واقعی خالقِ کائنات ساتھ ہوجائیں جن کے قبضۂ قدرت میں سب کی جانیں ہیں، پھر تو آدمی کا کہنا ہی کیا ہے، اس لئے جن لوگوں نے یہ بات سمجھی ہے ان کے ہر کام حل ہوگئے۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب غارِ حرا میں چھپے تھے، کفارِ مکہ آپ کو تلاش کرتے ہوئے وہاں تک پہنچ گئے، حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ جو آپؐ کے ساتھ غار میں تھے اور کفار غار کے اُوپر باتیں کر رہے تھے، حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: حضور! اگر انہوں نے ہمارے قدم کے نشان دیکھ لئے تو ہم کو دیکھ لیں گے، اتنے قریب آگئے ہیں، مگر سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں کہ اللہ میاں کے حکم سے آئے ہیں وہ ہمارے ساتھ ہے: "ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے، اللہ پاک ساتھ ہوجائیں تو پھر

کسی کی مجال نہیں ہے، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا" اور یہاں فرمارہے ہیں: "اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ"۔

اگر یہ نہیں مانتے ہیں، نہیں سنتے ہیں، آپ اپنا کام کریں بس اللہ کے لئے، ان کی طرف نہ دیکھیں، کسی بات کا بھی غم نہ کریں اور اگر کوئی مکر کرے، کسی بات کی تلبیس کرے تو ان کی کسی بات سے مغموم مت ہو، تم کو رَبّ ہر بات کا اَجر دے گا، "اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ" تقویٰ اختیار کرو، احسان کرو، پھر اس کی معیت تمہارے ساتھ ہے، اور اللہ میاں کسی کے ساتھ ہوجائیں تو پھر کس کی مجال ہے، مگر دعوت کا کام کرو کہ خود بھی عمل کرو دِین پر اور لوگوں کو بھی حکمت کے ساتھ بلاؤ، اچھے اچھے مضامین کے ساتھ، یہ سمجھ کر کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا ہے، پھر اللہ میاں اثر بھی ڈال دیں گے، اور اگر کوئی نہیں مانتا ہے یا تمہارے پاس نہیں آتا ہے، آپ کا کیا بگڑا، بگاڑا اس نے اپنا ہے، آپ کیوں بگڑتے ہیں، آپ نے اپنی آخرت کے لئے یہ کام کیا ہے، آپ کو اس کا ثواب واَجر مل گیا، ان کی ہدایت اللہ میاں کے ہاتھ میں ہے، دینا یا نہ دینا تو ان کا کام ہے، آپ نے ان کے کام میں کیوں دخل دیا، تمام انسانوں کے دِل اس کے ہاتھ میں ہیں وہ دِلوں کا مالک ہے، آپ تو ان کا حکم پہنچاتے رہیں آپ کا صرف اتنا سا کام ہے، لہٰذا ہم کو خود بھی عمل کرنا چاہئے اور اپنے بھائیوں کو بھی بڑی دانائی کے ساتھ، بڑی سمجھ داری کے ساتھ دِین کی طرف لانے کی کوشش کرنی چاہئے، سوچ سوچ کر کہ یہ کس طرح راہ پر آسکتے ہیں، جب آپ نے کوشش کرلی، اللہ پاک آپ کو ثواب دیں گے، جو راہ پر آئے گا اپنے لئے اور نہیں آئے گا اپنے لئے۔

"مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِہٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْھَا" جو نیک کام کرے گا اپنے نفع کے لئے کرے گا، بُرا کرے گا اپنے نقصان کے لئے کرے گا، اس لئے ہر ایک آدمی اپنا کام سمجھ کر کرے اور اس میں دُوسرے کی فکر میں نہ پڑے، اپنا کام تو سمجھانے

کا تھا، سمجھا دیا ہے، جو بیمار ہے اس کو سمجھا بجھا کر دوا پلانی ہے، اخلاق سے، محبت سے، پیار سے، اپنے آپ کو چھوٹا سمجھ کر، اس کو بڑا سمجھ کر، احترام کے ساتھ اس کو دِین کی طرف لانا ہے جب جا کر یہ معاملہ پورا ہوگا، وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

دُعائیہ کلمات

دُعا فرمایئے: اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ، اَللّٰھُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِی الْاُمُوْرِ کُلِّھَا وَاَجِرْنَا مِنْ خِزْیِ الدُّنْیَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَۃِ۔

اے ہمارے پروردگار! ہم کو دُنیا میں بھلائی عطا فرما اور ہم کو آخرت میں بھلائی عطا فرما اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا، اے اللہ! ہم آپ سے معافی چاہتے ہیں، الٰہی! ہماری خطاؤں کو معاف فرمادینا، اے ہمارے مالک! جو ہم کام کریں ہر کام کا انجام بخیر فرما، الٰہی! ہر کام کا انجام اچھا کردے، الٰہی! دُنیا کی رُسوائی سے بچانا، آخرت کے عذاب سے بچانا، الٰہی! ہر مسلمان کو خیر عطا فرمادیجئے، اے اللہ! آپ ہمارے معبود ہیں، آپ نے ہم کو پیدا کیا ہے، الٰہی! ہم آپ کے بندے ہیں، آپ ہمارے مالک ہیں، آپ کی جتنی نعمتیں ہم پر ہیں وہ آپ کے احسانات ہیں، آپ کے بڑے بڑے احسانات ہمارے اُوپر ہیں، اپنے قصوروں کا اعتراف کرتے ہیں، ہمیں نہیں کرنے چاہئے تھے، اِلٰہ العالمین! درگزر فرمادیجئے، جو کچھ ہوگیا توبہ کرتے ہیں، آپ ہی کے گناہ کئے ہیں اور آپ ہی سے معافی چاہتے ہیں، اے اللہ! ہمارے گناہوں کو معاف فرمادیجئے، ہماری خطاؤں کو معاف فرمادیجئے، اِلٰہ العالمین! جو گناہ ہم نے جان کر کئے ہیں وہ بھی معاف کردیجئے اور جو سہواً ہوگئے ہیں وہ بھی

معاف کردیجئے، آپ غفور ہیں، آپ رحیم ہیں، رحم کرنے والے ہیں ہم پر رحم فرمادیجئے، ہم کو بخش دیجئے، آپ رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں۔ اِلٰہ العالمین! ہمارا ایمان پر خاتمہ فرمانا، اے اللہ! ایمان پر قائم رکھنا، اے اللہ! موت کے وقت اسلام پر قائم رکھنا، الٰہی! قبر میں منکر نکیر کے سوال کے جواب میں کامیاب فرمانا، اے اللہ! حشر کے میدان میں حوضِ کوثر سے پانی پلوانا، الٰہی عرش کے سایہ میں جگہ دینا، جبکہ آپ کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا، دوزخ کے اُوپر پل صراط پر سے گزرنا ہمارے لئے آسان نہیں ہے، آپ مہربانی فرمادینا، بجلی کی طرح وہاں سے گزار دینا، الٰہی! ہم آپ سے جنت الفردوس مانگتے ہیں، اپنی رحمت سے جنت الفردوس ہم کو عطا فرمادینا، دوزخ سے بچادینا، دوزخ سے بچادینا، اے اللہ! دوزخ سے بچادینا، اِلٰہ العالمین! ہمیں نیک بنادے، ہماری اولاد کو بھی نیک کردینا، ہم کو بخش دیجئے، ہمارے ماں باپ کو بخش دیجئے، الٰہی! تمام مسلمانوں کو عزّت دیجئے، جہاں جہاں مسلمان پس رہے ہیں ان کی مدد فرمایئے، کافروں کو اور دہریوں کو ہلاک کردیجئے، اِلٰہ العالمین! ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمایئے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ

بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ.

(ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی ذوالحجہ ۱۴۱۴ھ - جون ۱۹۹۴ء)

قصیدۂ بردہ کے چند اَشعار

ظَلَمْتُ سُنَّةَ مَنْ اَحْيَ الظَّلَامَ اِلٰى

اِنِ اشْتَكَتْ قَدَمَاهُ بِالْوَرَمِ

علامہ شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ قصیدہ کہتے ہیں:-

میں نے اس ذاتِ گرامی کی سنت پر (خلاف کرکے) ظلم کیا ہے، جس کی عبادت کا یہ حال تھا کہ شبِ تاریک کی عبادت میں اتنا طویل قیام کیا کرتے کہ ان کے پائے مبارک پر وَرَم آ گیا۔

حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت بیان کرتی ہیں کہ:-

آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم رات میں اس قدر نماز ادا فرماتے تھے کہ آپ کے پائے مبارک پر وَرَم ہوگیا، اس پر عرض کیا گیا: آپ کیوں اس قدر تکلیف اُٹھاتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف فرمادیئے ہیں (یہ بھی تسلی دینے کے لئے کہہ دیا) آپ نے فرمایا: "افلا اکون عبدًا شکورًا" کیا میں اپنے اللہ کا شکرگزار بندہ نہ بنوں؟

وَشَدَّ مِنْ سَغَبٍ اَحْشَاءَهُ وَطَوىٰ

تَحْتَ الْحِجَارَةِ كَشْحًا مُتْرَفَ الْاَدَمِ

اور بھوک کی وجہ سے شکم مبارک کی نرم و نازل کوکھ پر پتھر باندھ لئے تھے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے

بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹ دِکھلائے ان پر ایک ایک پتھر بندھا ہوا تھا، (اس پر ہماری تسلی کے لئے) آقا نے اپنا شکم مبارک دِکھلایا اس پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔

عمر بسر کی نان جویں پر، سکہ چلایا چرخ و زمیں پر
فقر میں استغنا کا یہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

باقی یہ فقر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پسند فرمایا تھا، اس لئے آگے فرماتے ہیں ۔

وَرَاوَدَتْـهُ الْـجِبَـالُ الشُّـمَّ مِنْ ذَهَـبٍ
عَـنْ نَّـفْسِـــهٖ فَـاَرَاهَـا اِنَّـمَـا شَـمَـمٖ

آپ کو سونے کے بلند پہاڑوں نے اپنی طرف مائل کرنا چاہا، مگر آپ نے اپنی جانب سے لاپروائی کا اظہار فرمایا۔

حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

> اے عائشہ! اگر میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ ساتھ چلتے، میرے پاس فرشتہ آیا تھا (اتنا جسیم) کہ صرف اس کے بیٹھنے کی جگہ کعبہ کے برابر تھی، سو اس فرشتے نے کہا کہ آپ کو آپ کا رَبّ سلام کہتا ہے اور آپ کو اختیار دیتا ہے کہ خواہ نبی عبد ہوجاؤ یا نبی اور بادشاہ ہوجاؤ، مجھے جبرائیل دِکھائی دیئے انہوں نے بھی اشارہ دیا کہ عبدیت ہی بہتر ہے، اس لئے میں نے کہا کہ مجھے نبوّت کے ساتھ عبدیت پسند ہے۔

اور اسی وجہ سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم غلام کی طرح بیٹھ کر کھانا کھایا کرتے تھے، تکیہ لگا کر (متکبروں کی طرح) کھانا نہیں کھاتے تھے، اور فرماتے: ''میں تو غلام کی طرح کھاتا ہوں''۔ (شرح السنۃ)

وَاَکَّدَتْ زُهْدَهٗ فِيْهَا ضَرُوْرَتُهٗ
اِنَّ الضَّرُوْرَةَ لَا تَعْدُوْا عَلَى الْعَصَمِ

(آپ کو بھی ضروریاتِ زندگی پیش آتی تھیں) مگر ان ضرورتوں نے آپ کے زُہد کو اور زیادہ کردیا، اور بھلا ایک معصوم شخصیت پر یہ دُنیا کی ضرورتیں کیا اثر کرسکتی ہیں، جن کی شان یہ ہے ؎

وَكَيْفَ تَدْعُوْا اِلَى الدُّنْيَا ضَرُوْرَةُ مَنْ
لَوْلَاهُ لَمْ تَخْرُجِ الدُّنْيَا مِنَ الْعَدَمِ

بھلا دُنیا کی ضرورت اس ذات کو اپنی طرف کیسے بلاسکتی ہے کہ اگر وہ مقصود نہ ہوتے تو دُنیا ہی عدم سے وجود میں نہ آتی۔

وہ اگر مقصود نہ ہوتے کون و مکاں موجود نہ ہوتے
اور مسجود نہ ہوتے آدم صلی اللہ علیہ وسلم

یہ حدیث: "لولاک لما خلقت الافلاک" اگرچہ محدثین نے اس میں کلام کیا ہے اور لفظاً گو یہ ضعیف ہی سہی، مگر معنی صحیح ہے۔ اب میں ان کا نام لوں۔

مُحَمَّدٌ سَيِّدُ الْكَوْنَيْنِ وَالثَّقَلَيْنِ
وَالْفَرِيْقَيْنِ مِنْ عَرَبٍ وَّمِنْ عَجَمٍ

وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو دونوں کون کے سردار ہیں، یعنی عالَمِ دُنیا و عالَمِ آخرت اور جن و انسان اور دونوں فریق عرب و عجم سب کے سردار ہیں۔

"محمدؐ" کے معنی حمد کئے ہوئے، ان کی ان کے رَبّ نے تعریف کی ہے: "اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ" اور کہا ہے: "وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ" بے شک آپ بڑی عظمت کے لائق اخلاق کے مجسّمے ہیں، اور فرمایا: ہم نے آپ کو اے نبی! سارے جہان والوں کے لئے باعثِ رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن جامی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں ؎

چہ نامست اینکہ در دیوان ہستی
بروں گرفت نامے پیش دستی

اس عالمِ ہستی میں یہ کیسا پیارا اور محترم نام ہے کہ اس نام کا اس سے پہلے دُنیا میں کوئی نہیں گزرا۔

زبانم چوں ازو حرفے سراید
دِل و جانم زلذت پر بر آید

اللہ میاں یہ کیسا پیارا نام ہے ''محمد'' جب اس کا ایک حرف زبان پر آتا ہے تو دِل و جان لذّت سے بھر جاتے ہیں۔

چوں نام اینست نام آور چہ باشد
مکرم تر بود از ہرچہ باشد

میں کہتا ہوں الٰہی! جب ان کا نام ایسا ہے تو جن کا یہ پیارا نام ہے وہ کیسے ہوں گے، بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ جو کچھ بھی خدا نے پیدا کیا ہے ان میں سب سے مکرّم وہی ہو سکتے ہیں۔

مکرّم شو زعالم نسلِ آدم
مکرّم تر ویست از ہر مکرّم

نسلِ آدم کو جو خدا نے تکریم و شرافت بخشی ہے، یہ ان ہی کی وجہ سے بخشی ہے کیونکہ خدا کی مخلوق میں سے ہر مکرّم ہستی سے زیادہ مکرّم اور قابلِ تکریم و تعظیم ہیں۔

خدا برسروراں را سرداریش داد
زخیل انبیاء سرداریش داد

خدا نے ان کو سارے سرداروں پر سردار رکھا ہے، اور حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی جماعت پر ان کو سرکاری عطا کی ہے۔

ایک جگہ مُلّاَ جامی رحمۃ اللہ علیہ یوں فرماتے ہیں ؎

بیادے ہم نفس باہم بنالیم
من وتو کشتہ شیف جمالیم
دو حرفے بر مراد دل بگویم
بپائے خواجہ چشماں را بمالیم

اے رفیق! ہم نفس آ کہ ہم مل کر ذرا آنسو بہالیں کیونکہ میں بھی اور تو بھی ان کی شانِ جمالی پر مرمٹنے والے ہیں، اس سردارِ دو جہاں کے پائے مبارک پر آنکھیں مل لیں اور ان کی دو باتیں کر کے دِل کی مراد اور لگن بجھالیں۔

نَبِیّنَا الْاٰمِرُ النَّاهِیْ فَلَا اَحَدٌ
اَبَرَّ فِیْ قَوْلِ لَا مِنْهُ وَلَا نَعَمٖ

ہمارے نبی اچھی باتوں کا حکم دینے والے اور بُری باتوں سے منع کرنے والے ہیں، بھلا ان کی ہاں کردینے یا ناں کردینے سے زیادہ نیک کسی کی ہاں یا ناں ہوسکتی ہے۔

دَعَا اِلَی اللهِ فَالْمُسْتَمْسِکُوْنَ بِهٖ
مُسْتَمْسِکُوْنَ بِحَبْلٍ غَیْرَ مُنْفَصِمٖ

وہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی طرف لوگوں کو بلانے والے ہیں، جو بھی ان کی اس دعوت الی اللہ کو تھام لے گا تو گویا اس نے ایسی مضبوط رسّی کو تھام لیا جو کبھی نہیں ٹوٹ سکتی ہے۔

حضرت ابو شریح خضاعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سردارِ عالَم وعالمیان صلی اللہ علیہ وسلم درِ دولت سے ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا:-

کیا تم لوگ اس بات کی شہادت دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں؟ لوگوں نے عرض کیا: بلاشک ہم گواہی دیتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ: یہ قرآن اس

کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور ایک سرا تمہارے ہاتھ میں ہے، سوتم اس قرآن کو مضبوط پکڑ لو، تم کبھی گمراہ نہ ہوگے اور ہرگز ہلاک نہ ہوگے۔ (طبرانی)

فَاقَ النَّبِيِّيْنَ فِیْ خَلْقٍ وَفِیْ خُلُقٍ
وَلَمْ يُدَانُوْهُ فِیْ عِلْمٍ وَلَا كَرَمٍ

وہ تمام پیغمبروں پر فوقیت رکھتے ہیں جمال باکمال میں بھی اور اخلاق میں بھی ایسے ہیں کہ ان کے علم وسخا کے درجے کے قریب کوئی نہیں پہنچا ہے۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب جامی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قصیدے میں کیا نقشہ کھینچا ہے، یہ وہ قصیدہ ہے کہ جس کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مطہرہ پر جاکر پڑھا ہے، اور خواب کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارات ان کو بھی ہوئیں اور حاکمِ وقت کو بھی دو مرتبہ زیارت نصیب ہوئی، آپ نے مُلّا جامیؒ کے لئے باتیں بتلائیں اور مُلّا جامی بھی محبت سے سرشار تھے، سنائے بغیر نہ رہ سکے، روضۂ اطہر پر جاکر سنایا اور پڑھا، ممکن ہے شوق سے پڑھنے والے کو اب بھی زیارت نصیب ہوجائے تو اللہ کی رحمت سے کیا بعید ہے۔

زمہجوری برآمد جان عالم
ترحم یا نبی اللہ ترحم

اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی زیارت کے شوق میں اس ہجر وفراق سے دُنیا والوں کی جان نکل چکی ہے کہ کسی طرح دیدار ہوجائے، کسی طرح زیارت ہوجائے، اے اللہ! کے نبی رحم فرماؤ، رحم فرماؤ۔

نہ آخر رحمۃ للعالمینی
زمحر و ماں چرا غافل نشینی

تو کیا آپ سب جہانوں کے لئے باعثِ رحمت نہیں ہو اور جب ہو اور یقیناً

ہوتو پھر ہم محرومانِ زیارت، دیدار کے ترس جانے والوں سے بے خبر سے ہوگئے ہو، کسی طرح ان کی بھی تو خبر لو، کب تلک یہ فراق میں تڑپتے رہیں گے، اب تو ذرا باہر آجاؤ، آپ کی زیارت کے مشتاق درِ دولت پر کھڑے ہیں، جس طرح آپ چاہیں مگر ہم زیارت کے لئے بے چین ہیں۔

زخاک اے لالہ سیراب برخیز
چوں نرگس خواب از خواب برخیز

اے لالہ سیراب خاکِ پاک سے اُٹھ جاؤ، اے نرگسی نیند سے سونے وا۔ لے نیند سے بیدار ہوجاؤ، دیکھو فراق سے اس اُمت کا کیا حال ہوگیا ہے۔

بروں آور سر از برد یمانی
کہ رُوئے تست صبحِ زندگانی

ان یمنی چادروں سے سر مبارک تو نکال لیجئے، ذرا چہرۂ انور کو ایک نگاہ ہم بھی دیکھ لیں، آپ کا رُوئے مبارک دیکھنا ہماری زندگی کی صبح ہوگی یعنی ہماری حیات کا سب سے سہانا وقت یہی ہوگا کہ جس وقت ہم آپ کے جمالِ جہاں آرا کو ایک نظر دیکھ رہے ہوں گے۔

شب اندوہ مارا روز گردوں
زرویت روز ماہ فیروز گرداں

ہماری اندوہ وغم والی بات کو روزِ روشن کی طرح کردیجئے آپ کو دیکھ لینے سے ہمارے دن کو کامیاب بنایئے، ہم اپنی قسمت پر فخر کریں گے کہ اس روز ہم کو سردارِ دو جہان کی زیارت ہوئی، بھلا اس سے زیادہ کامیاب دن کون سا ہوسکتا ہے، بھلا ہم اُمتی اور آپ کی زیارت کرلیں۔

بہ تن در پوش عنبر بوئے جامہ
بسر بربند کافوری عمامہ

مشک و عنبر میں بسائے ہوئے پوشاک کو زیبِ تن فرمالیجئے اور سر پر کافوری عمامہ باندھ لیجئے جیسا کہ آپ کا لباسِ مبارک ہے (تصوّر ہی میں آجاؤ)۔

فرود آویز از سو گیسواں را
فگن سایہ بپا سرو رواں را

سر مبارک پر سے گیسوئے مبارک کو نیچے فرما کر اس سرو جیسے قد مبارک کے پاؤں مبارک کا ہم پر سایہ ڈال دیجئے۔

ادیم طائفی نعلین پا کن
شراک از رشتہ جانہائے ما کن

طائف کے نرم و نازک چمڑے کی بنی ہوئی نعلین مبارک پہن لیجئے اور ہماری جانوں کے رشتے کا تسمہ بنا کر ان میں ڈال لیجئے۔

جہانے دیدہ کردہ فرش راہند
چوں فرش اقبال پابوس تو خواہند

ایک دُنیا کی آپ کے راستے کے فرش پر نظریں جمی ہوئی ہیں (کہ چہرۂ انور کی طرف نظر کرنے کی ہمت نہیں ہے، صرف فرشِ راہ پر نظریں ہیں کہ قدم مبارک آئیں اور دِل کی مراد پوری ہوجائے۔

بلکہ فرش کی طرح کہ وہ آپ کے قدم مبارک کو آپ کے چلتے وقت بوسہ دیتا ہے ہم بھی آپ کے پائے مبارک کو بوسہ دے کر اپنا نصیبہ جگالیں۔

زحجرہ پائے در صحنِ حرم نہ
بفق خاک رہ بوساں قدم نہ

حجرہ مبارک سے صحنِ حرم میں پائے مبارک تو رکھ لیجئے اور ان اپنے راستے کی خاک کو بوسہ دینے والوں کے سر کی مانگ پر اپنا قدم مبارک رکھ کر شاداں کیجئے، اگر آپ کا قدم مبارک ہمارے سروں پر رکھا جائے تو ہمارے لئے اس سے زیادہ خوش

نصیبی ہو سکتی ہے، ذرا آپ تشریف تو لائیں۔

بدہ دستے زپا افتادگان را
بکن دلداریئے دلدادگاں را

ان پڑے ہوئے اور پھسلے ہوؤں کو اپنا دست مبارک پکڑا دیجئے اور ان دِل نثار کرنے والوں کی دلداری فرمائیے۔

اگرچہ غرق دریائے گناہیم
فتادہ خشک لب بر خاک راہیم

اگرچہ ہم گناہوں کے دریا میں غرق ہو چکے ہیں مگر آپ کی راہ کی مٹی پر خشک لب پڑے ہوئے ہیں۔

تو ابر رحمتی آں بہ کہ گاہے
کنی بر حال لب خشکاں نگاہے

آپ تو اَبرِ رحمت ہیں، آپ کی شان کے لائق یہی ہے کہ ان خشک لبوں کے حال پر نظر فرمائیں۔

یہ اسی قصیدے کے چند اَشعار ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: جامی کو روک لو کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم سن کر باہر آ جائیں، بادشاہِ وقت نے ان کو قید کر دیا، شب خواب ہی فرمایا کہ: قید کرنے کو کس نے کہا ہے؟ اس عاشق کو رہا کرو۔

دیکھو! وہ اُمِّ معبدؓ کس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا اور سیرتِ پاک کا نقشہ کھینچ رہی ہیں حالانکہ آپؐ ہجرت فرماتے وقت مدینہ منوّرہ کے راستے میں چند ساعت اس اُمِّ معبد کے پاس ٹھہرے تھے کہ وہ مسافروں کی خدمت کرتی تھی۔ واحسنه واجمله من قریب، قریب ہو تو بڑے اچھے اخلاق والے جمال والے معلوم ہوں، حلو المنطق گویائی بڑی ہی شیریں تھی، فصلاً اور ہر بات الگ الگ صاف ہوتی تھی، لا تزر وهذر ، نہ کسی پر عیب لگاتے اور نہ بیہودہ کوئی بات نکلتی، کان

منطقه حزرات نظم، ان کے کلمات پروئے ہوئے موتیوں کی طرح تھے، ینحدرن جو موتی کی طرح نکلتے تھے، رجعة میانہ قد تھا، لا تشناه من طول، تو ان کے لمبے پن میں ذرا سی بھی نقص کی بات نہ دیکھے، ولا تقتحمه عن قصر، اور نہ ٹھگنے پن کی کوئی بُرائی پائے، غصن بین غصنین، کہا کیوں دو شاخوں کے درمیان والی شاخ کی طرح تھے، فھو انضر الثلاثة، وہ تینوں میں سب سے زیادہ انوار والے تھے، واحسنھم قدرا، اور ان میں مرتبے میں سب سے احسن تھے، لد رفقاء یحفون به، ان کے رفیق ان پر جان دیتے تھے، ان قال سمعوا قوله، اگر وہ بولیں تو ان کی بات غور سے سنتے، وان امر تبادروا الیٰ امره، اگر وہ کوئی حکم کریں تو اس کی تعمیل میں دوڑ پڑیں، محمود، قابلِ حمد اور لائقِ تعریف تھے، محسود اگر ان پر حسد کیا جائے تو بجا ہے، لا عابس ولا عقید، نہ ترش رو تھے اور نہ کلام منطقی کرتے تھے۔

امیر خسرو علیہ الرحمۃ کہتے ہیں ؎

اے چہرہ زیبائے تو رشکِ بتانِ آزری
ہر چند وصفت میکنم دو حسن زاں بالاتری
اے نور ذاتِ کبریا قندیل قصرِ خسروی
بر برق تو زیبد بجا واللہ تاجِ سروری

(ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی ذوالحجہ ۱۴۱۸ھ - اپریل ۱۹۹۸ء)

مغفرت کی بارش

اس مضمون میں ایسے اعمالِ صالحہ کی احادیث درج کی گئی ہیں جن پر گناہوں کی مغفرت مرتب ہوجاتی ہے، لیکن ان گناہوں سے مراد گناہِ صغیرہ ہوتے ہیں۔ کبیرہ گناہ کی معافی کے لئے توبہ کرنا مع اس کی شرائط کے شرط ہے۔ اور حقوق العباد کے جو گناہ ہیں وہ جب تک اس بندے سے صفائی، ادائیگی یا معافی شافی نہ کرلی جائے یہ حق العبد بھی معاف نہیں ہوتا، بندے کا حق معاف کرانے یا ادا کرنے کے بعد ہی مغفرت مرتب ہوتی ہے، یہ قانونِ الٰہی ہے۔ اور ویسے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہے کرلے اور جس کو چاہے بخش دے۔ لہٰذا ان احادیث کو پڑھتے ہوئے اس تفصیل کا خیال رکھیں۔

پچھلے گناہ سب معاف (گناہِ صغیرہ)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے وضو کیا اور نہایت احسن طریقے پر وضو کیا، پھر فرمایا: جس شخص نے میرے اس وضو کرنے کی طرح سے وضو کیا، پھر مسجد میں آیا، وہاں دو رکعت نفل ادا کی، پھر بیٹھا تو اس کے پچھلے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: دھوکا مت کھانا۔ (بخاری) دھوکا کھانے کا مطلب یہ ہے کہ عمل کے بغیر مغفرت کے بھروسہ پر نہ رہنا، باقی اعمال بھی کرتے رہنا۔

ایک حدیث میں ہے انہوں نے کہا کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی آدمی وضو کرے اور (سنت کے مطابق) اچھی طرح

وضو کرے، تو اس نماز اور اگلی نماز کے درمیان کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں جبکہ وہ نماز ادا کرے۔ (اسناد علی شرط الشیخین) حضرت حمران رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وضو کا پانی منگایا جبکہ سردی کی رات میں وہ نماز کے لئے جانا چاہتے تھے، سو میں پانی لایا اور انہوں نے (وضو کیا جس میں) اپنا چہرہ اور ہاتھ دھوئے، تو میں نے عرض کیا کہ: اللہ تعالیٰ آپ کی کفایت کرے رات بڑی بھاری سردی والی ہے، پس انہوں نے فرمایا کہ: میں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا ہے: جب بندہ وضو کو کامل طریقے سے کرتا ہے تو حق تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرمادیتے ہیں۔ (بزار)

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے: جس نے وضو کیا اور کامل طریقے سے وضو کیا کہ اپنا ہاتھ اور چہرہ دھوئے، اپنے سر اور کانوں کا مسح کیا اور اپنے پاؤں دھوئے، پھر وہ فرض نماز کے لئے کھڑا ہوا تو اس دن پر وہ گناہ (صغیرہ) معاف کردیا گیا جس کے لئے اس کے پاؤں چلے ہیں اور اس کے ہاتھوں نے پکڑا ہے اور اس کے کانوں نے سنا ہے اور اس کی آنکھوں نے دیکھا ہے اور اس کے نفس نے کوئی بُرے خیالات میں انہماک کیا ہے، اور کہا: واللہ! میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی بار سنا ہے کہ شمار نہیں کرسکتا ہوں۔ (احمد) اور ایک روایت میں ہے کہ جب وضو کے بعد بیٹھتا ہے تو بخشا ہوا ہوتا ہے۔ (اسناد هذه حسن)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا: جو مسلمان کہ وضو کرتا ہے پس کامل طریقے سے وضو کرتا ہے پھر اپنی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے، پس جو کچھ نماز میں پڑھتا ہے اسے جان کر پڑھتا ہے کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے (مطلب یہ ہے کہ قصداً نماز سے غفلت نہیں برتتا) تو جب نماز سے فارغ ہوتا ہے تو اس طرح ہوتا ہے جس طرح اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے

والے دن تھا۔ (مسلم)

ایک لمبی حدیث میں ہے کہ: جس شخص نے پانچ وقتوں کی نماز باجماعت پڑھنے کی محافظت کی تو وہ ایسا ہوگا جیسے اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والے دن (بے گناہ) تھا۔ (ترمذی)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا ہے: جس شخص نے حکم کے مطابق وضو کیا اور اللہ کے حکم کے مطابق نماز پڑھی تو اس کے اگلے پچھلے گناہ (صغیرہ) بخش دیئے جاتے ہیں۔ (نسائی)

حضرت زید خالد الجہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے وضو کیا اور (سنت کے مطابق) اچھی طرح سے وضو کیا اس کے بعد دو رکعت (تحیۃ الوضو کی) پڑھیں جس میں سہو سے کام نہیں لیا (دھیان سے نماز پڑھی) تو اس کے پچھلے گناہ معاف کردیئے گئے۔ (ابوداؤد) ایک روایت میں یہ ہے کہ نماز کے بعد اس نے اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی تو اس کے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔ (احمد)

حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں آپؐ نے فرمایا ہے کہ: جس شخص نے عصر سے قبل چار رکعت (سنت) ادا کیں تو اللہ تعالیٰ اس کے بدن کو دوزخ کی آگ پر حرام کردے گا۔ (طبرانی)
ایک حدیث میں ہے: میری اُمت والے ہمیشہ عصر سے قبل چار رکعت سنت پڑھتے رہیں گے حتیٰ کہ وہ زمین پر اس طرح چلیں گے کہ ان کے گناہ حتمی طور سے بخشے ہوئے ہوں گے۔ (طبرانی)

حضرت محمد بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو مغرب کے بعد چھ رکعت پڑھتے ہوئے دیکھا، انہوں نے کہا کہ:

میں نے محبوب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کے بعد چھ رکعت پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، اور یہ فرمایا تھا کہ جو شخص مغرب کے بعد چھ رکعت پڑھے گا تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں۔ (طبرانی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے بستر پر سونے کے لئے لیٹے اور یہ کلمات پڑھے: "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَّلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ سُبْحَانَ اللہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰــہَ اِلَّا اللہُ وَاللہُ اَکْبَرُ" اس کے گناہ یا اس کی خطائیں معاف کردی جاتی ہیں چاہے وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ (نسائی)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے بستر پر سوتے وقت تین بار یہ کہا: "اَسْتَغْفِرُ اللہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ" تو اس کے گناہ معاف کردیئے جاویں گے خواہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں، اور چاہے درختوں کے پتوں کی تعداد کے برابر ہوں یا ریت کے ٹیلے کی ریت کے اجزاء کے برابر کیوں نہ ہوں، یا اس دنیا کے (جب سے ہے جب تک رہے گی اس کے) کُل ایام کے برابر گناہ ہوں تب بھی وہ بخش دیئے جاویں گے۔ (ترمذی)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے بستر پر جاکر یہ کلمات کہے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَلَا فَقَھَرَ وَبَطَنَ فَخَبَرَ وَھَکَ فَقَدَرَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" تو وہ ایسا گناہوں سے ایسا پاک ہوجاتا ہے جیسے وہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والے دن تھا۔ (طبرانی)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: فرمایا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: تم میں سے جو شخص رات کو نماز پڑھے (تہجد) اسے قراءت جہر سے کرنی چاہئے کیونکہ ملائکہ اس کی نماز کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور اس کی قراءت سنتے ہیں، اسی طرح وہ ایمان والے جنات جو ہوا میں ہوتے ہیں اور جو آس پاس گھروں میں ہوتے ہیں اس کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور اس کی قراءت سنتے ہیں اور اس کی قراءت کرنے کی وجہ سے فاسق جنات اور سرکش شیاطین اس کے گھر سے اور آس پاس کے گھروں سے دُور کردیئے جاتے ہیں، اور جس گھر میں قرآن پڑھا جاتا ہے اس پر نور کا ایک خیمہ قائم کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے آسمان والے اس طرح راستہ پاتے ہیں جس طرح سمندروں کی موجوں میں اور چٹیل میدانوں میں آسمان کے ستاروں سے راستہ معلوم کیا جاتا ہے، پھر جب یہ قرآن پڑھنے والا مرجاتا ہے تو وہ نور کا خیمہ اُٹھالیا جاتا ہے پھر آسمان کے فرشتے دیکھتے ہیں تو وہ نور نظر نہیں آتا، پس ایک آسمان سے دُوسرے آسمان تک فرشتے اس شخص سے ملاقات کرتے ہیں اور رُوحوں میں جانے کے بعد اس کی رُوح پر فرشتے رحمت کی دُعا کرتے ہیں، پھر وہ فرشتے جو اس کے محافظ تھے، اس کے ساتھ رہتے تھے، اس کا استقبال کرتے ہیں، پھر جس روز یہ اپنی قبر سے اُٹھایا جائے گا اس کے لئے اِستغفار کریں گے۔ (بزار)

جس شخص نے صبح کو سو دفعہ اور شام کو سو دفعہ "سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ وَسُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ" پڑھا تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے چاہے وہ سمندر کے جھاگ سے بھی زیادہ ہوں۔ (مسلم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے صبح یا شام کو یہ کہا: "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَصْبَحْتُ اُشْهِدُكَ وَاُشْهِدُ حَمَلَةَ عَرْشِكَ وَمَلَائِكَتِكَ وَجَمِيْعِ خَلْقِكَ اَنَّكَ اَنْتَ اللهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ" تو اللہ تعالیٰ اس کا ایک چوتھائی دوزخ سے آزاد کردے گا، پس جس نے دو دفعہ کہا تو اللہ تعالیٰ اس کے آدھے کو دوزخ سے آزاد

کردے گا، جس نے تین دفعہ کہا تو اللہ تعالیٰ اس کا تین چوتھائی دوزخ سے آزاد کردے گا، پس اگر اس کو چار دفعہ کہا تو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ سے آزاد کردے گا، روایت کیا اس کو ابوداوَد نے اور ترمذی میں آزاد کرنے کے لفظ کے بجائے یہ فرمایا ہے کہ: آج جس قدر اس کے گناہ ہوئے ہیں سب بخش دیں گے اور شام میں کہا تو رات میں جو گناہ ہوں گے ان کو اللہ تعالیٰ بخش دیں گے۔

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے دن کا اوّل سرا نیکی سے شروع ہوا اور اس کا ختم بھی خیر پر ہوا تو اللہ پاک اپنے فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ اس کے درمیان کے گناہ مت لکھنا۔ (طبرانی)

حضرت ابان المحاربی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی مسلمان بندہ جب صبح کرتا ہے اور کہتا ہے: ”رَبِّیَ اللّٰہُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَا اُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا وَّاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ“ تو اللہ تعالیٰ اس کے شام تک کے گناہ معاف کردیتا ہے، اسی طرح اگر اس نے شام کو کہا تو صبح تک کے گناہ معاف کردیتا ہے۔ (بزار)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: دونوں اعمال کے حفاظت کرنے والے فرشتے (کراماً کاتبین) اللہ عزّ وجل کی طرف رات یا دن کے اعمال اُٹھا کر لے جاتے ہیں، پس اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال کے شروع میں اور اَخیر میں بھلائی دیکھتے ہیں تو فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ تم گواہ رہو میں نے اس بندہ کے نامہ اعمال کے دونوں کناروں کے درمیان جو کچھ ہے معاف کردیا ہے۔ (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے انہوں نے کہا: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: جس نے چاشت کی دو رکعت پر ہمیشگی کی تو اس کے

گناہ معاف کردیئے جائیں گے اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔

ف:- ان سب سے مراد گناہِ صغیرہ ہیں، اگرچہ کتنی ہی تعداد میں ہوں، مگر اللہ تعالیٰ اس کو نیکیوں کی توفیق دیں گے اور گناہوں سے محفوظ رکھیں گے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک میں گئے، ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ باتیں کر رہے تھے، پس آپؐ نے فرمایا: جس کے سامنے آفتاب آجائے (مراد اِشراق کا وقت ہے) پھر وہ کھڑا ہو، پس وضو کیا، پس بہت اچھی طرح وضو کیا، پھر کھڑے ہوکر اس نے دو رکعت نفل پڑھیں تو اس کی خطائیں معاف کردی جائیں گی اور ایسا ہوجائے گا جیسا ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے دن تھا۔

حضرت اُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں کہا: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: جب آفتاب نکلنے کے بعد اتنا اُونچا ہوجائے جیسا (مغرب میں ڈُوبنے سے پہلے) عصر کے وقت ہوتا ہے، پس آدمی دو رکعت نماز پڑھے، چار سجدے کرے تو اس روز کی عبادت کا اَجر اس کے لئے لکھا جاتا ہے۔ راوی کہتے ہیں: میرا گمان ہے کہ فرمایا تھا: اس کی خطا اور گناہ مٹادیا جاتا ہے، اور میرا خیال ہے یہ بھی فرمایا تھا کہ: اگر وہ مرگیا تو جنت میں داخل ہوگا۔ (طبرانی)

حضرت عکرمہ، ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا عباس بن عبدالمطلبؓ کو کہا: یا عباس! اے چچا جان! کیا میں آپ کو عطا نہ کروں، کیا میں آپ کو نہ دے دُوں، کیا میں آپ کو ہبہ نہ کروں، کیا میں آپ کو دس چیزیں نہ بتلاؤں، جب آپ وہ کرلیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے گناہ معاف فرمادیں گے اگلے اور پچھلے اور پُرانے اور نئے، خطا سے اور جان کے کئے ہوئے اور صغیرہ اور کبیرہ اور ظاہری اور پوشیدہ کئے ہوئے کہ آپ چار رکعت نفل پڑھیں، ہر رکعت میں فاتحہ اور سورت سے جب فارغ ہوجائیں تو قراءت کے

بعد کھڑے کھڑے آپ یہ کہیں: ''سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ''
پندرہ دفعہ، پھر رُکوع کریں اور رُکوع کی حالت میں دس دفعہ کہیں اور پھر اپنا سر رُکوع
سے اُٹھائیں تو دس دفعہ کہیں، پھر سجدے میں جاکر حالتِ سجدہ میں دس دفعہ، پھر سجدے
سے سر اُٹھائیں اور بیٹھ کر دس دفعہ کہیں، پھر دُوسرے سجدے میں جاکر دس دفعہ کہیں،
پھر دو سجدوں کے بعد بیٹھ کر دس دفعہ کہیں، پس ہر رکعت میں یہ (تسبیح) پچھتّر دفعہ
ہوئی، اسی طرح ہر رکعت میں کریں، اگر آپ ہر روز ایک دفعہ پڑھ سکتے ہیں تو پڑھیں،
پس اگر اس کی طاقت نہیں تو ہر جمعہ میں ایک دفعہ، پس اگر نہیں کرسکتے تو ہر مہینے میں
ایک دفعہ، پس اگر نہیں کرسکتے تو سال میں ایک دفعہ، پس اگر نہیں کرسکتے تو اپنی عمر میں
ایک دفعہ۔ (ابوداؤد)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے: کوئی آدمی کوئی گناہ کرلے، پھر کھڑا ہو پاک
صاف ہوجائے، پھر نماز پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے مگر اللہ پاک اس کو
معاف فرمادیں گے۔ (ترمذی)

جمعہ سے متعلق

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا: جس شخص نے وضو کیا اور (سنت کے مطابق) اچھی طرح سے وضو کیا پھر وہ جمعہ
کے لئے آیا، پھر اس نے (خطبہ) غور سے سنا اور چپ رہا تو اس جمعہ سے دُوسرے
جمعہ تک کے گناہ بخش دیئے گئے اور تین دن کے اور زیادہ بھی، اور جس نے کنکریوں کو
(کھیل کرنے کو) ہاتھ لگایا اس نے لغو کام کیا۔ (مسلم، ابوداؤد)

اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر نیکی کا دس گنا ثواب مقرّر ہے، اس لئے ہفتے کے
سات دن اور اُوپر اور تین دن کئے تاکہ دس گنا پورا ہوجائے۔ اور ''لغو کام کیا'' اس کا

مطلب یہ ہے کہ اَجر سے محروم ہوگیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے دُوسری روایت میں آیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچوں نمازیں اور جمعہ سے لے کر جمعہ اور رمضان سے رمضان درمیان کے گناہوں کے لئے مٹانے والے ہوجاتے ہیں، بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے بچا رہے۔ (مسلم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جمعہ کے روز کسی مسلمان کو بخشش کئے بغیر نہیں چھوڑتے ہیں۔ (طبرانی مرفوعاً فیہ اری اسنادہ حسن)

ایک حدیث میں ہے: ہم دُنیا میں آخر میں آئے مگر قیامت کے روز اوّل ہوں گے، اور تمام مخلوق سے پہلے بخشے ہوئے ہوں گے۔ (مسلم نحوہ)

حضرت ابوبکر اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے جمعہ کے روز غسل کیا اس کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ: جمعہ کے دن کا غسل بالوں کی جڑوں میں سے گناہ اور خطائیں کھینچ لیتا ہے اور دھو دیتا ہے۔ (طبرانی)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھنے سے ایک نور اس کے قدم سے آسمان تک کی برابر نکلتا ہے، جو قیامت تک چمکتا رہتا ہے، اور دونوں جمعوں کے درمیان کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔ (ابنِ مردویہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے جمعہ کی رات کو سورۂ دُخان پڑھی اس کی بخشش ہوئی، اور ایک روایت میں ہے: جس نے جمعہ کی رات یا جمعہ کے دن میں پڑھی تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک مکان بنادیں گے۔ ایک روایت میں ہے: جس نے کسی بھی ایک رات سورۂ دُخان تلاوت کی تو ستر ہزار فرشتے اس کے لئے دُعائے مغفرت کرتے

رہتے ہیں۔ (ترمذی و اصفہانی)

خیر خیرات

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خیرات کیا کرو کہ صدقہ تم کو دوزخ کی آگ سے چھڑانے کا ذریعہ ہے۔ (بیہقی)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل کے ایک عابد نے اپنے گرجا میں ساٹھ برس عبادت کی، بارش ہوئی زمین پر سبزہ اُگا تو راہب نے اپنے گرجا سے جھانک کر دیکھا اور کہا: اگر میں گرجا سے نیچے آجاؤں تو شاید زیادہ بھلائی کرسکوں، سو وہ نیچے اُترا اور اس کے پاس ایک روٹی تھی یا دو روٹی تھیں، پس اسی اثناء میں کہ وہ زمین پر تھا اسے ایک عورت ملی اور وہ عورت اس سے باتیں کرنے لگی، اور وہ بھی عورت سے باتیں کرنے لگ گیا حتیٰ کہ منہ کالا کرلیا، اس کے بعد راہب بے ہوش ہوگیا، پھر وہ غسل کے لئے کسی جوہڑ پر گیا، وہاں ایک سائل آیا تو راہب نے اشارہ کیا کہ وہ دونوں روٹیاں لے لے، اور راہب کا انتقال ہوگیا۔ اس کی ساٹھ سالہ عبادت کو اس ایک زنا کے ساتھ تولا گیا تو زنا اس کی نیکیوں پر غالب ہوگیا، پھر وہ ایک یا دو روٹیاں رکھی گئیں نیکیوں کے پلڑے میں، اب نیکیاں غالب ہوگئیں اور اس کی بخشش ہوگئی۔ (ابنِ حبان)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلے کسی شخص کی رُوح سے ملائکہ نے ملاقات کی تو ملائکہ نے دریافت کیا: تو نے کوئی بھلائی کی؟ اس نے کہا: نہیں، انہوں نے کہا: یاد کر تو لوگوں کو اُدھار سودا دیا کرتا تھا اور تو نے اپنے کارندوں سے کہا تھا کہ: تنگ دست کو مہلت دے دیا کرو، اور مال دار سے درگزر کیا کرو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس سے بھی درگزر کرو۔ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین باتیں (گناہوں کو) مٹادینے والی ہیں، کھانا کھلانا، سلام پھیلانا اور جب لوگ سوئے پڑے ہوں اس وقت نماز پڑھنا۔ (حاکم) ایک روایت میں ہے: بخشش کے اسباب میں سے بھوکے مسلمان کو کھانا کھلانا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے بھوکے مسلمان بھائی کو کھانا کھلایا حتیٰ کہ اس کا پیٹ بھر گیا اور اس کو پانی پلایا حتیٰ کہ اس کو سیراب کردیا تو خداوند تعالیٰ اس کو تین خندقوں کی مقدار دوزخ سے دُور کردے گا اور ہر خندق کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہوگی۔ (طبرانی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص کسی راستے میں چلا جارہا تھا، گرمی کی شدّت تھی، اس نے ایک کنویں کو پایا سو وہ اس میں اُترا اور پانی پیا، پھر باہر آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک کتا پیاس کے مارے کانپ رہا ہے اور مٹی چوس رہا ہے، اس شخص نے خیال کیا جیسے مجھے پیاس لگ رہی تھی وہی حال اس کا بھی ہے، سو وہ کنویں میں اُترا اور اپنا موزہ پانی سے بھرا پھر اپنے منہ سے اسے پکڑا حتیٰ کہ اُوپر چڑھ آیا اور اس کتے کو پانی پلایا، اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کی قدردانی کی پس اس کی مغفرت کردی، صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! بلاشبہ کیا ان چوپایوں میں بھی ہم کو اَجر ملتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر تر جگر والے کے ساتھ احسان کرنے میں اَجر ہے۔ (مالک)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات باتیں ہیں جن کا مرنے کے بعد بندے کو ثواب پہنچتا رہتا ہے اس حال میں کہ وہ اپنی قبر میں پہنچ جائے، جس نے کوئی علم سکھایا، یا نہر کھودی یا کنواں کھودا یا کھجور کے درخت اُگائے یا مسجد بنائی یا قرآن شریف کا

وارث چھوڑا یا اولاد چھوڑ گیا جو مرنے کے بعد اس کے لئے مغفرت کی دُعا کرتی رہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب رمضان المبارک کی پہلی رات ہوتی ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور رمضان کی آخری رات آنے تک کوئی دروازہ بند نہیں کیا جاتا اور کوئی بندۂ مؤمن رات کو نماز پڑھے تو اس کو ہر سجدے کے بدلے ڈھائی ہزار نیکیاں ملتی ہیں اور جنت میں اس کے لئے سرخ یاقوت کا ایک محل بنادیا جاتا ہے جس کے ساٹھ ہزار دروازے اور ہر دروازے کے بالمقابل یاقوتِ احمر سے جڑا ہوا سونے کا ایک قصر ہوتا ہے، پھر جب وہ رمضان کا پہلا روزہ رکھتا ہے تو اس کے پچھلے رمضان سے لے کر اس وقت تک کے تمام گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں اور اس کے لئے روزانہ ستر ہزار فرشتے صبح سے لے کر شام تک مغرب تک برابر اِستغفار کرتے رہتے ہیں، اور شہرِ رمضان میں رات کو یا دن کو ہر سجدہ کے بدلے ایسا درخت دیا جائے گا کہ سوار اس کے نیچے سے پانچ سو سال چلتا رہے۔ (بیہقی)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ: جو شخص کسی روزے دار کا روزہ اِفطار کرادے تو اس اِفطار کرانے والے کے گناہوں کی مغفرت ہوجاتی ہے اور اس کی گردن دوزخ سے آزاد کردی جاتی ہے اور اس روزے دار کے روزے کا اَجر کم کئے بغیر اس اِفطار کرانے والے کو اتنا ہی اَجر دیا جاتا ہے۔ ماہِ رمضان کا اوّل حصہ رحمت ہی رحمت ہے، اور درمیان میں مغفرت ہوتی ہے اور آخر میں دوزخ سے بَری کیا جاتا ہے، اور جو شخص اس ماہ میں اپنے غلاموں (ماتحتوں) پر تخفیف کرتا ہے تو اس کی بھی بخشش ہوجاتی ہے اور اس کو دوزخ سے بَری کردیا جاتا ہے۔

(ابنِ خزیمہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب رمضان المبارک کی پہلی رات ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرف

نظر فرماتا ہے اور جس بندے پر نظرِ کرم فرمادی پھر اسے کبھی عذاب نہ دے گا، اور روزانہ ایک لاکھ لوگوں کو دوزخ سے آزاد فرماتا ہے، جب تیس تاریخ ہوتی ہے تو جتنے لوگوں کو اوّل سب اب تک تمام رمضان میں آزاد کیا ہے اتنی تعداد میں ایک رات میں آزادی دے دیتا ہے، جب عید کی رات ہوتی ہے تو ملائکہ خوش ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے نور کے ساتھ تجلی فرماتا ہے، مگر یہ کہ لوگ اسے بیان نہیں کرسکتے، پس اللہ تبارک وتعالیٰ عید کے روز فرشتوں سے فرماتا ہے: اے ملائکہ! ان (اعمال) کو کرنے والے کی کیا اُجرت دی جائے جب وہ اس سے فارغ ہوجائے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اس کا اَجر پورا پورا دے دیا جائے، پس حق تعالیٰ فرماتا ہے: میں تم کو گواہ کرتا ہوں میں نے ان کو بخش دیا ہے۔ (اصبہانی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رمضان شریف میں ذکرِ الٰہی کرنے والا بخشا بخشایا ہے۔ (طبرانی)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے: جس نے عرفہ کے دن کا روزہ رکھا تو اس کے ایک سال قبل کے اور ایک سال بعد کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ (ابنِ ماجہ)

ایک روایت میں دو سال کے لگاتار گناہ کا معاف ہونا آیا ہے، اور عاشورہ کے روزے کا ثواب ایک سال کے گناہ معاف ہوجانا آیا ہے۔ (طبرانی)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے بدھ اور جمعرات کا روزہ رکھا تو اس کے لئے دوزخ سے بَری ہونا لکھ دیا جاتا ہے۔ (ابویعلیٰ)

ایک روایت میں ہے کہ جس نے پیر، جمعرات اور جمعہ کا روزہ رکھا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں زبرجد، یاقوت اور موتیوں کا ایک محل بنادیتے ہیں اور اس کے لئے دوزخ سے براءت لکھ دی جاتی ہے۔ (طبرانی)

ایک حدیث میں ہے کہ جس نے بدھ، جمعرات، جمعہ کا روزہ رکھا جمعہ کے روز کم زیادہ جو ہو سکا خیرات کر دیا تو اس کے تمام معاصی بخش دیئے جائیں گے حتیٰ کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ سے ہونے والے دن کی طرح ہو جائے گا۔ (طبرانی)

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک روزے دار کے پاس کھانا کھایا جائے فرشتے اس کے لئے دُعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں۔

(ابنِ ماجہ)

ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے: جس شخص نے محض رضائے الٰہی کے لئے ایک دن کا اِعتکاف کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے اور دوزخ کے درمیان تین ایسی خندقیں حائل کر دے گا کہ ان کا فاصلہ زمین و آسمان کے برابر ہوگا۔ (حاکم)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت فاطمہؓ سے) فرمایا: اے فاطمہ! اپنی قربانی کے پاس کھڑی ہو، وہاں موجود رہ کیونکہ قربانی کا پہلا قطرہ جو زمین پر گرے گا اس کے ذریعہ تیرے گناہوں کی بخشش ہو جائے گی، انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ فضیلت کیا صرف ہم اہلِ بیت کے لئے ہے یا ہمارے لئے بھی ہے اور عام مسلمانوں کے لئے بھی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے اور عام مسلمانوں سب کے لئے ہے۔

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے بخوشی اللہ کی رضا کے لئے قربانی کی تو وہ قربانی اس کے لئے دوزخ کی آگ سے پردہ ہو جائے گی۔ (طبرانی)

کتاب الحج

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: میں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا ہے: جس شخص نے حج کیا، پس اس میں

نہ کوئی بے حیائی کی بات کی اور نہ بے حکمی کی تو وہ حج سے اس طرح واپس ہوگا جیسے وہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والے دن تھا۔ (بخاری) اور ایک روایت میں ہے کہ: اس کے تمام پچھلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ (ترمذی)

حضرت ابوشماسہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی عیادت کو پہنچے جبکہ وہ موت آنے کے حالات میں پہنچ چکے تھے، وہ بہت دیر تک روتے رہے اور کہا: جب اللہ تعالیٰ نے میرے قلب میں اسلام کی حقانیت ڈالی تو میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! دست مبارک بڑھایئے اور بیعت فرمالیں، آپؐ نے دست مبارک پھیلایا مگر میں نے اپنا ہاتھ روک لیا، آپؐ نے فرمایا: اے عمرو! کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا: میں ایک شرط کرنا چاہتا ہوں، آپؐ نے فرمایا: کیا شرط ہے؟ میں نے عرض کیا کہ: خدا میری مغفرت کردے، آپؐ نے فرمایا: اے عمرو! تجھ کو معلوم نہیں کہ اسلام لانا تمام گناہوں کو ڈھادیتا ہے، اور بلاشبہ ہجرت ماقبل کے گناہوں کو ڈھادیتی ہے، اور حج ماقبل کے گناہوں کو ختم کردیتا ہے۔ (ابنِ خزیمہ)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حج اور عمرے کو ملاکر کرو، کیونکہ یہ دونوں محتاجگی اور گناہوں کو ختم کردیتے ہیں جس طرح آگ سونے، چاندی اور لوہے کے زنگ کو ختم کردیتی ہے، اور حجِ مقبول کی جزا سوائے جنت کے اور کچھ نہیں ہے۔ (ترمذی)

ایک روایت میں ہے: حج کرو کیونکہ حج گناہوں کو اس طرح دھو دیتا ہے جیسے پانی میل کچیل کو صاف کردیتا ہے۔ (طبرانی)

ایک روایت میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حاجی گھر والوں میں سے چار سو آدمیوں کی شفاعت کرے گا، اور گناہوں سے ایسا پاک ہوجاتا ہے جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والے دن تھا۔ (بزار)

فرشتے دُعائے مغفرت کرتے ہیں

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جناب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم (دِین) حاصل کرو، کیونکہ اللہ کے لئے علم حاصل کرنا خشیتِ خداوندی ہے اور علم کا طلب کرنا عبادت ہے، اور علم کا مذاکرہ تسبیح ہے اور علم میں بحث کرنا (حقانیت کے ساتھ) جہاد ہے، اور جس کو علم نہ ہو اس کو سکھلانا یہ صدقہ ہے، اور اہلِ علم کے لئے صرف کرنا قربتِ خداوندی ہے کیونکہ علم ہی حلال و حرام کو سمجھنے کا ذریعہ ہے اور اہلِ جنت کے راستے کا راہِ نشان ہے، اور علم اکیلے کے لئے اُنسیت کا سبب ہے اور مسافرت کا ساتھی ہے اور تنہائی میں بات چیت کرنے والا ہے، اور تکلیف و راحت کے لئے دلیل ہے اور دُشمنوں کے لئے ہتھیار ہے، دوستوں کے پاس زینت ہے، اللہ تعالیٰ علمِ دِین ہی کے ذریعہ ایک قوم کو اُونچا کرتے ہیں، اس طرح کہ ان میں خیر ڈال دیتے ہیں جس کے سبب وہ لوگ خیر کے اِمام ہوجاتے ہیں، لوگ ان کی اِتباع کرنے لگتے ہیں اور ان کے افعال کی اقتداء کرتے ہیں اور ان کی رائے پر تمام رائے ختم ہوجاتی ہیں، ان کی حاجات کے پورا ہونے کے لئے ملائکہ بھی (دُعا کرکے) راغب ہوتے ہیں اور اپنے پَروں سے ان کو سہلاتے ہیں، اور ہر خشک و تر ان کے لے دُعائے مغفرت کرتے ہیں (حتیٰ کہ) سمندر کی مچھلیاں اور تمام جانور بھی مغفرت کی دُعا کرتے ہیں، جنگل کے درندے اور چوپائے بھی مغفرت طلب کرتے ہیں، اس لئے کہ علم جہل سے نکال کر قلوب کو حیات بخشتا ہے، اندھیرے میں یہی مشعلِ راہ ہوتا ہے، علم کے ذریعہ بندہ اَخیارِ اُمت کے درجے کو پہنچ جاتا ہے اور دُنیا وآخرت کے درجات حاصل کرتا ہے، علم میں غور وفکر کرنا روزے کے برابر ہے اور علم کا درس لینا دینا قیام اللیل کے برابر ہے، اس علم ہی کے ذریعہ صلہ رحمی کی جاتی ہے اور حلال وحرام کی پہچان ہوتی ہے، علم تو عمل کا اِمام ہے، عمل اس کے تابع ہے، علم نیک

بخت لوگوں میں اِلہام کیا جاتا ہے اور بد بختوں کو اس سے محروم رکھا جاتا ہے۔
(الترغیب ص:۵۹)

موت کے بعد اِستغفار ہوتا رہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات باتیں ایسی ہیں کہ ان کے مرنے کے بعد بھی اس کی قبر میں ان کا اَجر پہنچتا رہے گا، جس نے علمِ دِین پڑھا یا نہر کھدوائی یا کنواں کھدوایا یا کوئی درخت (عوام کے نفع کے لئے لگایا) یا کوئی مسجد بنائی یا قرآن مجید کسی کو دِلوادیا یا کوئی نیک بخت لڑکا چھوڑ گیا کہ وہ مرنے کے بعد ماں باپ کے لئے دُعائے مغفرت کرتا ہے۔
(بزار وابنِ ماجہ)

سمندر کی مچھلیاں اِستغفار کرتی ہیں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے اس اُمت کے عالم دو طرح کے ہیں، ایک وہ جسے خدا تعالیٰ نے علم دیا اور وہ لوگوں کو پہنچاتا رہتا ہے اور اسے لوگوں سے کوئی طمع نہیں ہوتی اور نہ وہ کوئی ان سے رقم لیتا ہے، پس یہ عالم ایسا ہے کہ اس کے لئے سمندر کی مچھلیاں بھی اِستغفار کرتی ہیں اور خشکی کے جانور اور آسمان میں اُڑنے والے پرندے بھی اِستغفار کرتے ہیں۔ دوسرے وہ عالم ہے کہ خدا نے اس کو علمِ دِین دیا مگر وہ اللہ کے بندوں سے بخل کرتا ہے اور لوگوں سے اس پر طمع رکھتا ہے، اور اس کے ذریعہ دُنیا کماتا ہے، پس یہ عالم ہے کہ قیامت کے روز اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالی جائے گی اور ایک منادی ندا دے گا: یہ وہ شخص ہے جسے خدا نے علم سے نوازا مگر اس نے اللہ کے بندوں سے اس علم کے بارے میں بخل کیا اور علم کے ذریعہ سے رقم وصول کی، یہی ہوتا رہے گا حتیٰ کہ حساب سے فارغ ہو۔ (طبرانی)

مغفرت

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ تمام بندوں کو قیامت کے روز (حشر کے میدان میں) بھیجے گا، پھر ان میں سے علماء کو الگ کرے گا، پس ان سے فرمائے گا: اے علماء کی جماعت! میں نے تمہارے اندر علم اس لئے نہیں ودیعت کیا تھا کہ تم کو عذاب دُوں، جاؤ میں نے تم کو بخش دیا۔ (طبرانی)

حجر و شجر و مدر کا اِستغفار

حضرت قبیصہ بن المخارق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں سروَرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا: اے قبیصہ! کیسے آنا ہوا؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری ہڈیاں کمزور ہوگئیں، میری عمر زیادہ ہوگئی ہے، میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ مجھے ایسی بات کی تعلیم دیں جو مجھے نفع دے۔ فرمایا: اے قبیصہ! جب بھی تو کسی پتھر یا درخت یا مٹی کے ڈھیلے کے پاس سے گزرے گا تو وہ تیرے لئے اِستغفار کرے گا، اے قبیصہ! جب تو نمازِ فجر سے فارغ ہوجائے تو تین بار یہ کہا کر: "سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ" اے قبیصہ! تو نابینا ہونے سے اور جذام اور فالج کی بیماری سے بچا رہے گا، (یوں) کہہ: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ مِمَّا عِنْدَکَ وَاَفِضْ عَلَیَّ مِنْ فَضْلِکَ وَانْشُرْ عَلَیَّ مِنْ رَّحْمَتِکَ وَاَنْزِلْ عَلَیَّ مِنْ بَرَکَاتِکَ"۔

(رواہ احمد)

اِستغفارِ جاریہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کتاب میں مجھ پر دُرود پڑھا تو جب تک میرا نام اس کتاب میں موجود رہے گا فرشتے اس کے لئے دُعائے مغفرت کرتے رہیں گے۔ (طبرانی)

مطلب یہ ہے کہ لکھتے لکھتے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک آیا اور

لکھا تو اس نے دُرود شریف پڑھا، معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے ساتھ دُرود شریف مثلاً ''صلی اللہ علیہ وسلم'' لکھے اور زبان سے بھی پڑھ لے ورنہ صرف پڑھ لینا بھی کافی ہے۔

غفران ما بین وضوئین

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا: جس نے وضو کیا پس اپنے ہاتھ دھوئے، پھر تین بار کلی کی اور تین بار ناک میں پانی ڈالا اور تین بار چہرہ دھویا، اور دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت تین بار دھوئے، اپنے سر کا مسح کیا، پھر اپنے دونوں پاؤں دھوئے، پھر کوئی بات نہیں کی اور یہ پڑھا: ''اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ'' تو دونوں وضوؤں کے درمیان جو گناہ ہوں وہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ (دارقطنی) مطلب یہ ہے کہ ایک وضو کے بعد یہ کلمہ پڑھا، اس کے بعد پھر جب وضو کیا تب بھی یہ کلمہ پڑھا تو ان کے درمیانی گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

باوضو سونا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص باوضو سوتا ہے تو اس کے ساتھ اس کے لحاف میں ایک فرشتہ آجاتا ہے اور جب اس شخص کی آنکھ کھلتی ہے تو فرشتہ یوں کہتا ہے: ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِکَ فُلَانٍ'' اے اللہ! اپنے فلاں بندے کو بخش دے کیونکہ یہ پاک ہوکر سویا ہے۔ (ابنِ حبان)

لیلۃ القدر کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپؐ نے فرمایا: جو شخص ایمان و اخلاص کے ساتھ شبِ قدر میں عبادت

کے لئے کھڑا ہوا تو اس کے پچھلے تمام گناہ (صغیرہ) بخش دیئے جائیں گے۔ (بخاری و مسلم)

نسائی کی روایت میں آیا ہے کہ: جو شخص رمضان کے روزے ایمان و اِخلاص کے ساتھ رکھے تو اس کے پچھلے تمام گناہ (صغیرہ) معاف کردیئے جاتے ہیں، اور قتیبہ کی حدیث میں تو پچھلے گناہ کا لفظ بھی آیا ہے، یعنی اگلے پچھلے سب گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔ (نسائی)

میری اُمت کی پانچ باتیں

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت کو رمضان المبارک کے مہینے میں ایسی پانچ باتیں دی گئی ہیں کہ مجھ سے قبل کسی نبی کو بھی نہیں دی گئیں، پہلی بات یہ کہ جب رمضان المبارک کی پہلی رات ہوتی ہے تو اللہ جل شانہ ان کی طرف نظرِ رحمت فرماتا ہے اور جس پر اللہ پاک نے نظرِ رحمت فرمائی تو اسے کبھی عذاب نہیں دے گا۔ دُوسرے یہ کہ جب یہ روزے دار شام کرتے ہیں اور ان کے منہ سے بساند نکلتی ہے تو اللہ کے نزدیک وہ مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پاکیزہ اور پیاری ہے۔ تیسرے یہ کہ ہر رات اور دن میں ملائکہ ان کے لئے اِستغفار کرتے ہیں۔ چوتھی یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی جنت کو تیاری کرنے اور مزین ہونے کا حکم دیتے ہیں اور اس جنت سے خطاب کرتے ہیں کہ عنقریب میرے بندے دُنیا کے تعب سے خلاصی پاکر میرے دارِ کرامت میں آکر راحت لیں گے۔ پانچویں بات یہ کہ جب رمضان کی آخری رات ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان سب کو بخش دیتا ہے۔ اس پر کسی شخص نے عرض کیا: کیا یہ شبِ قدر مراد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، کیا تجھے معلوم نہیں کہ کام کرنے والے جب اپنے کام سے فارغ ہوجاتے ہیں تو ان کا اَجر پورا پورا دے دیا جاتا ہے۔ (بیہقی)

تراویح اور مغفرت

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسولِ خدا صلی اللہ

علیہ وسلم نے رمضان المبارک کی دیگر مہینوں پر فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا: جس شخص نے ایمان و اِخلاص کے ساتھ رمضان کی راتوں میں قیام کیا تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہوجاتا ہے جیسے وہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والے دن تھا۔ (نسائی)
ایک روایت میں "صام و قام" کے الفاظ آئے ہیں کہ روزے رکھے اور قیام کیا۔

شش عید کے روزے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد شوال کے چھ روزے (نفل) روزے رکھے تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہوجاتا ہے جیسا کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والے دن تھا۔ (طبرانی)

شہید کی مغفرت

حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہید کے لئے چھ خصوصیات ارشاد فرمائیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ پہلے ہی حملے پر اس کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں اور وہ جنت میں اپنا ٹھکانا دیکھ لیتا ہے اور عذابِ قبر سے بچالیا جاتا ہے اور قیامت کے فزعِ اکبر سے بچالیا جاتا ہے، اور اس کے سر پر ایسا تاج رکھا جاتا ہے جو سرخ یاقوت کا ہوتا ہے جو دُنیا اور جو کچھ دُنیا میں ہے اس سے بھی بہتر ہے، اور بہترؔ حورِ عین سے اس کا نکاح ہوگا، اور اپنے رشتہ داروں میں سے سترؔ آدمیوں کی شفاعت کرے گا۔ (ابنِ ماجہ) ایک روایت میں ہے کہ پہلا قطرہ خون کا جو زمین پر گرتا ہے تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جیسے درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ (بزار)

قرآن مجید

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا: سورۂ بقرہ قرآن میں کوہان کی طرح ہے اور بمنزلہ اس کی چوٹی کے ہے، اس کی ہر آیت کے ساتھ اَسّی فرشتے اُترے ہیں اور "اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ" تو عرش کے نیچے سے نکالی گئی ہے، پس اس کو سورۂ بقرہ میں وصل کر دیا گیا، اور سورۂ یٰسین قرآن کا قلب ہے، جو آدمی یہ سورت محض اللہ کی خوشنودی اور دارِ آخرت کے لئے تلاوت کرے گا تو اس کی مغفرت ہو جائے گی۔ (احمد)

حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ایک رات میں سورۂ یٰسین پڑھی اللہ کی رضا جوئی کرتے ہوئے تو اس کو بخش دیا گیا۔ (مالک)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک سورت میں تیس آیتیں ہیں اس نے (اپنے پڑھنے والے کی) سفارش کی حتیٰ کہ اس کو بخش دیا گیا وہ سورت "تَبَارَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ" ہے۔ (ابوداؤد)

ذکر کی مجلس پر مغفرت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: جب لوگ صرف اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضا جوئی کے لئے اکٹھے ہوتے اور اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو آسمان سے ایک منادی ندا کرتا ہے: کھڑے ہو جاؤ تم کو بخش دیا گیا، تمہارے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیا گیا۔ (احمد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی کسی مجلس میں بیٹھتا ہے اور اس میں اُلٹی سیدھی باتیں ہو جاتی ہیں سو جو کھڑے ہونے سے پہلے یہ کلمات کہہ لے: "سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ" تو اس مجلس میں جو کچھ کوتاہی ہوتی ہے

اس سب کی مغفرت ہوجاتی ہے۔ (ابوداؤد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: جس شخص نے نماز کے بعد "**سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ**" کہا تو وہاں سے بخشا ہوا کھڑا ہوگا۔ (بزار)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابنِ آدم! تو نے مجھ سے دُعا نہیں کی اور نہ مجھ سے اُمید رکھی، میں تو تیرے گناہ جتنے بھی ہوتے معاف کردیتا اور پروانہ کرتا۔ اے آدم کے بیٹے! اگر تیرے گناہ آسمان کے کنارے تک پہنچ جائیں پھر تو مجھ سے اِستغفار کرے میں تم کو بخش دُوں گا اور مجھے پروا نہیں ہے۔ اے ابنِ آدم! اگر تو زمین بھر گناہ لے کر میرے پاس آئے، پھر تو مجھ سے ملاقات کرے اس حال میں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے تو میں زمین بھر بخشش لے کر تیری طرف بڑھوں گا۔ (ترمذی)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے، آپ نے فرمایا: اِبلیس نے کہا: قسم ہے تیری عزّت کی جب تک ان کے جسموں میں جان ہے میں تیرے بندوں کو گمراہ کرتا رہوں گا، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قسم ہے مجھ کو میری عزّت اور جلال کی میں بھی ان کو معاف کرتا رہوں گا جب تک یہ مجھ سے معافی مانگتے رہیں گے۔ (احمد)

دُرود شریف

ابوکاہل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں: مجھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہر روز مجھ پر تین بار دُرود شریف پڑھے نہایت محبت اور شوق میں آکر، تو اللہ کے ذمہ حق ہے کہ اس رات اس کے گناہ بخش دے۔ (طبرانی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو محبت کرنے والے جب ایک دُوسرے کے سامنے آتے ہیں اور وہ دونوں دُرود شریف پڑھتے ہیں تو ان کے جدا ہونے سے پہلے ان دونوں کے اگلے گناہ بھی اور پچھلے گناہ بھی بخش دیئے جاتے ہیں۔ (ابویعلیٰ)

دُنیاوی محنت اور کاروبار کے دوران مغفرت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بندہ دستکاری سے شام کو تھک جائے تو اسے بخش دیا جائے گا۔ (طبرانی)

حضرت ابوقلابہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: دو شخص بازار میں تھے اور ایک نے دُوسرے سے کہا: آؤ! لوگوں کی اس غفلت کے وقت میں ہم اللہ سے اِستغفار کریں، انہوں نے کہا: ان میں سے ایک کا انتقال ہوگیا، تو خوب میں یہ مرنے والا اس زندہ کو ملا تو اس مرنے والے نے کہا کہ: تجھے معلوم بھی ہے کہ جس شام کے وقت ہم دونوں بازار میں تھے اس روز اللہ تعالیٰ نے ہم کو بخش دیا تھا۔ (ابن ابی الدنیا)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص معاملہ کرنے میں نرم، سہولت دینے والا، قریب کرنے والا ہو، اس پر دوزخ کی آگ حرام ہے۔ (حاکم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے بیع میں اِقالہ کیا (یعنی بیع کی ہوئی واپس لے لی) تو اللہ تعالیٰ بروز قیامت اس کی لغزشیں معاف فرمائیں گے۔ (ابوداؤد)

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ عیلہ وسلم نے فرمایا: کوئی مسلمان ہو، اس کی تین بیٹیاں ہوئیں اور اس نے ان پر خرچ کیا حتیٰ کہ وہ (نکاح کے بعد) اس سے جدا ہوگئیں یا وفات ہوگئی تو وہ اس کے لئے

دوزخ سے پردہ ہوجائیں گی، ایک عورت نے عرض کیا: اگر کسی کی دو بیٹیاں ہوئیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو کے لئے بھی یہی حکم ہے۔ (طبرانی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت ہے: قیامت کے روز لوگ سخت بھوک اور سخت پیاس اور ننگے کھڑے ہوں گے اور سخت تھکے ہوئے ہوں گے، پس جس شخص نے کسی کو کپڑا پہنایا ہوگا تو اس کو اللہ تعالیٰ لباس پہنائیں گے، اور جس شخص نے کسی کو کھانا کھلایا ہوگا اسے اللہ تعالیٰ کھانا کھلائیں گے، اور جس شخص نے کسی کو پانی پلایا ہوگا اسے اللہ تعالیٰ پانی پلائیں گے، اور جس نے اللہ کے لئے کوئی کام کیا ہوگا اسے اللہ تعالیٰ غنی کردیں گے، اور جس شخص نے کسی کو اللہ کے لئے معاف کیا ہوگا اسے اللہ تعالیٰ معاف کردیں گے۔ (ابن ابی الدنیا)

تکلیف پہنچانے والے کو معاف کردینا

ایک صحابی سے روایت ہے کہ جس شخص کے بدن پر چوٹ کسی نے لگائی مگر اس نے اللہ کے لئے بدلہ لینا چھوڑ دیا تو یہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہوجائے گا۔(احمد)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رحم کرو، تم پر رحم کیا جائے گا، معاف کرو، تم کو بخش دیا جائے گا۔ (احمد)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا: مغفرت کے اسباب میں سے اپنے بھائی مسلمان کو سرور اور مسرّت پہنچانا ہے۔ (طبرانی)

ایک روایت میں ہے کہ مغفرت کے اسباب میں سے سلام کرنا اور اچھا کلام کرنا ہے۔ (طبرانی)

مصافحہ

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: دومسلمان جب آپس میں ملاقات کے وقت مصافحہ ملاتے ہیں تو ان کے جدا ہونے سے قبل ان کی مغفرت کردی جاتی ہے۔ (ابوداؤد)

حدیث میں ہے کہ شعبان کی نصف رات کو سب کی مغفرت ہوجاتی ہے سوائے مشرک اور کینہ رکھنے والوں کے۔ (بیہقی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص چلا جارہا تھا اس نے راستے میں سے ایک کانٹوں والی ٹہنی دیکھی اور وہاں سے ہٹادیا، اللہ تعالیٰ نے اس عمل کو قبول کرلیا اور اسے بخش دیا۔ (بخاری ومسلم)

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندے کی کھال اللہ کے خوف سے کانپنے لگتی ہے تو اس کے گناہ اس طرح گرجاتے ہیں جیسے سوکھے درخت کے پتے گرتے ہیں۔ (ابنِ حبان)

ایک روایت میں ہے جب مؤمن کی کھال خوفِ خدا سے کانپ جاتی ہے تو اس کے گناہ ختم ہوجاتے ہیں اور نیکیاں باقی رہ جاتی ہیں۔

تکلیف اور بیماری پر مغفرت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے انہوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بندۂ مؤمن کے بدن میں ایذا دینے والی چیز پہنچتی ہے تو اس کے گناہوں کا کفارہ ہوجاتی ہے۔ (طبرانی)

ایک روایت میں ہے حتیٰ کہ ایک کانٹا بھی چبھتا ہے تو گناہ مٹایا جاتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے اللہ کے راستے میں سر کے اندر درد ہوا اور اس نے اللہ سے اچھا گمان رکھا تو اس سے ماقبل کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ (طبرانی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: جس کو ایک رات میں بخار آ گیا اور اس نے صبر کیا اور وہ اپنے رَبّ سے راضی رہا تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہوجاتا ہے جیسے اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔ (ابنِ ابی الدنیا)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی میّت کو غسل دیا اور اس کو کفن دیا اور اس کو خوشبو لگائی اور اس کو اُٹھایا اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھی اور جو کوئی بات دیکھی اس کو افشا نہ کیا تو وہ گناہوں سے ایسا نکل جاتا ہے جیسے ماں کے پیٹ سے نکلتے وقت تھا۔ (ابنِ ماجہ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب جنتی جنت میں داخل ہوجائیں گے تو ایک بھائی دُوسرے بھائی سے ملاقات کا مشتاق ہوگا تو ایک دُوسرے کا تخت چل پڑے گا اور دونوں جمع ہوجائیں گے، یہ بھی تکیہ لگالے گا، وہ بھی تکیہ لگالے گا، پھر ایک دُوسرے سے کہیں گے: تم کو معلوم ہے کہ اللہ پاک نے ہم کو کس وقت بخشا؟ تو اس کا ساتھی جواب دے گا: ہاں! معلوم ہے، ہم دونوں فلاں جگہ پر تھے اور ہم نے اللہ سے معافی مانگی تھی سو اللہ نے معاف کردیا تھا۔ (ابنِ ابی الدنیا)

وصلی اللہ تعالٰی علی النبی الکریم محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین

دائمًا ابدًا الٰی یوم الدین

(ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ - دسمبر ۲۰۰۰ء)

اِعتکاف کے محاسن
اور معتکفین کی مثالیں

اِعتکاف کی خوبیاں

صاحبِ بحر الرائق فرماتے ہیں کہ اِعتکاف میں بہت سی خوبیاں اور محاسن ہیں، ایک یہ کہ بندہ اپنے دِل کو اُمورِ دُنیا سے فارغ کر کے مولائے کریم کی طرف متوجہ کرلیتا ہے، دِل میں اللہ تعالیٰ کی یاد ہوتی ہے، اسی کا دھیان ہوتا ہے، گویا ایک طرح سے منقطع الی اللہ ہوکر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہونے والے گھر یعنی مسجد میں آپڑتا ہے اور "تَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا" کی شان کا مشاہدہ کرتا ہے۔

مسجد تو مؤمن کے لئے ایک بڑے مضبوط قلعے کی مانند ہے بالخصوص حالتِ اِعتکاف میں، کیونکہ شیطان کسی معصیت کی جگہ بہا کر لے جانے سے قاصر رہتا ہے۔

معتکف کے ظاہر حال سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی محتاج بھکاری سب سے بڑے شہنشاہ کے دربار میں دستِ سوال دراز کئے چلا آیا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ مانگوں گا، ملے گا، مغفرت چاہوں گا بخش دیا جاؤں گا، ان کی ایک نگاہِ کرم سے دُنیا و آخرت کے سب کام بن جاتے ہیں ۔

آمد بدرِ تو روسیاہے — نگذاشتہ در جہاں گناہے
گر عفو کنی و گر بگیری — کس نیست بجز درت پناہے
گر نیست چوں من ذلیل و رسوا — پس کیست کریم چو نتو شاہے

جاں فدیہ آن نگاہِ لطفت یکبار دگر بمن نگاہے

ترجمہ:- اے پروردگار! ایک نہایت گنہگار بندہ روسیاہ جس نے دُنیا کا کوئی گناہ نہیں چھوڑا، آپ کے دروازے پر آیا ہے، آپ معاف فرماویں یا پکڑیں آپ کے در کے سوا اس کے لئے کوئی پناہ کی جگہ نہیں ہے، اگرچہ میرا جیسا اور کوئی رُسوا اور ذلیل نہیں ہے، مگر اے کریموں کے کریم بادشاہ! آپ جیسا رحم وکرم فرمانے والا بھی تو کوئی نہیں ہے، میری جان آپ کی ایک نگاہِ لطف کے قربان جائے ایک مرتبہ پھر مجھ پر ایک نظرِ کرم فرما!

اِعتکاف کی رُوح

ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اِعتکاف کی رُوح دِل کو اللہ پاک کی ذات کے ساتھ وابستہ کرلینا ہے، معتکف کو چاہئے کہ اپنے تمام خیالات وتوجہات کو یکسو کرکے اللہ جل شانہ کی طرف متوجہ ہوجائے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی محبت دِل میں سما جائے، مخلوقات کی بجائے اللہ پاک کا اُنس پیدا ہوجائے جو قبر کی وحشت میں کام آئے، کیونکہ وہاں رحمتِ خداوندی کے سوا کوئی مونس وغم خوار نہ ہوگا، اگر دِل اللہ جل شانہ کی محبت وشوق سے بھرجائے تو وہ وقت کس لذّت کے ساتھ گزرے گا، اس ایک ساعت کے مقابلے میں ہفت اقلیم کی بادشاہت بھی کچھ نہ ہوگی، ہر وقت دِل یہی تمنا کرے گا۔

دِل ڈھونڈھتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں، تصوّرِ جاناں کئے ہوئے

انسانوں کا بھیڑیا

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ سیّد الکونین جناب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بھیڑ بکریوں پر حملہ کرنے والے وحشی بھیڑیے کی طرح انسانوں کا بھی ایک بھیڑیا ہے جسے اِبلیس و شیطان کہتے ہیں، جس طرح وحشی بھیڑیا اکثر اکیلی دُکیلی ریوڑ سے جدا ہوجانے والی بکری کو اُٹھا کر لے جاتا ہے، اسی طرح یہ شیطان (جو خونخوار بھیڑیے سے کم نہیں) اکیلے دُکیلے انسان کو گمراہ کردیتا ہے، لہٰذا تم جماعت (حقہ) سے الگ نہ ہونا، (ہمیشہ) جماعتِ حقہ اور عامۃ المسلمین اور مسجد کے ساتھ رہنا (جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی طرف بھی اشارہ ہے)۔

(رواہ احمد، الترغیب والترہیب ج:۱ ص:۱۸۳)

تشریح:- مسجد کی مثال باڑے کی طرح ہے، جس طرح بکریاں باڑے میں آکر بھیڑیے سے محفوظ ہوجاتی ہیں، اسی طرح مؤمن مسجد میں آکر شیطان کے مکر وفریب سے محفوظ ہوجاتا ہے، بالخصوص معتکف کہ اس کے اعضاء معصیت کا ارتکاب کرنے، لہو ولعب میں شامل ہونے اور ہر قسم کی فضولیات سے بچے رہتے ہیں، ناجائز دِل کو لبھانے والی آلائشوں سے محفوظ ہوتا ہے، ہمت کرے تو جھوٹ، غیبت، بہتان، عیب جوئی، جھوٹی قسم کھانے، فحش و بے حیائی کی باتیں، زبان کی بیسیوں گناہ کی باتوں سے حفاظت ہوسکتی ہے، تمام اوقات تلاوتِ کلام مجید، ذکرِ الٰہی، نوافل اور نیک کاموں میں گزرتے ہیں، جب معتکف مسجد کے ایک کونے میں پردہ ڈال کر بیٹھ جائے گا تو شیطان کہاں بہکا کرلے جائے گا، اُسے تو ایک ہی دُھن ہوگی، ایک ہی غم ہوگا ؎

وہ دولتِ غم دی ہے مجھے تیرے کرم نے
مطلب نہ رہا دہر کے اب سود وزیاں سے

جو شخص مسجد میں گھر سے وضو کرکے آئے

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: جس شخص نے گھر سے وضو کیا اور نہایت اچھے طریقہ

(مسنونہ) سے وضو کیا، پھر باوضو ہوکر مسجد میں آیا تو گویا یہ حق تعالیٰ جل شانہ کی زیارت کے لئے آیا ہے، اور جس کی زیارت کی جائے اس پر حق ہوتا ہے کہ زیارت کو آنے والے کا اِکرام کرے۔ (الترغیب ج:۱ ص:۱۷۸)

تشریح:- اگرچہ حق تعالیٰ جل شانہ پر کسی کا کوئی ایسا حق نہیں کہ ان کو پورا کرنا واجب ہوجائے، یہ محض اپنے فضل وکرم سے ایسا احسان کرتے ہوئے ایسا فرماتے ہیں، اور اِکرام کا مطلب یہ ہے کہ اس بندہ پر مزید عنایت و رحمت فرماتے ہیں۔

اور معتکف تو انہیں کے گھر میں وضو کرتا ہے اور وہیں رہتا سہتا ہے، اس پر تو اللہ میاں بہت ہی اِکرام و اِنعام فرمائیں گے ؎

تیری شانِ بے نیازی کا مقام کس نے پایا
تری یاد دے اجازت تو بتاؤں میں کہ ہے کیا
میری سجدہ گاہِ حیرت ترا حسنِ آستانہ
مرا ہر نفس حقیقت مرا ہر نفس فسانہ

معتکف کی مختلف مثالیں

مثال نمبر۱:- معتکف سوالی بن کر دَرِ رَبّ پڑا رہنے والا ہے۔

کوئی سوالی کسی شریف انسان کے گھر کے آگے آکر جم جائے اور کوئی سوال ڈال دے کہ جب تک میرا یہ سوال پورا نہ ہوگا میں یہاں سے نہیں ٹلوں گا، تو انسان ضعیف البنیان کا یہ حال ہوتا ہے کہ کسی طرح جلدی اس کا سوال پورا ہوجائے، تھوڑی ہی دیر میں یا خود اس کو دے دِلا کر راضی کر کے ٹال دیتا ہے یا چندہ کر کے اس کا سوال پورا کرتا ہے، تو رَبِّ کریم جو مانگنے والوں سے خوش ہوتے ہیں، بلکہ کوئی نہ مانگے، تکبر کرے تو ناراض ہوجاتے ہیں اور جتنا کوئی سوال کرے بلکہ تمام جہان والے مردے، زندے، جن و اِنس مل کر اپنی ساری تمنائیں عرض کریں اور سب کی ساری تمنائیں

پوری کردیں تو اللہ جل شانہ کے خزانوں میں ذرہ برابر بھی کمی نہ ہو، بھلا ان کے در پر معتکف اپنا بسترہ لگالے تو وہ بے پایاں رحمت والے، کائنات کے مالک اس در پر آپڑنے والے کو کیا کچھ نہ دیں گے اور کیا کیا اِنعام نہ فرمائیں گے، کبھی دستِ سوال خالی نہ لوٹائیں گے، بندہ کو راضی کر کے بھی بھیجیں گے، بندہ کا یہ حال ہوگا ؎

محو ہوں لطفِ ناز میں تیرے
گم ہوں راز و نیاز میں تیرے

پھر انہی لیل ونہار کی تلاش ہوگی ؎

عارفؔی بس اب یہی ہے آرزوئے زندگی
کاش میرا شغل ہو ہر دم طوافِ کوئے دوست

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ: اللہ کے گھر (مساجد) کے بسانے والے اہل اللہ ہوتے ہیں۔ (الترغیب والترہیب ج:۲ ص:۱۸۲)

تشریح:- اسی طرح معتکف بھی اللہ تعالیٰ کا گھر (مسجد) کو آباد رکھتا ہے اور چوبیس گھنٹے وہیں رہتا ہے، لہٰذا وہ بھی اہل اللہ میں سے ہوتا ہے۔

مثال نمبر۲:- معتکف مسجد میں بسیرا کرنے والا ہوتا ہے۔

جس طرح پرندہ اپنے گھونسلے میں بسیرا کرتا ہے، اسی طرح معتکف مسجد میں بسیرا کرلیتا ہے، وہیں کھاتا پیتا اور سوتا ہے، اور اللہ جل شانہ سے آس لگائے بیٹھا رہتا ہے کہ اللہ جل شانہ ضرور اس کو اور اس کے ماں باپ، اولاد، خویش واقارب، احباب کو بخشیں گے، اللہ میاں بھی آسرا لگانے والے کو محروم نہیں فرماتے وہ تو خود ہی اعلان فرماتے ہیں: "ھل من مستغفر فاغفر لہٗ، ھل من مبتلٰی فاعافیہ الا کذا الا کذا" یعنی ہے کوئی معافی مانگنے والا، ہم اس کو معاف کردیں، ہے کوئی مبتلائے درد و مرض، ہم اس کو عافیت دے دیں، کوئی ایسا ہے، کوئی ایسا، تو بھلا اس درِ مسجد کے ملازم کو کیسے

محروم فرمائیں گے، یہ تو آیا ہی اس لئے ہے کہ نظرِ کرم ہو جائے، بے شک اللہ پاک اپنے وعدہ کے خلاف نہیں فرماتے، ایک جگہ کلامِ پاک میں فرماتے ہیں:-

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ. (فاطر:۵)

یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے سو تم کو حیاتِ دُنیا دھوکے میں نہ رکھ دے اور کوئی دھوکے باز (شیطان لعین) تم کو اللہ کی باتوں سے دھوکے میں نہ رکھ دے (کہ تم اَحکامِ خداوندی سے غافل ہو جاؤ اور مانگنا، اُمید رکھنا ترک کردو) دُعا کئے جاؤ، ضرور ان کی نظرِ کرم ہوگی۔

خسرو غریب است و گدا افتادہ در کوئے شما
شاید کہ روزے از کرم سوئے غریباں بنگری

مثال نمبر۳:- معتکف سر کو چوکھٹ پر رکھ دینے والے کی طرح ہے۔

حضرت عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: معتکف کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے اس نے مولائے کریم کی چوکھٹ پر سر رکھ دیا ہے اور یوں کہہ رہا ہے کہ جب تک آپ میری بخشش نہ فرماویں گے، میں سر نہ اُٹھاؤں گا، بندہ کو بھی اپنے اظہارِ عبودیت کا معبودِ حقیقی کے در پر کیا اچھا موقع ملا! گویا یوں کہتا ہے ؎

کھٹکھٹاتا ہوں تیری چوکھٹ کو میں
کیا ٹھکانہ گر نہ دے ہیہات تو
گو کثیر المعصیت انساں ہو میں
ہے مگر رحمٰنِ مخلوقات تو

مثال نمبر۴:- معتکف نماز کے بعد نماز کا انتظار کرنے والا ہوتا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں مرقوم ہے کہ معتکف اپنی تمام حاجاتِ دُنیویہ اور اُمورِ دُنیوی سے فارغ ہو کر اپنے آپ کو بالکلیہ عبادت اور رضا جوئی مولائے کریم کے لئے

سونپ دیتا ہے اور خدا تعالیٰ کی یاد میں لگ جاتا ہے، من جملہ ان میں سے نماز کے بعد نماز کا انتظار کرنا بھی ہے، معتکف اَذان و جماعت کا بڑا خیال رکھتا ہے، جماعت سے نماز پڑھنے کا شوق رہتا ہے، یہی انتظار کرنا ہے، اور نماز کے بعد نماز کا انتظار کرنا نہایت محبوب عمل ہے، چنانچہ اِمام بخاری علیہ الرحمۃ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ سردارِ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:-

لا یزال احدکم فی الصلٰوۃ ما دامت الصلٰوۃ تحبسہ.

(الترغیب ج:۲ ص:۲۴۵)

تم میں ہر شخص نماز ہی میں شمار ہوتا ہے جب تک اس کو نماز روکتی ہے (یعنی جماعت کی خاطر مسجد میں بیٹھا رہتا ہے یا وقت ہوتے ہی مسجد میں آجاتا ہے، کام دھندے میں بھی یہی خیال رہتا ہے کہ میری نماز باجماعت فوت نہ ہوجائے، گویا اس کا دِل نماز ہی میں پڑا رہتا ہے، ایسے شخص کو ہمہ وقت نماز پڑھتے رہنے کا سا ثواب ملتا ہے)۔ ظاہر ہے کہ معتکف بھی مسجد ہی میں رُکا ہوا ہے اور نماز کا بڑا خیال رکھتا ہے، لہٰذا اس کو بھی ہر وقت نماز پڑھتے رہنے کا ثواب ہوگا۔

مثال نمبر۵:- معتکف فرض باجماعت کا ثواب ہر وقت حاصل کرتا ہے۔

حدیث شریف میں یہ آیا ہے:-

فان قام من مصلاہ فجلس فی المسجد ینتظر الصلٰوۃ لم یزل فی الصلٰوۃ حتی یصلی. وفی روایۃ البخاری: ولم تزالوا فی صلٰوۃ منذ انتظرتموھا. وفی حدیث: من عقب الصلٰوۃ فھو فی الصلٰوۃ. (الترغیب ج:۲ ص:۲۴۶)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ معتکف نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد دُوسری فرض باجماعت نماز کے انتظار میں رہتا ہے تو اس کو ہمہ وقت فرض باجماعت ادا کرنے کا ثواب ہوتا رہے گا، اور رمضان المبارک کی مزید فضیلت الگ ہے، اگر

ظاہری حساب اور اندازہ کیا جائے تو یہ ہوسکتا ہے کہ اعتکاف اکثر جامع مسجد میں ہوتا ہے جہاں ایک رکعت کا پانچ سو رکعت کے برابر ثواب ملتا ہے تو چار رکعت کا ثواب ۵۰۰×۴= ۲۰۰۰ دو ہزار، اور جماعت کا ستائیس گنا ثواب ہوتا ہے تو ۲۰۰۰×۲۷= ۵۴۰۰۰ چون ہزار، پھر رمضان شریف میں ایک فرض کا ستر گنا ثواب ہوتا ہے تو ۵۴۰۰۰×۷۰= ۳۷,۸۰,۰۰۰ سینتیس لاکھ اَسّی ہزار ہوئے، لہٰذا معتکف کو ہر وقت سینتیس لاکھ اَسّی ہزار فرض پڑھنے کا ثواب ملتا ہے اور فرض کی صرف تکبیرِ اُولیٰ کا ثواب دُنیا و مافیہا سے بہتر ہے، پھر یہ تو ایک ظاہری اندازہ ہے، ورنہ اللہ جل شانہ کی رحمت کا کیا ٹھکانہ ہے تھوڑے عمل سے راضی ہوجائیں تو قیامت میں میزانِ عمل کے پلڑے کو بھر دیں گے، چنانچہ تفسیرِ مظہری میں ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ: حضرت داؤد علیہ السلام نے باری عزّ اسمہٗ سے عرض کیا کہ مجھے وہ ترازو دِکھلا دیجئے جس میں بندوں کے اعمال نامے قیامت کے روز تولے جائیں گے، جب اس کا ایک پلڑا دِکھلایا گیا جو اتنا وسیع تھا کہ مشرق و مغرب بھی اس میں آجائیں اس کو دیکھ کر حضرت داؤد علیہ السلام بیہوش ہوگئے، جب ہوش آیا عرض کیا: اِلٰہ العالمین! اتنے کس بندے کے اعمال ہوں گے جس سے یہ پلڑا بھرے گا؟ ارشاد فرمایا: اے داؤد! اگر ہم بندے کے ایک چھوارے سے راضی ہوجائیں تو اس چھوارے ہی کا اتنا ثواب دیں گے کہ ثواب سے یہ پلڑا بھر جائے گا، اس کے اِنعام واحسان کا کوئی اندازہ ممکن نہیں ؎

نہیں ممکن ادا ہو حق تیری بندہ نوازی کا

اگر انساں سراپا بھی زبان شکر بن جائے

مثال نمبر ۶:- معتکف ایک گونہ فرشتوں سے مشابہ ہوجاتا ہے۔

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: معتکف ایک طرح سے فرشتوں کے مشابہ ہوجاتا ہے جن کی شان میں یہ وارِد ہوا ہے:-

لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ.

ترجمہ:- فرشتے اللہ تعالیٰ کی (بالکل) نافرمانی نہیں کرتے، جو
کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے وہی کرتے رہتے ہیں۔

دُوسری جگہ اللہ پاک کا ارشاد ہے: ''فرشتے رات دن اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس میں لگے رہتے ہیں، ذرا نہیں تھکتے۔'' سو معتکف بھی ایک طرح انہی کے مشابہ ہو جاتا ہے، تو کیا اس نعمت کی قدر نہ کی جائے، چند روزہ زندگی ہے جو کرلے گا پالے گا، ورنہ یہاں کا یہیں چھوڑ جائے گا، کسی عربی شاعر نے کہا ہے، ان کے اشعار کا ترجمہ یہ ہے:-

اے وہ شخص جو دُنیا اور اس کی زینت سے دھوکے میں آگیا ہے، قسم ہے خدا کی! یہ دھوکا عنقریب تجھ کو ہلاک کردے گا، تو زندگی پر ایسا عاشق ہوا ہے کہ اس سے علیحدگی گوارا نہیں کرتا، جس طرح کوئی پانی پر آکر واپس جانا ہی نہ چاہتا ہو، ہر شخص یقیناً قبر میں جانے والا ہے اگرچہ اس کی عمر اور اس کی اُمیدیں کتنی ہی لمبی کیوں نہ ہوں ؎

جاگنا ہے جاگ لے افلاک کے سائے تلے
حشر تک سوتا رہے گا خاک کے سائے تلے

مثال نمبر ۷:- معتکف شہنشاہ کے گھر میں آنے جانے والے کی طرح ہوتا ہے۔

عارف باللہ اِمام عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ جو اِمامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مشائخ میں سے ہیں، معتکف کے متعلق فرماتے ہیں: معتکف کی مثال اس شخص جیسی ہے جیسے کوئی شخص کسی بادشاہ یا وزیرِاعظم یا خلیفۂ وقت کے یہاں ہمیشہ آتا جاتا ہو، اگر ایسے شخص کو کوئی ضرورت پیش آجائے اور عادۃً بادشاہ یا وزیر اس ضرورت کو بآسانی پورا بھی کرسکتے ہوں اور ان کو اس کی حاجت کا بھی پورا علم ہو، اگر یہ شخص ان کے دروازے پر جا کر کھڑا ہو اور ضرورت پیش کردے تو بادشاہ یا وزیر ضرور اس کی ضرورت پوری کرے گا، تو جب ایک انسان سے یہ توقع ہے تو اللہ جل شانہٗ وعم نوالہٗ

سے کس قدر توقع رکھنی چاہئے جبکہ وہ قادر و قیوم، علیم وخبیر، سمیع و بصیر، قادرِ مطلق اور حاجت روا ہیں۔ معتکف ان کے دروازے پر آپڑا ہے، اگر زبانِ قال سے نہیں تو زبانِ حال سے تو ضرور وہ عرض کر رہا ہے کہ میں اپنے مولائے کریم کے در پر پڑا رہوں گا، یہ دروازہ ایسا نہیں کہ مانگے اور نہ ملے جو اپنی حاجات دِینی ہوں یا دُنیوی یا اُخروی ہوں دِل میں لئے ہوئے ہوں ضرور پوری کراؤں گا، اپنی تمام پریشانیاں، مصائب وحوادث، تفکرات وغموم وہموم جو لاحق ہوگئے ہیں، اب تمام مصائب کا سبب یہی سمجھتا ہوں کہ میری نافرمانیاں اور خطائیں بہت ہیں، لہٰذا ان تمام حاجات کے ساتھ اپنے گناہوں کی اور تمام مؤمن مرد وعورت کی مغفرت اور نیک مقاصد کے پورا کرنے کی التجا لے کر حاضر ہوا ہوں، لہٰذا محض اپنے فضل وکرم سے وہی معاملہ فرمایئے جو آپ کے فضل واحسان کے لائق ہے، جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے: "هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ" ترجمہ:- پس بیشک اے اللہ! آپ ہی تقویٰ عطا فرمانے والے اور مغفرت کرنے والے ہیں۔ ایک جگہ آپ نے ارشاد فرمایا: "وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا" ترجمہ:- اور ایمان والے والوں کو بشارت دے دیجئے کہ یقیناً ان پر اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہوگا۔ پھر ایک مقام پر باری تعالیٰ نے کس قدر اُمید افزا خطاب سے نوازا ہے، پھر مغفرت فرمانے کا وعدہ بھی فرمایا ہے، آپ کا فرمان ہے: "قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ، اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا، اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ" (الزمر:۵۳) ترجمہ:- اے نبی! کہہ دیجئے میرے ان بندوں سے جنھوں نے اپنی جان پر اِسراف کیا، وہ اللہ کی رحمت سے نااُمید نہ ہوں، یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے تمام گناہ معاف کردے گا، بلاشبہ وہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

مثال نمبر۸:- معتکف اصحابِ علّیین میں شمار ہوتا ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فخرِ دو عالم جناب رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص ایک نماز کے بعد دُوسری نماز اس طرح پڑھے کہ درمیان میں کوئی لغو کام نہ کرے اس کو علیّین میں لکھ دیا جاتا ہے۔ (ابوداوٗد)

نیز مسلم، ابوداوٗد اور موٴطا اِمام مالک میں روایت آئی ہے کہ: نمازی نماز پڑھ کر جب تک اسی جگہ بیٹھا رہے جہاں نماز سے فراغت ہوئی ہے، تو فرشتے اس کے لئے دُعائے مغفرت اور دُعائے رحمت کرتے رہتے ہیں۔ دُوسری روایت میں یہ لفظ زیادہ ہیں: فرشتے دُعا کرتے رہتے ہیں جب تک وضو نہ ٹوٹے یا یہ معنی کہ بدعت کا کام نہ کرے۔ سو معتکف کو یہ بھی فضیلت ہوجاتی ہے، اور تمام مسجد حکماً ایک جگہ ہی شمار کی گئی ہے، اس لئے معتکف اُٹھ کر دُوسری جگہ بھی کسی ضرورت سے چلا جائے تو بہرحال مسجد ہی میں رہے گا اور تمام دن و رات وہیں رہتا ہے تو تمام دن و رات فرشتے اس معتکف کے لئے دُعا کرتے رہتے ہیں، اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْہُ۔ غور فرمایئے کتنا بڑا سرمایۂ آخرت ہے، اگر دُنیا کا کوئی فرض و واجب کام فوت نہ ہو اور آدمی کام دھندا ترک کرکے دس دن کا اِعتکاف کرلے تو کیا کیا رحمتیں ملتی ہیں اور دُعا کرے گا تو یہ دس روز کی کمی بھی اللہ پاک پوری فرمادیں گے، ہمت کرلینی چاہئے ؎

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید

خیرہ یوسف دارمی باید دوید

مثال نمبر۹:- معتکف احبّ البلاد میں جابستا ہے۔

سبحان اللہ! اللہ پاک نے معتکف کو اَبغض البلاد (یعنی بازار) سے اُٹھاکر اَحبّ البلاد (یعنی مسجد) میں بٹھلادیا ہے، یہ سب اُنہی کی توفیق ہے ؎

میری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے

قدم یہ اُٹھتے نہیں ہیں اُٹھائے جاتے ہیں

مثال نمبر۱۰:- معتکف کو قیامت کے دن عرشِ الٰہی کے سایہ میں جگہ ملنے کی اُمید ہے۔

جن خوش نصیبوں کو حشر کے میدان میں اور سخت گرمی والے دن میں جب آفتاب ایک میل کے فاصلے پر آجائے گا اور لوگ پسینہ پسینہ ہو رہے ہوں گے، عرشِ الٰہی کے سایہ میں جگہ دی جائے گی اور اس کے سایہ میں کھڑے ہوں گے، ان میں سے ایک شخص وہ بھی ہے جس کا قلب مسجد کے ساتھ وابستہ ہوگیا ہو، اس کا دِل یہی چاہتا ہے کہ مسجد میں بیٹھا رہے، جیسے مچھلی کو پانی میں چین آتا ہے، اس کو مسجد میں اطمینان رہتا ہے، حدیث مبارک کے الفاظ یہ ہیں: ''ورجل قلبه معلق بالمسجد''۔

ایک حدیث ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، سیّد الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ اس کو مسجد سے محبت ہوگئی ہے، اس کا دِل مسجد ہی میں لگتا ہے تو تم اس کے ایمان دار ہونے کی شہادت دو۔ (ترمذی)

خداوند تعالیٰ عزّ اسمہٗ بھی کلام پاک میں فرماتے ہیں: ''اور اللہ کی مساجد کو وہی لوگ آباد رکھتے ہیں جو اللہ پاک اور روزِ قیامت پر ایمان لائے ہیں۔'' (التوبہ:۱۸)

مثال نمبر ۱۱:- معتکف مساجد کے اوتاد کی طرح ہوتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سیّد الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا: (جس طرح رُوئے زمین پر غوث، قطب، ابدال اور اوتاد ہوتے ہیں اسی طرح خاص طور سے) مساجد میں بھی اوتاد ہوتے ہیں، ان اوتادِ مساجد کی شان ایسی ہے کہ اگر وہ مسجد سے باہر چلے جائیں تو فرشتے ان کو ڈھونڈنے لگتے ہیں، اگر وہ بیمار ہوجائیں تو فرشتے ان کی بیمار پُرسی کرتے ہیں، جب وہ اپنی دُنیوی حاجات کے لئے جاتے ہیں تو (اللہ کے حکم سے) فرشتے ان کی امداد کرتے ہیں۔ (الترغیب ج:۱ ص:۱۸۴)

تشریح:- اوتاد، وتد کی جمع ہے، جس کے معنی میخ کے ہوتے ہیں، تو جیسے میخ اپنی جگہ گڑی رہتی ہے اسی طرح یہ بھی مسجد ہی میں ٹھہرا رہتا ہے۔ اوتاد، اولیاء اللہ میں سے ایک خاص طبقے کا نام ہے۔

سو دیکھئے! معتکف بھی اوتادِ مسجد کی طرح ہر وقت مسجد ہی میں رہتا ہے، باہر نہیں جاتا (اِلاّ لضرورۃ) تو کیا عجب ہے کہ معتکف بھی اوتاد میں شمار ہوجائے ۔

جو مانگنے کا طریقہ ہے اس طرح مانگو
درِ کریم سے بندہ کو کیا نہیں ملتا

مسجد میں بیٹھ رہنے سے یا دِینی بھائی کی زیارت ہوگی یا حکمت کی بات کان میں پڑے گی، ورنہ رحمتِ خداوندی کا منتظر تو ہوتا ہی ہے۔

مثال نمبر۱۲:۔ معتکف کو جنتی ہونے کی اُمید زیادہ ہوجاتی ہے۔

حدیث شریف میں ایسا مضمون آیا ہے کہ جو آدمی چند کام ایک دن میں پورے کرلے تو اس کو جنابِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنتی ہونے کی خوشخبری دیتے ہیں:۔

۱- جمعہ کی نماز ادا کرے۔ ۲- روزہ رکھے۔
۳- نمازِ جنازہ پڑھے۔ ۴- نکاح میں شریک ہوجائے۔
۵- بیمار کی بیمار پُرسی کرے۔

اور پہلے گزر چکا ہے کہ معتکف جو نیکیاں باہر جانے کی وجہ سے ادا نہ کرسکے برابر وہ نیکیاں اس کو حاصل ہوتی ہیں اور اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہیں، لہٰذا معتکف جمعہ ضرور پڑھتا ہے، روزے سے بھی ہوتا ہے، باقی تین کام میں جانہیں سکتا، اس لئے وہ بھی اِعتکاف کی وجہ سے اس کو مل جاتے ہیں، اس طرح وہ جنت کی خوشخبری پانے والوں میں داخل ہوجاتا ہے۔

مثال نمبر۱۳:۔ معتکف کے اللہ پاک ضامن ہوجاتے ہیں۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے سردارِ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں: مسجد ہر متقی کا گھر ہے اور اللہ تعالیٰ اس شخص کے ضامن ہوجاتے ہیں جس کے لئے مسجد گھر کی مثل ہوجائے (یعنی جیسے گھر میں جی لگتا ہے اسی طرح اس کا دِل مسجد میں لگتا ہے) اور مسجد کے آداب کا خیال رکھتے ہوئے فالتو اوقات مسجد

ہی میں گزارتا ہے اور ضمانت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی رُوح کو مصفّٰی فرما کر رحمت فرمائیں گے اور پل صراط سے اللہ کی رضا کی جگہ یعنی جنت میں پہنچادیں گے۔

(الترغیب ج:۱ ص:۱۸۵)

سو معتکف بھی یہ شرف پاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اِعتکاف کرنے اور اپنے دربارِ عالی میں بیٹھنے اور اپنی رحمتوں، نوازشوں سے مستفیض ہونے کی توفیق بخشے، آمین، وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ۔

(ماہنامہ ''الاشرف'' کراچی رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ - مئی ۱۹۸۹ء)

پیارے رسول ﷺ کی پیاری باتیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

مسلمانوں کو سلام کرنا

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ایک دن میں بیس مسلمانوں کو سلام کیا خواہ وہ ایک جگہ بیٹھے ہوں یا الگ الگ ہوں، پھر اس شخص کا اسی روز انتقال ہوجائے تو اس کے لئے جنت واجب ہوجاتی ہے، اور رات کا بھی یہی حکم اور فضیلت ہے۔

(جمع الفوائد ج:۲ ص:۳۳۸ وکبیر بضعف)

اللہ کے راستے کا غبار اور جہنم کی آگ جمع نہیں ہوسکتیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخ میں وہ آدمی داخل نہیں ہوگا جو اللہ کے خوف سے رو پڑا، جب تک دُودھ تھن میں واپس نہ چلا جائے (تو جیسے یہ نہیں ہوسکتا تو وہ بھی نہیں ہوسکتا)، اسی طرح اللہ کے راستے کا غبار اور جہنم کی آگ کا دُھواں جمع نہیں ہوسکتے۔ (ترمذی ونسائی)

مطلب یہ ہے کہ اللہ کے راستے میں جس پر ذرا سا غبار لگ گیا تو وہ دوزخ میں نہیں جائے گا، اور دِین کا راستہ اللہ کا راستہ ہے، خواہ دِین کا کوئی کام ہو، رضائے الٰہی کے لئے ہو، چنانچہ ایک دُوسری روایت میں یوں آیا ہے جو ابوعبس رضی اللہ عنہ

سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی بندے کے دونوں قدم اللہ کے راستے میں غبار آلود ہوجائیں پھر اسے دوزخ کی آگ بھی چھوئے ایسا نہیں ہوسکتا۔ (بخاری، ترمذی، نسائی)

جہاد فی سبیل اللہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ کے رَبّ ہونے پر اور اپنے دِین، اسلام ہونے پر اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہو تو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔ اس پر ابوسعید رضی اللہ عنہ کو تعجب ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! دوبارہ ارشاد فرماویں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی فرمایا، اس کے بعد فرمایا: ایک اور بات ہے جس کے ذریعہ بندہ کے جنت میں سو درجے بلند ہوتے ہیں اور اس کا ایک ایک درجہ اتنا بلند ہے جیسے آسمان و زمین کا فاصلہ ہے، صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ کیا بات ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے راستے میں جہاد کرنا، اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔ (مسلم، نسائی)

بڑھاپا اسلام کی حالت میں رحمت ہے

حضرت کعب بن مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اسلام کی حالت میں بوڑھا ہوگیا تو یہ اس کے لئے قیامت کے روز نور ہوگا۔ (نسائی)

پیر کا دن بہت متبرک ہے

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے دن پیدا ہوئے اور اعلانِ نبوّت بھی پیر کے دن کیا، اور مکہ مکرّمہ سے مدینہ منوّرہ کی طرف پیر کے دن ہی ہجرت فرمائی، اور مدینہ منوّرہ بھی پیر کے دن ہی پہنچے، اور پیر

کے دن ہی وفات پائی اور حجرِ اَسود بھی پیر کے دن لگایا گیا اور بدر کی جنگ بھی پیر کے دن فتح ہوئی، نیز سورۂ مائدہ بھی پیر کو نازل ہوئی جس میں یہ آیت ہے:-

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا.

عاتکہ کا عجیب خواب

حضرت عبدالمطلب کی بیٹی عاتکہ نے ایک خواب دیکھا اور اپنے بھائی حضرت عباس سے کہنے لگیں کہ میں اس خواب سے تمہاری قوم پر خوفزدہ ہوں، حضرت عباس نے پوچھا: وہ خواب کیا ہے؟ عاتکہ نے (جواب دیا) کہا کہ: تم عہد کرو کہ کسی اور کو نہیں بتلاؤ گے کیونکہ اہلِ مکہ سن لیں گے تو وہ ہم کو ایذاء پہنچائیں گے اور ظلم کریں گے۔ عاتکہ نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا ایک سوار ہے جو مکہ کے اُوپر والے حصے سے آیا ہے اور بلند آواز سے کہہ رہا ہے: اے آلِ غدر! اور آلِ فجر! (یعنی دھوکے باز فاجروں کی اولاد) دو یا تین راتوں کے اندر اندر اپنے مقتل اور بچھڑنے کی جگہ چلو، پھر وہ سوار مسجد میں داخل ہوا، وہاں بھی تین دفعہ یہی کہہ کر پکارا اور عورتیں، مرد، بچے اور بوڑھے گھبرا کر اس کی طرف جھکے، پھر خانۂ کعبہ کی چھت پر اپنی سواری پر کھڑا دِکھائی دیا، وہاں بھی اس نے یہی تین بار آواز دی حتیٰ کہ اخشبین (دو پہاڑ ہیں) کے درمیان ہر ایک نے سنا، پھر اس نے پہاڑ کی جڑ میں سے ایک بہت بڑا پتھر نکالا اور اسے مکہ والوں کی طرف پھینک دیا، یہاں تک کہ جب وہ پہاڑ کی تلہٹی میں آیا تو وہ پھر پھٹ گیا اور اس کا ایک ایک ٹکڑا ہر اہلِ مکہ کے گھر پہنچا اور داخل ہوا۔ یہ خواب سن کر حضرت عباس گھبرا گئے اور چلے گئے، اتنے میں ولید بن عتبہ سے ملاقات ہوگئی اور ان سے دوستی تھی، اتفاق سے دوست سمجھ کر ان سے اس خواب کا تذکرہ کردیا مگر یہ کہہ دیا کہ کسی اور سے نہ کہنا، مگر ولید نے اپنے والد سے ذکر کردیا اور ان کے والد عتبہ نے

اپنے بھائی شیبہ سے کہہ دیا، اس طرح یہ خواب مکہ میں پھیل گیا حتیٰ کہ ابوجہل کو بھی معلوم ہوگیا، جب صبح ہوئی اور حضرت عباس طواف کرنے گئے تو ابوجہل نے ان کو پکارا: اے ابوالفضل! جب طواف کرچکو تو میرے پاس آنا، حضرت عباس طواف سے فارغ ہوکر اس کے پاس آئے تو ابوجہل کہنے لگا: اے ابوالفضل! وہ کیا ہے جو تمہاری بہن عاتکہ نے دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا: کوئی ایسی بات نہیں ہے، ابوجہل بولا: کیوں نہیں ہے، اے بنی ہاشم! کیا تم نے مردوں کے جھوٹ پر اکتفا نہیں کیا اب تمہاری عورتیں بھی جھوٹ پر اُتر آئیں، ہم اور تم گھڑدوڑ کے برابر کے دو شہسوار تھے مگر ایک زمانے سے تم مسجد میں ہم سے آگے بڑھ گئے، ایک سوار آیا تو تم نے کہا: ہم میں ایک نبی آیا ہے، پس یہی باقی رہ گیا تھا کہ تم کہو کہ ہم میں عورت بھی نبی ہے، تم سے زیادہ جھوٹ بولنے والا کوئی مرد اور عورت کسی گھر میں نہیں ہوگا۔ کہنے لگا: کیا عاتکہ نے یہ نہیں کہا ہے کہ اس سوار نے یہ کہا ہے کہ: دو تین راتوں کے اندر اندر نکل جاؤ، سو اگر تین رات گزر گئیں تو قریش کے سامنے تمہارا جھوٹ کھل جائے گا اور ہم ایک دستاویز لکھ کر خانۂ کعبہ میں لٹکادیں گے کہ تم اہلِ عرب میں سب سے زیادہ جھوٹے ہو، مرد بھی اور عورت بھی، اور بنی قصی! کیا تم اس پر راضی نہ ہوئے کہ خانۂ کعبہ کی دربانی تمہارے پاس ہے، سقایہ اور جھنڈا تمہارے پاس ہے، یہاں تک کہ تم نے ایک نبی بھی لاکھڑا کیا، تمہاری ایذاء بڑی سخت ایذاء ہے۔ اس پر عباس بولے: اے پیلی سرین والے! سنبھل کر بات کر، یہ جھوٹ سب تمہارے اندر ہے یا تیرے خاندان میں ہے، حاضرین بولے: اے ابوالفضل! نہ تو جاہل ہے نہ بے وقوف ہے، عاتکہ سے بڑی تکلیف پہنچی ہے، یہ سب جگہ پھیل چکی ہے۔ تیسری رات آنی تھی کہ ابوسفیان کی طرف سے سوار قاصد بن کر آیا، اس سوار کا نام ضمضم بن عمرو العمری ہے، اس نے یہی کہا: اے آلِ غدر! کوچ کرو، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی نکل آئے ہیں اور ابوسفیان پر حملہ کرنے والے ہیں۔ بس قریش میں اس سے گھبراہٹ پھیل گئی اور عاتکہ

کے خواب کی تصدیق ہوکر ڈرنے لگے، بالآخر ہر قسم کی سواری پر نرم ہو، تیز ہو سوار ہوکر بدر کی طرف چلے، جنگِ بدر میں مسلمانوں کی فتح ہوئی اور ابوجہل مارا گیا۔

تلوار کا حق

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ اُحد میں ایک تلوار اُٹھائی اور فرمایا: اس کو کون لے گا؟ سن کر سبھی جھپٹے اور ہاتھ بڑھائے اور سب نے کہا مجھے دے دیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس تلوار کا حق کون ادا کرے گا؟ اس پر بھی لوگ جمع ہوگئے، پھر حضرت سماک بن خرستہ ابودجانہ رضی اللہ عنہ (جو ایک پہلوان تھے) وہ بولے: یہ مجھے دے دیں، میں اس کا حق ادا کروں گا، چنانچہ وہ تلوار ان کو دے دی گئی اور انہوں نے مشرکوں کی خوب گردنیں اُڑائیں۔

جہاد میں عورت کو قتل کرنا منع ہے

بزار نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، حضرت زبیرؓ کہتے ہیں کہ: میں ابودجانہ کے پیچھے پیچھے تھا، وہ جس پر بھی جا گرتے تھے اسے زیر وزبر کردیتے تھے، حتیٰ کہ میدانِ اُحد میں وہ عورتوں کے جھرمٹ میں پہنچے، ان عورتوں میں ہندہ (قاتل حمزہ) بھی تھیں، ہندہ اس وقت مسلمان نہیں ہوئی تھیں، وہ یہ اَشعار گا رہی تھی اور اپنے آدمیوں کو اُکسا رہی تھی:۔

نَحْنُ بَنَاتُ طَارِقٍ غَیْشِیْ عَلَی النَّمَارِقِ

ترجمہ:۔ ہم رات کو آنے ولی لڑکیاں ہیں، جو مخمل کے فرش پر چلنے والیاں ہیں۔

وَالْمِسْکُ فِی الْمَفَارِقِ اِنْ تُقْبِلُوْا نُعَانِقِ

ترجمہ:۔ اور مشک ہماری مانگ اور سروں میں ہے، آگے

بڑھوگے تو ہم تم سے معانقہ کریں گی، گلے ملیں گی۔

اَوْ تُدْبِرُوْا نُفَارِقِ فِرَاقَ غَیْرِ وَامِقِ

ترجمہ:- یا تم پیٹھ پھیروگے تو ہم جدا ہوجائیں گی اور پھر نہ ملیں گی۔

اس ہندہ پر حضرت ابودجانہ نے حملہ کیا، لیکن ایک دَم واپس آگئے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: یہ دیکھ کر میں نے ان سے کہا: اے ابودجانہ! تمہارے سارے کام عجیب تھے، مگر یہ بتاؤ کہ تم نے اس عورت کو کیوں قتل نہیں کیا؟ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار سے ایک عورت کو قتل کرنا اچھا نہیں سمجھا (انہوں نے منع کیا ہوا ہے)۔

حضرت قتادہؓ کی جاں نثاری اور حضورؐ کا معجزہ

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جنگِ اُحد کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ میں ایک کمان دی گئی اور آپ نے مجھے عطا فرمادی، سو آپ کے آگے آگے میں اس کمان سے تیر چلا رہا تھا یہاں تک کہ اس کمان کا دستہ ٹوٹ گیا، مگر اپنے مقام پر کھڑا رہا، ہٹا نہیں، اتنے میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور زخمی ہوا، اب جو تیر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر آتا تھا تو میں آپ کو بچانے کے لئے اپنا چہرہ کردیتا تھا، تاکہ وہ تیر میرے سر کے کسی حصے میں لگے اور آپ بچ جائیں، سو آخری تیر جو مجھے لگا اس سے میری آنکھ کا حلقہ میرے رُخسارے پر نکل کر گر پڑا اور جماعتیں متفرق ہوگئیں، تو اس آنکھ کو میں نے اپنی ہتھیلی پر رکھا اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا، جب آپ نے میری ہتھیلی پر آنکھ رکھی ہوئی دیکھی تو آپ کی آنکھوں مبارک میں آنسو آگئے اور دُعا دی الٰہی! قتادہ نے اپنے چہرے کے ذریعہ تیرے نبی کا چہرہ بچایا ہے تو اس کی آنکھ پہلے سے بھی اچھی کردے اور زیادہ نظر کو تیز کردے، سو میری نگاہ پہلے سے زیادہ اچھی ہوگئی۔ (الکبیر)

آپ کا نبی برحق ہونا

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جنگِ اُحد کے دن ایک شخص نے یہ کہا: اے اللہ! اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہیں تو مجھے زمین میں دھنسا دے، سو وہ شخص زمین میں دھنس گیا۔ (بزار)

نبی علیہ السلام کا شرکتِ جہاد

حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے دیکھا کہ جنگِ اَحزاب میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم خندق کھودنے میں ہمارے شریک ہیں اور مٹی اُٹھا رہے ہیں اور یہ کہتے جاتے ہیں:-

وَاللّٰهِ لَوْ لَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

فَاَنْزِلْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَيْنَا

وَالْمُشْرِكُوْنَ قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا

ترجمہ:- قسم ہے خدا کی! اگر اللہ میاں نہ ہوتے تو ہم ہدایت پر نہ ہوتے، نہ ہم صدقہ کرتے، نہ نماز پڑھتے، پس اے اللہ! تو ہم پر تسلی نازل فرما اور اگر مڈھ بھیڑ ہوجائے تو ہم کو ثابت قدم رکھ، ان مشرکوں نے ہم پر زیادتی کی ہے، جب بھی یہ کوئی فتنہ پردازی کریں گے ہم اسے قبول نہیں کریں گے۔

ان اَشعار کو آواز کے ساتھ پڑھتے تھے، اور ایک روایت میں ہے کہ: "اَبَيْنَا، اَبَيْنَا" بار بار بلند آواز سے کہتے تھے۔ (شیخین)

شروع دن میں سورۂ یٰسین پڑھنا

حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ: دن کے اوّل میں جو سورۂ یٰسین پڑھ

لے گا اس کی حاجات پوری کردی جائیں گی۔ (الدارمی)

سورۂ دُخان کی تلاوت کی فضیلت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس شخص نے رات میں سورۂ دُخان پڑھی تو اس حال میں صبح کرے گا کہ ستر ہزار فرشتے اس کے لئے اِستغفار کررہے ہوں گے۔ (ترمذی)

سورۂ حشر کی آخری آیات کی فضیلت

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس شخص نے تین بار "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ" پڑھ کر سورۂ حشر کی آخری آیات ("هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ" سے آخر تک) ایک بار پڑھی تو صبح سے شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے لئے دُعائے رحمت کرنے پر مقرّر کردیئے جاتے ہیں، اسی طرح شام کو پڑھے تو شام سے صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لئے دُعائے رحمت کرنے پر مقرّر کردیئے جاتے ہیں اور اگر اسی رات مرگیا تو شہید ہوکر مرے گا۔ (ترمذی)

سورۂ زلزال کی فضیلت

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے قراءت بتادیجئے کہ کیا پڑھا کروں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جن سورتوں کے شروع میں "را" کا لفظ آتا ہے جیسے "الٓمٓرٰ، الٓرٰ" وغیرہ ایسی تین سورتیں پڑھ لیا کر۔ اس آدمی نے عرض کیا: میری عمر زیادہ ہوگئی ہے اور میری زبان بھی موٹی ہوگئی ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر جن سورتوں کے شروع میں "حٰمٓ" آیا ہے ان سے تین سورتیں پڑھ لیا کرو، اس آدمی نے وہی پہلا عذر دہرایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر جن

سورتوں کے شروع میں تسبیح آتی ہے ان میں سے تین سورتیں پڑھ لیا کر۔ اس آدمی نے پھر وہی پہلا عذر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک جامع سورت ہے وہ پڑھ لیا کر، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سورۂ زلزال پڑھائی حتیٰ کہ پوری کرادی، تو اس شخص نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے، میں اب کبھی بھی اس سے زائد نہیں کروں گا، پھر وہ چلا گیا، اس پر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ شخص کامیاب ہوگیا، دو مرتبہ فرمایا۔ (ابوداؤد)

سورۂ اِخلاص کی فضیلت

حضرت سعید بن المسیّب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: جو شخص روزانہ دو سو مرتبہ سورۂ اِخلاص پڑھے گا تو اس کے پچاس سال کے گناہ معاف ہوجائیں گے، اِلَّا یہ کہ اس پر کسی قسم کا قرض ہو، اور جو شخص سونے کا ارادہ کرے اور وہ اپنی دائیں کروٹ پر لیٹ کر ایک سو مرتبہ سورۂ اِخلاص پڑھے تو قیامت کے روز حق تعالیٰ اسے فرمائیں گے کہ اپنی دائیں جانب جنت میں داخل ہوجا۔ (ترمذی)

حضرت سعید بن المسیّب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: جس شخص نے قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ گیارہ مرتبہ پڑھی تو اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنادیتے ہیں، اور جس نے بیس مرتبہ پڑھا تو اس کے لئے جنت میں دو مکان بنادیئے جاتے ہیں، اور جس نے تیس مرتبہ پڑھا تو اس کے لئے تین مکان جنت میں بنادیئے جاتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اب تو ہم بہت سے مکان بنالیں گے، تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی بخشش اس سے بھی زیادہ واسع ہے۔ (دارمی)

معوّذتین

ایک حدیث میں آیا ہے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی سائل

نے ان جیسا نہیں مانگا اور کسی پناہ مانگنے والے نے ان دو سورتوں کی مثل پناہ بھی نہیں مانگی (گویا بے مثل ہیں)۔ (جمع الفوائد ج:۲ ص:۱۷۲)

تلاوتِ کلام پاک

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے بچے کو ناظرہ قرآن مجید پڑھادیا تو اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں، اور جس نے حفظ کرادیا تو بروز قیامت اس شخص کو چاند کی طرح چمکتا ہوا اُٹھائیں گے اور اس سے کہا جائے گا کہ: تو قراءت کر، جب وہ ایک آیت پڑھے گا اس کی وجہ سے جنت میں اس کا ایک درجہ بلند کردیں گے، حتیٰ کہ وہ آخری آیت جو اس کو یاد ہے پڑھے۔ (الاوسط)

جبرِ نعمت

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے آیتِ کریمہ: "اَلَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ" کے بارے میں مروی ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے اس آیت سے خبر دی ہے کہ جب بندۂ مسلم اللہ کے حکم پر راضی ہوکر اللہ پر اپنا کام سپرد کردیتا ہے اور "اِنَّا لِلّٰهِ.... الخ" پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے تین انعام عطا فرماتا ہے، عام رحمتیں اور خاص رحمت اور ہدایت، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے مصیبت کے وقت انا للہ .... الخ پڑھی تو اللہ تعالیٰ اس کا جبرِ نقصان کردیتے ہیں اور اس کا انجام بخیر فرماتے ہیں۔ (الکبیر)

اللہ کا عہد

حضرت اعمش رحمہ اللہ نے یہ آیتِ کریمہ پڑھی: "شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ .... الخ" یعنی اللہ تعالیٰ شہادت دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، سو انہوں نے کہا کہ: میں بھی اس بات کی شہادت دیتا ہوں جس کی شہادت اللہ تعالیٰ نے دی

ہے، اور اس شہادت کو اللہ کے پاس امانت رکھتا ہوں، یہ اللہ کے پاس امانت رہے گی، پھر اس کے متعلق ان سے کہا گیا کہ: تم نے ایسا کیوں کہا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: مجھ سے ابووائل نے حضرت عبداللہؓ کی روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اس امانت والے کو قیامت کے دن بلایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اس بندہ کا میرے ساتھ ایک معاہدہ ہے، اور اپنا معاہدہ پورا کرنے کا میں زیادہ حق دار ہوں، لہٰذا میرے اس بندے کو جنت میں داخل کردیا جائے۔

(الکبیر بضعف)

اللہ سے ڈرنے کا حق

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے: "اِتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ" یعنی اللہ سے ایسا ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے، تو اس سے ڈرنے کا حق کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ اس کی اطاعت کرے، نافرمانی نہ کرے، اس کا شکر کرے، ناشکری نہ کرے، اسے یاد رکھے، بھولے نہیں۔ (الکبیر)

شبہ کا ازالہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ایک شخص نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا: یہ بتایئے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے اس جنت کی طرف دوڑو جس کا فاصلہ زمین و آسمان جتنا ہے، تو میں یہ پوچھتا ہوں کہ پھر دوزخ کہاں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو پہلے یہ بتا کہ جب رات آتی ہے تو دن کہاں ہوتا ہے؟ اس نے کہا: جہاں اللہ کو منظور ہے، فرمایا: بس اسی طرح دوزخ بھی جہاں اللہ کو منظور ہے، ہے۔ (بزار)

کافر کو دُنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ وَّاِنْ تَکُ

حَسَنَةٌ يُضَاعِفُهَا" یہ آیت پڑھ کر ارشاد فرمایا کہ: رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: حق تعالیٰ شانہ مؤمن کی ایک نیکی بھی کم نہیں کریں گے، پوری کی پوری آخرت میں جمع کریں گے، مگر کافر کی نیکی کا اجر اسے دُنیا ہی میں دیتے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ آخرت میں آئے گا تو اس کی ایک نیکی بھی ایسی نہ ہوگی جس کا اسے بدلہ دیا جائے۔ (مسلم)

ایک تمنا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ مجھے میری جان اور اولاد سے بھی زیادہ محبوب ہیں، حتیٰ کہ میں اپنے گھر میں ہوتا ہوں اور آپ یاد آتے ہیں اور مجھ سے صبر نہیں ہوتا یہاں تک کہ میں آجاتا ہوں اور آپ کو دیکھ لیتا ہوں، مگر میں اپنی اور آپ کی موت کو یاد کرتا ہوں تو یہ خیال آتا ہے کہ جب آپ جنت میں چلے جائیں گے تو انبیاء کے مقام پر ہوں گے اور جب میں جنت میں جاؤں گا تو اس درجہ میں کیسے پہنچ سکتا ہوں جہاں آپ ہوں گے (وہاں آپ کے ساتھ کیسے ہوں گا اور کیسے آپ کو دیکھوں گا؟)، اس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ جبریل علیہ السلام یہ آیت لے کر آئے: "وَمَنْ يُطِعِ اللهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ" جو شخص اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا، بس یہی لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یعنی نبیوں اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوں گے۔

مؤمن کے لئے ذخیرۂ آخرت ہے

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ: میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھا کہ آپ پر یہ آیت نازل ہوئی: "مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا

یُجْزَ بِہٖ" جو کوئی بُرا کام کرے گا اس کو اس کا بدلہ دیا جائے گا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! اس وقت جو آیت مجھ پر نازل ہوئی ہے وہ پڑھ کر بتلاؤں؟ میں نے عرض کیا: ضرور پڑھئے، سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت تلاوت کی تو سن کر میری کمر ٹوٹ گئی اور پیٹھ کے بل میں لیٹ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، ہم میں سے کون ایسا شخص ہے جس نے کبھی کوئی بُرا کام نہ کیا ہو اور ہر بُرے عمل کا ہم کو بدلہ دیا جائے گا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! تمام مسلمان دُنیا ہی میں بدلہ دے دیئے جاتے ہیں حتیٰ کہ جب اللہ سے ان کی ملاقات ہوگی تو ایک گناہ بھی ان کا نہ ہوگا، باقی دُوسرے (جو کافر ہیں) ان کے لئے جمع رکھے جاتے ہیں ان کو ان گناہوں کا بدلہ قیامت کے روز دیا جائے گا۔ (جمع الفوائد ج:۲ ص:۱۹۹)

ایک روایت میں ہے کہ مسلمانوں کو بڑی تشویش ہوگئی کہ ہمارا کیا بنے گا؟ تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا قرب تلاش کرو اور صحیح صحیح عمل کرتے رہو، اور مسلمان کو ذرا سی تکلیف بھی پہنچتی ہے تو وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہوجاتی ہے حتیٰ کہ اگر کانٹا بھی چبھ جائے تو وہ بھی کفارۂ سیئات ہوتا ہے۔ (مسلم وترمذی)

اور ایک روایت میں یوں آیا ہے: یہ جو بندے کو تکلیف آتی ہے حتیٰ کہ اسے بخار آجائے، کوئی مصیبت آجائے، حتیٰ کہ اتنی بات بھی پیش آئے کہ اس نے اپنے کرتے کی آستین میں کوئی پیسہ رکھا تھا مگر رکھ کر بھول گیا، اس کی تلاش میں جو گھبراہٹ ہوئی تو یہ بھی کفارۂ سیئات ہوجاتا ہے حتیٰ کہ وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہوجاتا ہے جیسے سرخ سونا نتھر کر صاف ہوجاتا ہے۔ (کبیر)

ہر نبی کی ایک دُعا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ ہر نبی کو اللہ نے ایک دُعا

دی ہے اور اس نے وہ دُعا کرلی ہے، مگر میں نے وہ دُعا چھپا کر رکھی ہے اپنی اُمت کی شفاعت کروں گا، میری شفاعت میری اُمت کے اہلِ کبائر کے لئے ہوگی۔

دوزخ سے نجات کی ایک صورت

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، آقائے دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخ والے دوزخ میں جمع ہوں گے ان کے اندر اہلِ قبلہ بھی ہوں گے، جن کو بھی اللہ کا حکم ہوگا تو کافران مسلمانوں سے کہیں گے: کیا تم اسلام نہیں لائے تھے؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں ہم مسلمان ہیں، کافر کہیں گے: پھر تمہارے اسلام لانے نے تم کو دوزخ کی آگ سے نہیں بچایا اور تم بھی ہم کافروں کی طرح دوزخ میں آگئے، مؤمن کہیں گے: بات یہ ہے کہ ہم لوگ گنہگار تھے، اس پر ہم کو یہ سزا ہو رہی ہے، مگر اللہ پاک نے یہ سنا تو حکم فرمایا کہ: جتنے اہلِ قبلہ ہیں سب کو دوزخ سے باہر نکال دیا جائے، چنانچہ ان کو دوزخ سے باہر نکال دیا جائے گا تو دوزخ میں رہ جانے والے کفار یہ دیکھ کر تمنا کریں گے کہ کاش! ہم بھی مسلمان ہوتے تو جیسے ان کو نکال لیا گیا ہم بھی نکال لئے جاتے، اس کے بعد رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتِ کریمہ تلاوت کی: ''رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ''۔ (بزار)

دوزخ پر گزرنا لازمی ہے

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے اپنی اُنگلیاں اپنے کانوں میں رکھیں اور کہنے لگے: یہ دونوں، اگر یہ بات جو میں کہتا ہوں ان کانوں سے نہ سنی ہو، بہرے ہوجائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ: قرآن مجید میں جو آیا ہے: ''وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُھَا'' اس ورود سے مراد دخول ہے، کوئی نیک و بد نہ ہوگا جو دوزخ میں داخل نہ ہو، مگر دوزخ مؤمنوں پر سلامتی والی ٹھنڈی ہوجائے گی، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ ٹھنڈی ہوگئی تھی، اتنی ٹھنڈی ہوجائے گی کہ جہنم کی

ٹھنڈ کی وجہ سے چیخ نکل جائے گی، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی: ”ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ فِیْهَا جِثِیًّا“ پھر متقیوں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو گھٹنوں کے بل اس میں ڈال دیں گے۔ (احمد)

جنت کے مستحق لوگوں کی تقسیم

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتِ کریمہ تلاوت کی: ”ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا“ الآیۃ، پھر ہم نے اپنے ان بندوں کو کتاب کا وارث بنایا ہے جن کو ہم نے منتخب کرلیا ہے، پس ان میں سے بعض اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض مقتصد یعنی درمیانی لوگ ہیں، اور بعض بھلائیوں میں سبقت لے جانے والے ہیں، یہ آیت پڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تینوں جماعت کے آدمی ایک ہی منزل کے ہیں، یہ سب جنت میں ہوں گے۔ (ترمذی)

اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت کے بارے میں فرمایا: پس بہرحال وہ لوگ جو بھلائیوں میں سبقت لے جانے والے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے، اور وہ لوگ جو درمیانی درجے کے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کا حساب ”حساب یسیر“ ہوگا (یعنی صرف پیشی ہوگی اور بخش دیئے جائیں گے)، اور بہرحال وہ لوگ جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے یہ محشر کے میدان میں کھڑے رہیں گے، پھر حق تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے گا، یہی لوگ ہیں جو کہیں گے: ”اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ“ سب تعریفیں اس پروردگار کے لئے ہیں جس نے ہم سے غم وحزن کو دُور کردیا، بے شک ہمارا ربّ بہت بخشنے والا قدردان ہے، جس نے اپنے فضل سے ہم کو دار المقام میں جگہ دے دی، جہاں نہ کسی قسم کی کوئی مشقت ہے نہ تھکاوٹ ہے۔ (احمد)

جنت میں والدین اور اولاد ایک جگہ ہوں گے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی جب جنت میں داخل ہوگا تو وہاں والدین، بیوی اور اولاد کو ڈھونڈے گا تو اس سے کہا جائے گا کہ وہ تمہارے درجے کو نہیں پہنچے، ان کے اعمال ایسے درجے کے نہیں ہیں تو وہ کہے گا: اے رَبّ! میں نے عمل اپنے اور ان سب کے لئے کئے تھے (کہ یہ سب مل جائیں گے) سو ان کو ان کے ساتھ ملحق کردیا جائے گا، اس کے بعد ابنِ عباسؓ نے یہ آیت تلاوت کی: "وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ" الآیۃ۔ (الکبیر، الطبرانی)

تقویٰ ایک تجارت ہے

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! تقویٰ کی تجارت کرو بغیر پونجی اور بغیر سوداگری کے تم پر روزی اُترے گی، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی: "وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ" الآیۃ۔ (کبیر بضعف)

رسول اللہؐ کو شجر و حجر کا سلام کرنا

حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے مروی ہے میں کہ مکہ مکرّمہ میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو ہم مکہ کے اطراف میں گئے تو جس شجر و حجر کے پاس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم گزرتے تھے وہ کہتا تھا: "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ"۔ (ترمذی)

ایک روایت میں ہے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مقام زوراء میں ایک پانی کا برتن لایا گیا، آپؐ نے اپنا دست مبارک اس میں رکھا تو پانی فوارے کی طرح آپؐ کی اُنگشت ہائے مبارک میں سے نکل رہا تھا، تمام لوگوں نے اس سے وضو کیا، حضرت قتادہؒ نے پوچھا کہ: تم کتنے آدمی ہوگے؟ انہوں نے کہا: تین

سو یا تقریباً تین سو آدمی تھے۔ (صحاح ستہ)

چاند کے ٹکڑے ہونے کا معجزہ

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ منیٰ میں تھے، اچانک ہم نے دیکھا چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے، ایک ٹکڑا پہاڑ کی اس طرف تھا اور ایک ٹکڑا ادھر تھا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم گواہ رہنا۔
(جمع الفوائد ص:۴۸۸)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کی تفصیل

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ قریش نے آپس میں گمراہی اور کفر پر اڑا رہنے کا معاہدہ کیا اور بعض نے یہ کہا کہ جس راہ پر ہم لوگ ہیں وہ اس بے اولاد، بے وارث کے دِین سے زیادہ برحق اور بہتر ہے، تب یہ آیات نازل ہوئیں: "اِنَّآ اَعْطَيْنٰکَ الْکَوْثَرَ. فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ. اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ." اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچ اولاد مذکر پیدا ہوئے۔ چار حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے، ان میں سے سے بڑے عبداللہ تھے، دُوسرے طاہر، اور بعض نے کہا: طاہر، عبداللہ ہی کا نام تھا، یہ دو ہوئے، ایک طیب اور ایک قاسم، اور ایک حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جن کا نام ابراہیم تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیاں تھیں، ان میں سے ایک زینب تھیں جو حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں اور حضرت رقیہ اور حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہما تھیں جن کا نکاح پہلے ابولہب کے بیٹے عتبہ اور عتیبہ سے تھا، جس کو ابولہب کے کہنے سے دونوں نے الگ کردیا تھا، پھر پہلے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا اور ان کے ہمراہ حبشہ کی طرف ہجرت کی، وہاں ان سے عبداللہ پیدا ہوئے پھر وفات ہوگئی، ان کی وفات کے بعد اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا، اور حضرت

فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے نکاح میں آئیں، جن سے حضرت حسن، حسین اور حضرت محسن اور زینب جو حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے نکاح میں آئیں، اور اُمِّ کلثوم جن کا حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ سے نکاح کر دیا تھا۔ (رزین)

صحابہؓ کو بُرا کہنے والا لعنتی ہے

ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کسی کو میرے صحابہؓ کو بُرا بھلا کہتے سنو تو اس سے کہو: "لَعْنَةُ اللهِ عَلٰى شَرِّكُمْ" خدا تمہارے اس شر پر لعنت کرے۔ (ترمذی)

صحابہؓ کی فضیلت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت تین صحابہ کی طرف مشتاق رہتی ہے، علی، عمار اور سلمان رضی اللہ عنہم۔ (ترمذی)

ابوبکرؓ، ثم عمرؓ، ثم عثمانؓ

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ہم لوگ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کسی کو ابوبکرؓ کے برابر نہیں کرتے تھے، پھر عمرؓ، پھر عثمانؓ، ان کے بعد ہم ان کے درمیان افضلیت کی بحث ہی نہیں کرتے تھے۔ (بخاری، ابوداؤد، ترمذی)

قدرتِ خداوندی

حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: تیرے رَبّ کی مخلوقات میں سب سے سخت پہاڑ ہیں، مگر اسے لوہا تراش دیتا ہے، اور لوہے کو آگ کھا جاتی ہے اور آگ کو پانی بجھا دیتا ہے، اور یہ آسمان و زمین کے درمیان جو بادل ہیں یہ پانی کو اُٹھائے اُٹھائے پھرتے ہیں، اور بادلوں کو ہوا لے جاتی ہے، اور ہوا سے انسان دو ہاتھ کر کے بچ جاتا ہے، اور ہوا پر اپنی ضرورت کے مطابق سفر کرتا ہے، مگر نشہ

انسان پر غالب آجاتا ہے، اور نیند نشے پر غالب آجاتی ہے، مگر غم نیند کو بھی روک دیتا ہے، تو تیرے رَبّ کی مخلوق میں سب سے سخت یہ غم ہوا۔ (اوسط)

ذکر کرتے ہوئے سونا

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے بستر پر اللہ کا ذکر کرتا ہوا سویا حتیٰ کہ اسے اونگھ آنے لگی، پھر رات کو کسی وقت بھی اس کی آنکھ کھلے اور وہ دُنیا و آخرت کی کوئی بھلائی اللہ سے طلب کرے مگر حق تعالیٰ اسے وہی عطا فرمادیتے ہیں۔ (جمع الفوائد)

دُشمن سے نجات کا طریقہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتلاؤں جو تم کو تمہارے دُشمن سے نجات دیوے اور تم کو رزق ملے، اللہ سے دن اور رات میں دُعا کیا کرو کیونکہ دُعا مؤمن کا ہتھیار ہے۔

(موصلی بضعف)

دُعا کی قبولیت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَذان و اِقامت کے درمیان دُعا رَدّ نہیں کی جاتی ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

اور ایک روایت میں بارش کے نیچے آیا ہے۔ (ابوداؤد)

پیٹھ پیچھے دُعا کرنا

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: غیر موجود، غیر موجود کے لئے دُعا کرے اس سے زیادہ مقبول ہونے والی دُعا کوئی نہیں ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: جب آدمی اپنے بھائی کے لئے پیٹھ پیچھے دُعا کرتا ہے تو فرشتے آمین کہتے ہیں، اور کہتے ہیں: تیرے لئے بھی ایسا ہی ہو۔ (مسلم، ابوداوٗد)

دُعا قبول نہ ہونا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب دُرود شریف نہ پڑھا جائے تو دُعا زمین و آسمان کے درمیان لٹکی رہتی ہے، دُعا کے اوّل اور درمیان اور آخر میں دُرود پڑھا کرو۔ (ترمذی بلفظ رزین)

فضلِ خداوندی مانگنا

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو، کیونکہ اللہ کو اس سے مانگنا بہت پسند ہے، اور کشادگی کا انتظار افضل عبادت ہے۔ (ترمذی)

بیٹے کی دُعا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی کا جنت میں درجہ بلند کیا جائے گا تو وہ عرض کرے گا: الٰہی! مجھے یہ درجہ کیسے ملا ہے؟ تو کہا جائے گا: تیرے بیٹے کی دُعا کی وجہ سے ملا ہے۔ (للبزار)

پچھلے گناہ کا معاف ہونا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب اِمام "سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" کہتا ہے تو تم "رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ" کہو، کیونکہ جس کی تحمید، ملائکہ کی تحمید سے مل گئی اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہوگئے۔ (للستۃ)

نماز کے بعد کی دُعا

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد کہا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْکُفْرِ وَالْفَقْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ"۔ (ترمذی، نسائی)

گناہوں کی بخشش

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے جمعہ کے دن نمازِ صبح سے قبل تین مرتبہ یوں کہا: "اَسْتَغْفِرُ اللهَ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ" تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے خواہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔ (للاوسط)

بہترین دُعا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک اَعرابی کے پاس سے گزرے جو اپنی نماز میں اس طرح دُعا کر رہا تھا:-

یَا مَنْ لَّا تَرَاهُ الْعُیُوْنُ وَلَا تُخَالِطُهُ الظُّنُوْنُ وَلَا یَصِفُهُ الْوَاصِفُوْنَ وَلَا تُغَیِّرُهُ الْحَوَادِثُ وَلَا یَخْشَی الدَّوَآئِرَ یَعْلَمُ مَثَاقِیْلَ الْجِبَالِ وَمَکَایِیْلَ الْبِحَارِ وَعَدَدَ قَطْرِ الْاَمْطَارِ وَعَدَدَ وَرَقِ الْاَشْجَارِ وَعَدَدَ مَا اَظْلَمَ عَلَیْهِ اللَّیْلُ وَاَشْرَقَ عَلَیْهِ النَّهَارُ وَلَا تُوَارِیْ مِنْهُ سَمَآءٌ سَمَآءً وَّلَا اَرْضٌ اَرْضًا وَلَا بَحْرٌ مَّا فِیْ قَعْرِهٖ وَلَا جَبَلٌ مَّا فِیْ وَعْرِهٖ اِجْعَلْ خَیْرَ عُمْرِیْ اٰخِرَهٗ وَخَیْرَ عَمَلِیْ خَوَاتِیْمَهٗ وَخَیْرَ اَیَّامِیْ یَوْمَ اَلْقَاکَ فِیْهِ.

سو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو مقرّر کیا کہ یہ اَعرابی جب نماز

پڑھ چکے تو اسے میرے پاس لانا، جب وہ نماز سے فارغ ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہدیہ میں کسی معدن سے سونا آیا تھا جب اَعرابی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ سارا سونا اسے ہبہ کردیا، اس اَعرابی نے کہا شاید صلہ رحمی میں عطا کیا ہے، فرمایا: ہاں! رحم کا بھی حق ہے، مگر میں نے تجھے تیرے اللہ کی حمد وثنا کی خوبی کی وجہ سے دیا ہے۔ (للاوسط)

دس مرتبہ کلمۂ توحید پڑھنا

حضرت ابو عیاش رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے صبح صبح "لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" کہا تو اسے اولادِ اسماعیلؑ میں سے غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے، اور اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں اور دس گناہ اس کے مٹادیئے جاتے ہیں اور دس درجے اس کے بلند کئے جاتے ہیں اور شام تک شیطان سے حفاظت میں رہتا ہے اور شام کو کہے تو صبح تک یہی رہتا ہے۔

حضرت حمادؒ کہتے ہیں: ایک آدمی نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا: ابو عیاش آپ کے متعلق یہ حدیث بیان کرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا: ابو عیاش نے سچ کہا۔ (ابوداؤد)

گھر سے نکلنے کی دُعا

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے گھر سے نکلتے وقت یہ پڑھے، خواہ سفر ہو یا نہ ہو، نکلتے وقت یہ کلمات کہے:-

اٰمَنْتُ بِاللہِ اِعْتَصَمْتُ بِاللہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللہِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ.

تو اس نکلنے میں جو خیر ہے وہ عطا کردی جاتی ہے اور اس نکلنے میں جو شر ہے اس سے حفاظت ہوجاتی ہے۔ (احمد)

تین دفعہ میں دوزخ سے آزاد

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے یہ کہا:-

اِنِّیْ اُشْهِدُکَ وَاُشْهِدُ مَلٰٓئِکَتَکَ وَحَمَلَةَ عَرْشِکَ وَاُشْهِدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ اَنَّکَ اَنْتَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُکَ وَرَسُوْلُکَ.

جس نے یہ ایک مرتبہ کہا تو اس کا ایک تہائی دوزخ سے آزاد ہوجاتا ہے، اور جس نے تین مرتبہ کہا وہ پورے کا پورا دوزخ سے آزاد ہوجاتا ہے۔ (بزار بضعف)

چار مرتبہ کہو تو دوزخ سے نکلو

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کہا: "لَآ اِلٰـــهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ" اس کا ایک چوتھائی دوزخ سے آزاد کردیتے ہیں، اور جس نے دو مرتبہ کہا تو اس کا ایک حصہ دوزخ سے آزاد کردیتے ہیں اور جس نے چار مرتبہ کہا تو اس کا کل کو دوزخ سے آزاد کردیتے ہیں۔

(لکبیر بضعف)

کلمات باعثِ بخشش

حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ: مجھے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تجھے چند ایسے کلمات نہ بتلادوں جن کو تو کہہ لے تو اللہ تعالیٰ تجھے بخش دے، یا فرمایا: تو بخشا بخشایا ہوجائے گا، کہہ:-

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ. (ترمذی)

حاکم نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ صحیح الاسناد ہے۔

ستر ہزار فرشتوں کا اِستغفار

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے: جس شخص نے کہا: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ تَوَاضَعَ کُلُّ شَیْءٍ لِعَظْمَتِهٖ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ ذَلَّ کُلُّ شَیْءٍ لِعِزَّتِهٖ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اِسْتَسْلَمَ کُلُّ شَیْءٍ لِقُدْرَتِهٖ" سو اس نے کہا صرف اللہ کے پاس ہے جو اس کی طلب کے لئے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ ہزار نیکیاں لکھتے ہیں اور ہزار درجے اس کے بلند کر دیتے ہیں اور اس کے لئے ستر ہزار فرشتے مقرّر کر دیئے جاتے ہیں جو اس کے لئے قیامت کے دن تک اِستغفار کرتے ہیں۔ (لکبیر بضعف)

دُرود شریف کی فضیلت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھ پر ایک بار دُرود پڑھا حق تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، اور جو شخص مجھ پر سو بار دُرود پڑھتا ہے تو حق تعالیٰ اس پر سو بار رحمتیں نازل فرماتا ہے، اور جو سو بار پڑھتا ہے تو حق تعالیٰ اس کی آنکھوں کے درمیان لکھ دیتے ہیں کہ یہ دوزخ اور نفاق سے بَری ہے اور اس کو شہداء کے مکان میں رہائش دیں گے۔ (للاوسط)

دُعا کی فضیلت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ایک آدمی اپنے گھر آیا اور گھر والوں کے فقر و فاقہ سے متأثر ہوا اور جنگل کی طرف چلا گیا، اس کی بیوی نے یہ دُعا کی: "اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا مَا نَطْحَنُ وَنَعْجِنُ وَنَخْبِزُ" تو اچانک گڑھا روٹیوں سے بھرا ہوا ہے اور چکی چل رہی ہے اور تنور روٹیوں سے بھرا ہوا ہے جو پکی پکائی ہیں، اس کا خاوند

جنگل سے آیا اور کہا: کھانے کے لئے تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ عورت نے کہا: اللہ نے رزق بھیج دیا ہے، اس نے چکی کو اُٹھالیا اور جھاڑو دے دی، وہ ختم ہوگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اگر یہ نہ اُٹھاتا تو قیامت تک چکی بند نہ ہوتی۔

(احمد، بزار)

آخرت سے غفلت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں نے ایسا آدمی نہیں دیکھا کہ دوزخ سے بھاگنا چاہتا ہو اور وہ سو رہا ہو، اور نہ ایسا آدمی کہ جنت کا طلب گار ہو اور سو رہا ہو۔ (ترمذی)

اظہارِ گناہ، گناہ ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری ساری اُمت جنت میں جائے گی سوائے مجاہرین کے، اور جہار میں سے یہ بھی ہے کہ رات کو اس نے گناہ کیا اور حق تعالیٰ نے اس کو پردے میں رکھا، مگر صبح ہوتے ہی اس نے اظہار کرنا شروع کردیا کہ اے شخص! رات میں نے اس طرح کا کام کیا، حالانکہ رات کو کسی کو معلوم نہ تھا، اللہ کے اس پردے کو اس نے کھول دیا۔

عیدین کی نماز میں اَذان و اِقامت نہیں ہوتی

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ایک مرتبہ نہیں کئی مرتبہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عیدین کی نماز بغیر تکبیر و اقامت کے پڑھی ہے۔ (جمع الفوائد)

عید کا خطبہ نماز کے بعد ہونا چاہئے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔ (شیخین، ترمذی، نسائی)

عیدین کی نماز میں ہر رکعت میں تین تکبیر زائد کہنی چاہئیں، یہ واجب ہیں، پہلی رکعت میں تین تکبیر اور ایک تکبیرِ تحریمہ، دُوسری رکعت میں تین تکبیر زائد اور ایک رُکوع کی تکبیر ہوتی ہے۔

(ماہنامہ ''الاشرف'' کراچی ذوالحجہ ۱۴۱۵ھ - مئی ۱۹۹۵ء)